المکتبۃ السلفیۃ

شیش محل روڈ، لاہور

مقالات

پروفیسر عبدالقیوم رح

جلد دوم
خطبات و مضامین

ترتیب
ڈاکٹر محمود الحسن عارف • میجر (ر) زبیر قیوم

ناشر
المکتبۃ السلفیۃ
شیش محل روڈ لاہور ۵۴۰۰۰

Marfat.com

Marfat.com

مقالات

پروفیسر عبدالقیوم رح

ترتیب

ڈاکٹر محمود الحسن عارف ۰ میجر (ر) زبیر قیوم

جلد دوم

خطبات، مضامین

ناشر
المکتبۃ السلفیۃ
شیش محل روڈ، لاہور ۵۴۰۰۰

Marfat.com

131255

ناشر ———————— المکتبۃ السلفیۃ
تاریخ ———————— اکتوبر ۱۹۹۷ء
مطبع ———————— زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

Marfat.com

فہرست مقالات پروفیسر عبدالقیومؒ (جلد دوم)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	فہرست عنوانات	۳
	پیش لفظ	۷
(۵)	علم الحدیث: نامور محدثین	۹
۱	تاجدار اقلیم حدیث حافظ ابن حجر العسقلانیؒ	۱۱
۲	حافظ سخاویؒ: نویں صدی ہجری کا ایک نامور مصری مورخ و محدث	۵۸
۳	شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی علمی اجتماعی اور تعلیمی خدمات کا جائزہ	۷۸
۴	شیخ علی المہائمیؒ ایک نامور محدث و فقیہ	۹۵
(۶)	برصغیر پاک و ہند کی سیاسی، علمی اور معاشرتی تاریخ	۱۰۱
۱	برصغیر پاک و ہند میں سرمایۂ علم حدیث	۱۰۳
۲	برصغیر پاک و ہند میں اشاعت حدیث	۱۱۳
۳	برصغیر پاک و ہند میں ۱۹۵۸ء سے ۱۹۷۲ء تک کا دور	۱۲۱
۴	پاکستان کا نصاب تعلیم (ایک جائزہ)	۱۶۴
۵	مسلمان طلبہ اور تحریک آزادی	۱۶۷
۶	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: شخصیت اور کارنامے	۱۷۷
۷	مولانا رومی: چند باتیں چند یادیں	۱۸۰
۸	آہ: شیخ محمد اشرف مرحوم	۱۸۵
(۷)	تصوف اور صوفیائے کرام	۱۸۹
۱	تصوف، صوفیہ کی نظر میں	۱۹۱
۲	اندلس کے صوفی مفکر، ابن عربیؒ	۱۹۷
۳	سلطان ابراہیم بن ادہمؒ ایک نامور صوفی	۲۰۴
۴	شیخ جلال الدین بخاریؒ	۲۰۹
۵	خواجہ محمد باقی باللہؒ: ایک نامور عالم اور صوفی	۲۱۳
۶	خواجہ محمد معصومؒ	۲۱۷
۷	خواجہ محمد سعیدؒ	۲۲۲

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
(۸)	**مسلک اہلحدیث اور ان کی خدمات**	۲۲۷
۱	مسلک اہلحدیث اور انکی دینی وملی خدمات	۲۲۹
۲	اہلحدیث علماء کی خدمات	۲۴۱
۳	بنگال میں اہلحدیث مسلک کی تبلیغ	۲۵۰
۴	علامۃ الدھر نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ	۲۵۳
۵	مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ	۲۵۸
۶	مولانا بخش صاحب ندویؒ	۲۶۳
۷	مولانا عبدالرحیم صاحب محمدیؒ	۲۶۵
۸	مولانا عبداللہ صاحب ندویؒ	۲۶۷
۹	مولانا محی الدین خان سلفیؒ	۲۶۹
۱۰	مسجد مبارک کی تعمیر و تاسیس	۲۷۱
۱۱	مسجد مبارک میں مولانا حنیف ندویؒ کا عہد مبارک	۲۷۶
(۹)	**ریڈیو و دیگر مواقع پر کی گئی تقاریر، قرآن وسنت کی مختصر تشریحات**	۲۸۳
۱	قرآنی اصطلاح ، فلاح اور اس کا مفہوم	۲۸۵
۲	قرآنی اصطلاح ، امت وسطا اور اس کا مفہوم	۲۹۱
۳	اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے	۲۹۸
۴	مسجد کی عسکری اہمیت	۳۰۴
۵	حصول تقویٰ ، خشیت الٰہی	۳۰۹
۶	خوف خدا	۳۱۶
۷	تقویٰ	۳۲۱
۸	رشوت لینے اور دینے والے کا حکم	۳۲۶
۹	بچوں کے اسلامی نام رکھنا	۳۲۹
۱۰	انسانی صلاحیتوں کا جائز استعمال	۳۳۱
۱۱	اسلام میں عیادت مریض اور اس کی اہمیت	۳۳۹
۱۲	حرص وطمع	۳۴۲
۱۳	نماز عید ادا کرنے کا طریقہ	۳۴۵
۱۴	فلسفۂ دعاء	۳۵۴
۱۵	صبر و استقامت	۳۶۲
۱۶	اسلامی برادری ایک امت ہے	۳۶۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۷	حقیقت صوم	۳۷۲
۱۸	عدل واحسان	۳۷۵
۱۹	دوبابرکت کلمے	۳۸۰
(۱۰)	سفرنامہ یورپ وحرمین	۳۸۳
۱	سفرنامہ یورپ و حرمین الشریفین	۳۸۵
(۱۱)	تبصرہ کتب	۳۹۹
۱	امام غزالیؒ کی کتاب الاربعین فی اصول الدین کا اجمالی جائزہ	۴۰۱
۲	سیرۃ النبیؐ ، از مولانا شبلی نعمانیؒ و سید سلیمان ندویؒ	۴۰۷
۳	JINNAH WAVEL CORRESPONDENCE از : پروفیسر شیر محمد گریوال	۴۱۱

(جلد دوم ختم ہوئی)

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

بحمد للہ مقالات پروفیسر عبدالقیوم کی جلد دوم اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ جلد سابقہ جلد کے مضامین و مقالات کا تسلسل ہے۔

اس مجموعہ میں حسب ذیل عنوانات پر مقالات و مضامین شامل کیے جا رہے ہیں:

۱۔ علم الحدیث و نامور محدثین (چار مقالات)

۲۔ برصغیرپاک و ہند کی سیاسی' علمی اور معاشرتی تاریخ (سات مقالات)

۳۔ تصوف اور صوفیائے کرام (سات مقالات)

۴۔ مسلک اہل حدیث اور ان کی خدمات (گیارہ مقالات و مضامین)

۵۔ ریڈیو اور دیگر مواقع پر کی گئی تقاریر: قرآن و سنہ کی مختصر تشریحات۔

اس حصے میں مرحوم کی ۱۸ تقاریر جمع کی گئی ہیں جو انہوں نے مختلف مواقع پر کیں۔

۶۔ سفر نامہ: اس حصے میں پروفیسر صاحب کا وہ سفر نامہ درج کیا گیا ہے جو انہوں نے ہالینڈ و برطانیہ نیز حرمین الشریفین سے واپسی پر لکھا تھا۔ انداز بیان دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔

۷۔ تبصرہ کتب: اس حصے میں تین کتب پر مختصر مگر جامع تبصرے دیے گئے

Marfat.com

ہیں۔ الغرض یہ حصہ بھی سابقہ حصے کی طرح بہت سے اہم مقالات و مضامین پر مشتمل ہے۔

ہمیں امید ہے کہ آپ اس حصے کو بھی سابقہ حصے کی طرح دلچسپ اور معلومات افزا پائیں گے۔

(ڈاکٹر محمود الحسن عارف)

مرتب

عِلم الحدیث اور نامورِ محدّثین

Marfat.com

Marfat.com

تاجدارِ اقلیم حدیث، حافظ ابن حجر العسقلانیؒ

نام و نسب

حافظ ابن حجر کا نام احمد تھا، ابو الفضل کنیت اور شہاب الدین لقب۔(۱) امام سیوطی نے سلسلۂ نسب یوں درج کیا ہے: احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد بن حجر بن احمد الکنانی۔(۲)

سلسلۂ نسب لکھتے ہوئے بعض سیرت نگاروں میں تھوڑا سا اختلاف رونما ہو گیا ہے۔ حافظ ابن حجر کے شاگرد رشید حافظ شمس الدین سخاوی نے شجرۂ نسب یوں درج کیا ہے: احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد،(۳) یعنی سخاوی نے سلسلۂ نسب کی چند کڑیاں حذف کر دی ہیں۔ حافظ ابن حجر کا ہم عصر مورخ ابن تغری بردی یوں رقمطراز ہے: شہاب الدین ابو الفضل احمد بن شیخ نورالدین علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد بن حجر۔(۴) حافظ تقی الدین بن فہد مکی نے سلسلۂ نسب یوں قلمبند کیا ہے: احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن محمود بن احمد بن احمد بن العسقلانی۔(۵) خود سیوطی نے ذیل طبقات الحفاظ للذہبی(۶) میں ابن حجر کا نسب لکھتے ہوئے حجر درج نہیں کیا۔ باقی ترتیب نظم

☆ اس عنوان پر پروفیسر عبدالقیوم صاحب مرحوم کا ایک مقالہ مقالات کی جلد اول میں اشاعت پذیر ہو چکا ہے مگر اس میں حوالہ جات نہیں ہیں۔ نیز وہ اس کی نسبت مختصر ہے، لہذا افادۂ عام کی خاطر یہ مقالہ بھی شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

۱۔ النجوم الزاہرۃ فی اخبار مصر و القاہرۃ: ابن تغری بردی، ۷: ۳۲۶

۲۔ نظم العقیان، ص ۴۵

۳۔ الضوء اللامع، ۲: ۳۶

۴۔ النجوم الزاہرۃ، ۷: ۳۲۶

۵۔ لحظ الالحاظ، ذیل طبقات الحفاظ، ص ۳۲۶ (طبع ذیول ثلاثہ)

۶۔ ذیول ثلاثہ، ص ۳۸۰

Marfat.com

العقبان والی قائم رکھی ہے۔ابن العماد حنبلی نے حافظ ابن حجرؒ کا نسب نامہ یوں بیان کیا ہے: احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد۔(۱) یہ سلسلہ بھی ناقص اور غیر مکمل ہے۔ بہرحال سلسلۂ نسب کی ترتیب میں چوتھے جد تک سب کو اتفاق ہے۔ اختلاف اس کے بعد رونما ہوتا ہے۔

حافظ موصوف عام طور پر ابن حجرؒ کے لقب سے مشہور ہوے۔ سخاوی کہتا ہے کہ ابن حجرؒ حافظ موصوف کے آباؤ اجداد میں سے کسی کا لقب تھا۔ **ویعرف با بن حجر و هو لقب لبعض آبا ئه**)(۲) ابن العماد کے قول کے مطابق ابن حجر آل حجر کے طرف منسوب ہے۔ آل حجر ایک قوم تھی جو بلاد الجرید کے جنوبی حصہ میں بستی تھی، لیکن ان کا اصلی وطن قابس کا علاقہ تھا۔ وہ لکھتے ہیں: **الشهير با بن حجر نسبة الى آل حجر، قوم تسكن الجنوب الا خر على بلا د الجريد و ا رضهم قا بس**۔(۳) بقول یاقوت بلاد الجرید افریقہ میں ہے۔ شوکانی نے بھی سخاوی کا یہی قول نقل کیا ہے۔(۴)

ابن حجر کی نسبت العسقلانی ہے۔ عسقلان سرزمین شام کا مشہور شہر ساحل سمندر پر نواحی فلسطین میں واقع ہے۔ یاقوت اسے غزہ اور بیت جبرین (دیکھیے معجم البلدان، ۶: ۷۷) کے درمیان بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ عسقلان شہر یافا کے جنوب مغرب میں پچاس کیلو میٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ ابن حجر کے آباؤ اجداد کا اصلی وطن عسقلان تھا اور اسی نسبت سے وہ عسقلانی مشہور ہوئے۔

۱۔ شذرات الذہب، ۷: ۲۷۰۔ شوکانی نے بھی البدر الطالع (۱: ۸۷) میں یہی ترتیب درج کی ہے۔

۲۔ الضوء اللامع، ۲: ۳۶

۳۔ شذرات الذہب، ۷: ۲۷۰

۴۔ البدر الطالع، ۱: ۸۷

Marfat.com

چونکہ حافظ ابن حجر مصر میں پیدا ہو کر وہیں پروان چڑھے او وہیں وفات پائی' اس وجہ سے المصری القاہری کہلائے۔ فقہی مسائل میں امام شافعیؒ کے مسلک کو ترجیح دینے کے باعث الشافعی بنے۔

حافظ ابن حجر کا خاندان علم و ادب کا گہوارہ تھا۔ ان کے آباؤ اجداد نے علوم و معارف میں بڑا نام پیدا کیا۔ وہ سب علم و فضل میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ حافظ ابن حجر کے والد شیخ نور الدین علی کو ابن سید الناسؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا اور دادا شیخ قطب الدین محمد کو اکابر علمائے حدیث سے روایت کی اجازت ملی تھی۔

پیدائش اور تعلیم و تربیت

اکثر سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ حافظ ابن حجر ۲۲ شعبان المکرم ۷۷۳ھ کو مصر قدیم میں پیدا ہوئے۔ البتہ حافظ تقی الدین بن فہد مکی نے تھوڑا سا اختلاف کیا ہے۔ ان کے نزدیک ابن حجر کی پیدائش ۲۲ شعبان کے بجائے ۲۳ شعبان کو ہوئی۔(۱) حافظ سیوطی نے تاریخ پیدائش ۱۲ شعبان بتائی ہے۔(۲) بہرکیف سن پیدائش میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

۱۔ لحظ الالحاظ' ص ۳۲۶

۲۔ نظم العقیان' ص ۴۵

Marfat.com

ابن حجر کی عمر بمشکل چار برس کی تھی کہ ماہ رجب ۷۷۷ھ میں ان کے والد ماجد نے اس دارفانی کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا۔(۱) والد کا سایہ عاطفت اٹھ جانے کے بعد ابن حجر کی کفالت و تربیت مرحوم باپ کے نامزد کردہ وصی شیخ زکی الخروبی کے سپرد ہوئی اور شیخ موصوف کی زیر نگرانی ابن حجر نے پرورش پائی۔(۲)

پانچ برس کی عمر میں ابن حجر کو مدرسے بھیجا گیا۔(۳) قدرت نے ذہانت اور ذکاوت کی بخشش میں بڑی فراخدلی اور فیاضی سے کام لیا تھا۔ قوت حافظہ کی کرشمہ سازیاں بھی کچھ کم تعجب انگیز نہ تھیں۔ سورۂ مریم ایک دن میں زبانی یاد کر لی۔(۴) نو برس کی عمر میں صدر السفطی شارح مختصر التبریزی کی زیر تربیت قرآن مجید حفظ کر لیا۔(۵) کتاب "الحاوی الصغیر"(۶) کا ایک صفحہ دو مرتبہ پڑھ لینے کے بعد زبانی یاد ہو جاتا۔(۷) اس کے علاوہ عمدۃ' مختصر ابن الحاجب فی الاصول اور الفیۃ الحدیث عراقی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

۱۔ لحظ الالحاظ' ص ۳۲۶

۲۔ الضوء اللامع' ۲: ۳۶

۳۔ لحظ الالحاظ' ص ۳۲۶

۴۔ لحظ الالحاظ' ص ۳۲۶

۵۔ الضوء اللامع' ۲: ۳۶

۶۔ فروع میں شوافع کے ہاں بڑی مقبول و معتبر کتاب تھی۔ اس کے مصنف شیخ نجم الدین عبدالغفار بن عبدالکریم القزوینی الشافعی نے ۶۶۵ھ میں وفات پائی۔ حاجی خلیفہ کہتے ہیں۔ ہو کتاب وجیز اللفظ' بسیط المعانی محرر المقاصد' مہذب المبانی' حسن التالیف والترتیب جید التفصیل والتبویب ولذلک عکفوا بالشرح والنظم (کشف الظنون' ۳: ۵۔۶)

۷۔ لحظ الالحاظ' ص ۳۲۶

Marfat.com

حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ ابن حجر اپنے کفیل شیخ زکی الخروبی کے ساتھ ۷۸۴ھ میں مکہ مکرمہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حج بیت اللہ سے فارغ ہونے کے بعد بھی ارض مقدسہ میں قیام رہا اور رمضان المبارک میں وہیں قرآن مجید (محراب) سنایا۔(۱) خوش نصیبی اور سعادت مندی نے ایسا ساتھ دیا کہ ۷۸۵ھ بھی مکہ معظمہ میں گزرا۔ اس قیام کے دوران ابن حجر کو العفیف النشاوری سے صحیح بخاری سننے کا اتفاق ہوا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ابن حجر نے کسی استاد سے حدیث سنی۔(۲) ابن حجر کے یہ استاذ حدیث شیخ عفیف الدین عبداللہ بن محمد بن محمد بن سلیمان دراصل نیشاپور کے رہنے والے تھے' لیکن مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اسی نسبت سے المکی اور النشاوری مشہور ہوئے۔ شیخ عفیف کی ولادت ۷۰۵ھ میں ہوئی تھی۔ انہوں نے الرضی الطبری سے حدیث سنی اور بڑی کثرت سے حدیث روایت کی۔ آخری عمر میں قاہرہ چلے گئے اور وہیں درس حدیث دیا کئے۔ لیکن پھر مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ تھوڑی عرصے کے بعد ذوالحجہ ۷۹۰ھ میں سفر آخرت اختیار کیا۔(۳)

اساتذۂ ابن حجر

حافظ ابن حجر کے اساتذہ اور شیوخ کی فہرست خاصی طویل ہے۔ اور ان اساتذہ میں ایسے متبحر اور نادر روزگار ماہرین علوم و فنون نظر آتے ہیں جن کی مثال تلاش کرنا چنداں آسان نہیں۔ ابن حجر کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش بختی ہو سکتی تھی کہ اسے ایسے اساتذہ سے تحصیل علم کا موقع ملا جو اپنے اپنے فن میں یکتائے زمانہ تھے۔ اور یہ

۱۔ الضوء اللامع' ۲: ۳۶

۲۔ لحظ الالحاظ' ص ۳۲۶ (ذیل بحوالہ انباء الغمر بانباء العمر)

۳۔ لحظ الالحاظ' ص ۳۲۶

Marfat.com

ایسی سعادت تھی جو کسی دوسرے ہم عصر کو نصیب نہ ہو سکی۔ التنوخیؒ قرات میں بے مثال تھے اور العراقی علوم حدیث میں یگانہ روزگار۔ حفظ متون میں الھیثمیؒ کا استحضار اور مہارت کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوا تھا۔ البلقینی وسعت معلومات اور کثرت اطلاع میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے اور ابن الملقن علم حدیث میں کثیر التصانیف تھے۔ مجدالدین فیروز آبادی لغت کے حافظ و امام تھے۔ الغماری اور المحب بن ہشام عربیت اور اس کے متعلقات میں یکتائے زمانہ تصور کئے جاتے تھے۔ البتہ الغماری کو قوت حافظہ کی وجہ سے فوقیت حاصل تھی اور المحب کو اپنی ذھانت و فطانت کی وجہ سے فضیلت تھی۔ وسعت معلومات اور ہمہ دانی کے اعتبار سے العزبن جماعہ کو چلتا پھرتا دائرۃ المعارف سمجھنا چاہئے اور اس باب میں ان کا کوئی ھمسر و شریک نہ تھا۔ العزکہا کرتے تھی کہ میں نے پندرہ ایسے علوم پڑھے ہیں کہ میرے ھمعصر علما ان علوم کے نام تک سے ناآشنا ہیں(۱)۔

شعرو ادب کا شوق

حافظ ابن حجرؒ کو شعرو شاعری سے طبعی لگاؤ تھا۔ ابتدا میں شعرو سخن اور ادب تاریخ میں بڑی دسترس حاصل کی اور ان علوم کو حد کمال تک پہنچایا(۲)۔ حافظ ابن فھد مکی کہتے ہیں کہ ابن حجر نے اتنے عمدہ اور اچھے شعر کہے کہ باد نسیم بھی لطافت و نزاکت میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ (قال الشعر الحسن الذی ھو ارق من النسیم)۔(۳) امام سیوطی لکھتے ہیں کہ شعرو ادب کا اتنا ذوق تھا کہ آسمان شاعری پر شہاب ثاقب بن

۱۔ الضوء اللامع' ۲: ۳۷۔۳۸

۲۔ حسن المحاضرہ' ۱: ۱۵۳ (مطبعۃ الشرقیہ)

۳۔ لحظ الالحاظ' ص ۳۲۷

Marfat.com

کر چکے اور اپنے زمانے کے بہترین شعرا کی صف اول میں شمار ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے بڑی کثرت سے شعر کہے اور خوب کہے: **وعنی بالادب والشعر حتی برع فیھا' ونظم الکثیر فاجاد' وھو ثانی السبعۃ الشھب من الشعراء**(۱)

نویں صدی ہجری میں مصر میں سات چوٹی کے مشہور شاعر تھے۔ ہر ایک کا لقب شہاب الدین تھا۔ ابن حجر کو فضیلت اور درجے کے اعتبار سے ان شعرا میں دوسرا درجہ حاصل تھا۔

ابن العماد بھی ابن حجر کے ذوق شعر گوئی کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ بکثرت شعر کہنے کے باوجود اس کے شعروں کو بدرجہ غایت ملیح قرار دیتا ہے:

وتولع بالنظم وقال الشعر الکثیر الملیح الی الغایۃ(۲)

ابن تغری بردی بھی ابن حجرؒ کو مصر کے مشہور شعرا میں شمار کرتا ہے اور اس کے اشعار کو نہایت عمدہ اور حسین قرار دے کر اس کی شاعری کی داد دیتا ہے:

واما شعرہ فکان فی غایۃ الحسن(۳)

حافظ سخاوی کا کہنا ہے کہ ابن حجر کی نظم و نثر بڑی فصیح و بلیغ تھی۔ اس کے اشعار علمی مجلسوں میں پڑھے جاتے اور اس کے خطبات ادبی محفلوں میں دہرائے جاتے تھے۔(۴)

۱۔ نظم العقیان' ص ۴۵

۲۔ شذرات الذہب' ۷: ۲۷۰

۳۔ النجوم الزاھرۃ' ۷: ۳۲۷

۴۔ الضوء اللامع' ۲: ۳۸

حافظ ابن حجر کے سیرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شاعری ابن حجر کی گھٹی میں داخل تھی۔ بعض سیرت نگاروں نے کسی کا یہ مقولہ بھی نقل کر دیا ہے کہ ابن حجر طبعاً شاعر ہے' پیشے اور ہنر کے اعتبار سے محدث ہے اور فقیہ محض تکلف کے طور پر:

کان شاعرا طبعا' محدثا صناعۃ' فقیہا تکلفا۔(۱)

بہرحال ابن حجر صاحب دیوان شاعر ہیں اور اپنے زمانے کے مشہور شاعروں میں ان کا شمار ہے۔ ان کے ہمعصر نقادان شعر ان کی شاعری کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور ان کے اشعار کی دل کھول کر داد دیتے ہیں۔

جب علم حدیث کا چسکا لگا تو شوق و انہماک حدیث کے باعث شعر گوئی کی طرف توجہ کم ہو گئی۔ چونکہ شاعری سے طبعی نسبت تھی' لہذا جب کبھی شعر کہے تو دینی جذبات کا پہلو بہت نمایاں نظر آیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حافظ ابن حجر کی شاعری کے مختلف دور ہیں۔ پہلا دور عشق و محبت اور غزل گوئی کا ہے اور آخری دور میں الٰہیات اور معرفت ربانی غالب ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سألت من لحظه و حاجبه
کالقوس والسهم موعدا حسنا
فلوق السهم من لواحظه
والقوس الحاجبان واقترنا

اتی من احبانی رسول فقال لی
ترفق وهن واخضع تفز برضانا

۱۔شذرات الذہب' ۴: ۲۷۱

Marfat.com

فکم عاشق قلبی الهوان بحبنا
فصار عزیزا حین ذاق هوانا

خلیلی ولی العمرمنا ولم نتب
وننوی فعال الصالحات ولکنا
فحتی متی نبنی بیوتا مشیدة
واعمارنا منا تهد وما تبنی(۱)

سألتها الوصل فضنت به
ان قلیلا فی الملاح السماح(۲)
بنده الازرق لما
شده من قد سبانی
جلول فوق کثیب
دار بسقی غصن بان(۳)

ثلاث من الدنیا اذا هی حصلت
لشخص فلا یخشی من الضر والضیر
غنی عن بنیها والسلامة منهم
وصحة جسم ثم خاتمة الخیر(۴)

۱۔ النجوم الزاہرۃ، ۷: ۳۲۷
۲۔ البدر الطالع، ۱: ۵۰
۳۔ البدر الطالع، ۱: ۵
۴۔ نظم العقیان، ص ۵۱

Marfat.com

احببت وقلدا كنجم طالع
انزلته برضا الغرام فوادی
وانا الشهاب فلا تعاند عاذلی
ان ملت نحو الكوكب الوقاد(۱)

لقد ان ان نتقی خالقا
اليه الماب و منه النشور
فنحن لصرف الردی مالنا
جميعا من الموت واق نصير(۲)

شعبان ۸۴۹ھ میں حافظ ابن حجر نے اپنے علمی مشاغل کا ذکر کرنے کے بعد یہ شعر کہے:

ولی من العمر فی ذا اليوم قد كملا
ستا وسبعين عامارحت احسبها
من سرعة السير ساعات فيا خجلا
اذا رأيت الخطايا او بقت عملی
فی موقف الحشر لولا ان لی املا
توحيد ربی يقينا والرجاء له
وخدمتی ولا كثار الصلاة علی

۱۔ شذرات الذہب، ۷: ۲۷۳

۲۔ الضوء اللامع، ۲: ۴۰

Marfat.com

محمد فی صبلحی والمساء وفی
خطی و نطقی عسلها تمحق الزللا
فاقرب النلس منہ فی قیامۃ
من بالصلاۃ علیہ کان مشتغلا(۱)

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود پڑھنے کی وجہ سے روز قیامت کو مغفرت کی امید رکھتے تھے۔

جب علوم و فنون اور درس و تدریس میں انہماک زیادہ ہو گیا' تو شعر گوئی کی طرف توجہ کم ہو گئی' دوست احباب کو یہ روش پسند نہ آئی۔ چنانچہ الشریف صلاح الدین الاسیوطی نے چند اشعار حافظ ابن حجر کو لکھ بھیجے اور شعر گوئی پر اکسایا' مگر حافظ نے انتیس اشعار میں اپنی مصروفیتوں کی بنا پر معذرت کرتے ہوئے کہا کہ شعر کہنے کے لیے فرصت کا وقت نہیں ملتا' چند اشعار ہدیۂ قارئین ہیں:

نعمْ کان میل الی الشعر برھۃ
وابکار فکری ما لھنّ بعول
فشعب منی فکرتی عب ء منصب
تحملتہ فی کاھلی ثقیل
وفصل قضا یا فی تفاصیل امرھا
فصول و کم عندالخصوم فضول
ومجلس املاء و خطبۃ جمعۃ
ودرس و تعلیل لہ و دلیل

۱۔ نظم العقیان' ص ۵۰۔۵۱

Marfat.com

حدیث و تفسیر و فقہ قوامھا
عقول تعانی فھمھا و نقول
لمستنبطات الفقہ مستبطنا تھا
تزور فان لم اضبطن تزول
وطالب اسماع وفتیاو حاجہ
وطالب علم البحوث سؤول
وکلھم یرجو نجاح مرادہ
ویصحب ان ارجاتہ ویصول
وھنا الی اوقات نوم و راحة
واکل و شرب یعتریہ ذھول
ولی نفس ترویح نفس اجمھا
وتانیس ھزل ھزلھن ھزیل
وامر معادی رحت فیہ مفرطا
وامر معاشی قلحواہ وکیل(۱)

شوق تحصیل علم حدیث

حافظ ابن حجر کی طالب علمی کا پہلا زمانہ تو شعر و ادب کی نذر ہو گیا۔ جب جوانی انگڑائیاں لینے لگی تو تحصیل حدیث کا شوق دامن گیر ہوا۔ حافظ بلا کا تھا' جس چیز کو ہاتھ ڈالا' اس میں کمال کر دکھایا۔

۱۔ نظم العقیان' ص ۵۲۔۵۳

131255

شعر و ادب کے شوق و شغف نے علم حدیث کے لئے زمین بڑی ہموار کر دی تھی۔ طبیعت میں صحیح ذوق ادبیت پیدا ہو چکا تھا۔ جب علم حدیث پڑھنا لکھنا شروع کیا تو علم و عرفان کے دریچے کھل گئے۔ فصاحت و بلاغت کے دریا بہنے لگے۔ ادبیت نے اتنا زور مارا کہ نثر میں شاعری ہونے لگی۔

حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ ابن حجر کے تحصیل علم حدیث کا زمانہ ۷۹۴ھ سے شروع ہوتا ہے'(۱) مگر حافظ سخاوی کے نزدیک طلب حدیث کی ابتدا ۷۹۳ھ سے ہوتی ہے۔ البتہ انہماک و شغف اور شیفتگی و دلبستگی ۷۹۶ھ میں پیدا ہوئی (۲) بس پھر کیا تھا حدیث سننے' لکھنے' تخریج و تعلیق اور تصنیف و تالیف میں ہمہ تن مشغول ہو گئے(۳) اور اتنا کام کیا اور اتنا نام پیدا کیا کہ اساتذہ' ہمعصر علما اور تلامذہ سب سے خراج تحسین وصول کیا۔

جہاں کہیں علم حدیث کا دیا روشن دیکھا فوراً" وہاں پہنچ کر مستنیر ہوا۔ قاہرہ' حرمین شریفین' اسکندریہ' بیت المقدس'' خلیل' نابلس' رملہ' غزہ' یمن اور دیگر علاقوں میں حدیث سنی۔ ابن العماد رقمطراز ہے کہ حافظ ابن حجر نے قاہرہ میں السراج البلقینی (۷۲۴۔۸۰۵ھ)' حافظ ابن الملقن (۷۲۳۔۸۰۴ھ) اور حافظ العراقی (۷۲۵۔۸۰۶ھ) سے حدیث سنی(۴) اور فقہ سیکھی۔ بیت المقدس میں شمس الدین القلقشندی اور بدرالدین مکی سے' دمشق میں بدرالدین بن قوام البالسی (المعمر المتوفی ۸۰۳ھ)' فاطمہ بنت المنجا التنوخیہ (م ۸۰۳ھ بعمر ۹۰ سال)' فاطمہ بنت عبدالہادی (م ۸۰۳ھ بعمر ۸۰ برس)' اور عائشہ بنت عبدالہادی (۷۲۳۔۸۱۶ھ) سے حدیث سنی اور روایت کی۔ موخر الذکر سے تو

۱۔ ذیل طبقات الحفاظ للذہبی' ص ۳۸۰ (ذیول ثلاثہ)

۲۔ الضوء اللامع' ۲: ۳۷

۳۔ نظم العقیان' ص ۴۵

۴۔ لحظ الالحاظ' ص ۳۲۷ (ذیول ثلاثہ)

روایت حدیث کے علاوہ بہت سی کتابیں بھی پڑھیں۔(۱) مکہ مکرمہ میں بنت احمد القسطلانیہ المکیہ (م ۸۰۳ھ) سے تحدیث و افتا کی اجازت حاصل کی۔(۲) عائشہ بنت ابی بکر بن قوام البالیہ (م ۸۰۳ھ) سے حدیث سنی اور روایت کی۔(۳) ام عمر کلیم بنت محمد رافع السلامی الدمشقیہ (م ۸۰۵ھ) سے بھی اجازت تحدیث حاصل تھی۔(۴) سارۃ بنت علی بن الکافی السبکی (م ۸۰۵ھ بعمر ستر سال) سے سماعت حدیث کا شرف حاصل تھا۔(۵) اپنی استانی سارۃ کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ **سمعنا منها قديما** (ہم نے ان سے بہت قدیم زمانے سے سماعت حدیث کی)۔

حافظ ابن حجر کے اساتذہ کی فہرست سے ایک بات بڑی نمایاں ہے کہ اس صف میں صنف نازک کو بڑی ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ اور علم و فضل کے میدان میں انہیں اتنی دستگاہ اور اسلامی معاشرے میں انہیں اتنا اونچا مجلسی درجہ حاصل تھا کہ ایک محقق طالب علم بھی ان کے علم و فضل سے بہرہ ور ہونا اپنے لیے انتہائی شرف و فضیلت تصور کرتا تھا۔ اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کا نصف بہتر محض بیکار اور معطل حصہ نہ تھا بلکہ معاشرے کی تعلیمی تگ و دو میں برابر کا شریک تھا۔

سلسلہ درس و تدریس اور املا و افتا

حافظ ابن حجر کو العراقی اور البلقینی جیسے جلیل القدر اور عالی مرتبت علماے

۱۔ شذرات الذہب' ۷ : ۲۷۱

۲۔ شذرات الذہب' ۷ : ۲۸

۳۔ شذرات الذہب' ۷ : ۲۳

۴۔ شذرات الذہب' ۷ : ۵۲

۵۔ شذرات الذہب' ۷ : ۵۰

Marfat.com

وقت اور اساتذۂ عصر سے درس و تدلیس اور افتا و تحدیث کی اجازت مل چکی تھی۔ لائق ترین اساتذہ کی رہنمائی و قیادت کے ساتھ ذاتی قابلیت اور ذہنی استعداد نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ حافظ ابن حجر کے جوھر چمکنے لگے اور ہر نئی صبح ان کے لیے اپنے ساتھ نئی شہرت اور عزت لاتی تھی۔

حافظ ابن حجر نے بہت سی درسگاہوں میں تفسیر' حدیث اور فقہ پڑھائی۔ الحسنیہ اور المنصوریہ میں تفسیر قرآن کا درس دیا۔ البرسیہ' الجمالیہ' المستجدیہ' الحسنیہ' الزینیہ' الشیخونیہ' جامع طولون اور القبۃ المنصوریہ میں درس حدیث دیا۔ الخروبہ البدویہ الشریفیہ الفخریہ' الشیخونیہ' الصالحیہ النجمیہ' الصلاحیہ' المؤیدیہ وغیرہ میں فقہ پڑھائی۔ البیبرسیہ کی مشیخت اور نظارت کے فرائض بھی انجام دیے۔ دارالعدل میں افتا کا ذمہ دار عہدہ بھی قبول کیا۔ جامع الازھر اور جامع عمرو بن العاص میں خطابت بھی کرتے رہے۔ نیز المحمودیہ میں کتاب خانے کے نگران کی حیثیت میں کام کیا۔(۱) ایک مرتبہ منصب قضا سے علیحدگی اختیار کی تو دارالحدیث الکاملیہ میں جاڈیرے ڈالے۔(۲)

حافظ ابن حجر کی شہرت دور دراز علاقوں تک پھیل گئی اور ہر جگہ ان کے علم و فضل کے چرچے ہونے لگے۔ دنیائے اسلام کے ہر گوشے سے طلبا بکثرت ان کے حلقہ درس میں شمولیت کرنے لگے۔ حافظ موصوف کی فضیلت اور علمیت کا یہ حال تھا کہ ہر مدرسہ فکر کے اکابر علما کو ان کے تلمذ اور شاگردی کا فخر حاصل تھا۔(۳)

حافظ ابن حجر کی مجالس املا میں شرکت کے لیے طالبان علم حدیث تمام اقطار اسلامی سے آتے۔ مصر کے اکثر و بیشتر علما کو ان مجلسوں میں شریک ہونے کا شرف

۱۔ الضوء اللامع' ۲: ۳۸-۳۹

۲۔ شذرات الذہب' ۷: ۲۷۱

۳۔ الضوء اللامع' ۲: ۳۹

Marfat.com

حاصل تھا۔ ابن العماد کے قول کے مطابق حافظ ابن حجر خانقاہ بیبرسیہ میں بیس برس تک املا کراتے رہے۔(۱) امام سیوطی کہتے ہیں کہ مجالس املاء کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔(۲)

ایک مرتبہ حافظ ابن حجرؒ دمشق گئے' وہاں دو مہینے اور دس دن قیام کیا۔ اس عرصہ میں کم و بیش ایک سو مجالس املاء کا انعقاد ہوا۔(۳)

حافظ ابن حجرؒ کے شاگردوں میں بہت سے مشہور اور جید محدثین' فاضل فقہاء' نامور مؤرخین اور شہرۂ آفاق سیرت نگار پیدا ہوئے' لیکن حافظ شمس الدین سخاوی تمام تلامذہ سے بڑھ گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سخاوی کو استفادے کا موقع سب سے زیادہ نصیب ہوا۔ وہ بچپن سے لے کر استاد کی موت تک ان کے ساتھ رہے اور ہر فن اور ہر علم میں استاد کی رہنمائی حاصل کی۔(۴)

عہدۂ قضا

حافظ ابن حجرؒ ان خوش قسمت انسانوں میں سے ہیں جنہیں علم و فضل کے ساتھ انتظامی اور انصرامی قابلیت سے بھی بہرۂ وافر ملا ہے۔ حافظ موصوف کو نظم و نسق کا خاص سلیقہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مختلف اداروں میں انتظامی امور کو بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔

سخاویؒ کے قول کے مطابق حافظ ابن حجر کم و بیش اکیس برس تک عہدہ قضا پر

۱۔ شذرات الذہب' ۷: ۲۷۱

۲۔ حسن المحاضرہ' ۱: ۱۵۴

۳۔ لحظ الالحاظ' ص ۳۲۷

۴۔ حافظ سخاوی پر راقم الحروف کا مضمون اورینٹل کالج میگزین' بابت ماہ مئی ۱۹۴۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔

Marfat.com

فائز رہے۔ پہلی مرتبہ محرم ۸۲۷ھ میں منصب قضا قبول کیا۔(۱) اس سے پہلے بھی یہی عہدہ کئی مرتبہ پیش کیا گیا' لیکن ہر بار قبول کرنے سے انکار کر دیا جاتا تھا'(۲) لیکن مشہور مؤرخ مصر ابن ایاس نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ابن حجر ۸۳۰ھ میں پہلی مرتبہ عہدۂ قضا پر فائز ہوئے۔(۳) اس ضمن میں سخاوی اور سیوطی کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ابن حجرؒ کو محرم ۸۲۷ھ میں پہلی مرتبہ قاضی مصر مقرر کیا گیا۔ پھر رجب ۸۲۸ھ میں' پھر جمادی الاولی ۸۳۴ھ میں' پھر ۸۵۰ھ۔ ربیع الآخرۃ میں یہ منصب انہیں پھر پیش کیا گیا' لیکن مشاغل کی کثرت اور ضعف پیری کے باعث بالآخر مجبوراً مستعفی ہو گئے۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اسلام میں عہدۂ قضا کی ابتدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ مدینہ منورہ میں تشریف لے آنے کے بعد جھگڑوں کو چکانے اور معاملات میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (اے پیغمبر تو لوگوں کے درمیان اللہ تعالی کے قانون کے مطابق فیصلہ کر) اور قضا کی اہمیت اور فیصلے کی قدر و قیمت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (پس قسم ہے' تیرے پروردگار کی' وہ صاحب ایمان نہ ہوں گے جب تک وہ تجھے اپنے اختلافی معاملات میں اپنا حکم نہ بنائیں اور پھر وہ اپنے دل میں کوئی تنگی نہ پائیں اور پوری طرح تسلیم کر لیں)۔ چنانچہ عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متخاصم فریقین کو حق گوئی اور سچائی کی تلقین فرمائی۔

۱۔ الضوء اللامع' ۲: ۳۸' نظم العقیان' ص ۴۵

۲۔ البدر الطالع' ۱: ۳

۳۔ تاریخ مصر' ۲: ۳۲

Marfat.com

عہد رسالت میں علاقے کا والی حاکم اور قاضی بھی ہوتا تھا۔ یہی دستور خلافتؓ ابوبکر صدیقؓ میں جاری رہا۔

علامہ ابن خلدون نے "مقدمہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو قضا اور حکومت و ولایت کو الگ الگ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں قاضی کی شرائط پر خوب بحث کی ہے اور ساری بحث کا دار و مدار حضرت فاروقؓ کا وہ خط ہے جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام کوفہ میں لکھا تھا۔

ساتویں صدی ہجری کے شروع تک مصر و شام کے لئے صرف ایک ہی قاضی ہوتا تھا۔ پھر مصر اور قاہرہ کے قاضی بھی الگ الگ مقرر ہونے لگے، لیکن سن ۶۶۲ھ میں الملک الظاہر بیبرس کے عہد میں مذاہب اربعہ کے لحاظ سے قاضیوں کا تقرر ہونے لگا۔ البتہ ابتدائے عہد میں نام تو علیحدہ ضرور تھے، لیکن شافعی مذہب کا قاضی ہی حنفی، مالکی اور حنبلی فقہ کے فیصلے دیا کرتا تھا۔ تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد یہ طریقہ چھوڑ دیا گیا اور ہر مذہب کے الگ الگ قاضی کا تقرر عمل میں آنے لگا۔

علمی موقف و مقام

حافظ ابن حجرؒ اپنے علم و فضل اور وسعت معلومات کے لحاظ سے بڑے بلند پایہ عالم تھے۔ بالخصوص علم حدیث اور اس کے متعلقات میں اپنے تمام اقران و معاصر سے سبقت لے گئے۔ تمام سیرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ علم حدیث میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ اس عہد کے تمام جلیل المرتبت علما، یگانہ روزگار فضلا اور یکتائے زمانہ مؤرخین اور سیرت نگار ابن حجر کی ذہانت، ذکاوت، علم و فضل، عظمت اور جلالت

Marfat.com

قدر کے معترف نظر آتے ہیں۔ حافظ العراقی فرماتے ہیں: اعلم اصحابه بالحدیث۔(۱) یعنی ابن حجر اپنے تمام معاصرین سے زیادہ حدیث جاننے والے تھے۔ التقی الفاسی اور برھان الحلبی نے ابن حجر کی فضیلت کا یوں اعتراف کیا ہے: مارأینا مثله۔(۲) یعنی ہم نے علم و فضل میں اس کی مثال نہیں دیکھی' ابن تغری بردی اسے امام' عالم' حافظ' شاعر' ادیب اور مصنف کہنے کے بعد تاجدار اقلیم حدیث کے معزز لقب سے یاد کرتا ہے: قاضی القضاۃ' شیخ الاسلام حافظ المشرق والمغرب امیر المومنین فی الحدیث۔(۳) اس کے بعد وہ ابن حجر کی جلالت قدر اور علو مرتبت کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے کہ اس کی موت کے بعد مشرق و مغرب میں کوئی اس کا جانشین نہ بن سکا اور زندگی میں اس کا علم حدیث میں اپنا کوئی ہم پلہ اور نظیر نظر نہ آیا۔ الفاظ ملاحظہ ہوں: ومات ولم یخلف بعدہٗ مثلہٗ شرقاً و غرباً' ولا نظر ھو مثل نفسه فی علم الحدیث۔(۴) ابن ایاس اس کی عظمت و جلالت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حافظ ابن حجر کی وفات کے بعد کوئی عالم اس کا جانشین بننے کے قابل نہ تھا: ولما مات لم یخلفه احد من العلماء من بعده۔(۵) حافظ سیوطی کا قول ہے کہ حافظ ابن حجر نے علم حدیث میں خوب دستگاہ پیدا کی اور اس علم کے تمام شعبوں میں سب لوگوں سے آگے نکل گیا: وبرع فیه وتقدم فی جمیع فنونه۔(۶) ابن العماد کی رائے یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے فقہ و عربیت میں بڑا نام پیدا کیا۔

۱۔ الضوء اللامع' ۲: ۳۹

۲۔ الضوء اللامع' ۲: ۳۹

۳۔ النجوم الزاھرۃ' ۷: ۳۲۶

۴۔ النجوم الزاھرۃ' ۷: ۳۲۶

۵۔ تاریخ مصر' ۲: ۳۲

۶۔ حسن المحاضرۃ' ۷: ۲۷۰۔۲۷۱

Marfat.com

علم حدیث میں تمام عالم اسلامی کا دار و مدار اور انحصار اسی پر ہے۔ پھر وہ انہیں حافظ الاسلام' قدوۃ الامۃ' علامہ العلماء' تاجدار اقلیم حدیث' حجۃ الاسلام' محی السنہ' شیخ الاسلام اور حافظ العصر کے بلند القاب سے یاد کرتا ہے۔(۱)

حافظ تقی الدین ابن فہد مکی ابن حجر کو یگانہ روزگار اور یکتائے زمانہ مانتے ہوئے ان الفاظ میں اس کی قابلیت اور لیاقت کی داد دیتے ہیں: **الامام العلامۃ الحافظ' فرید الوقت' مفخر الزمان' بقیۃ الحفاظ' علم الائمۃ الاعلام' عمدۃ المحققین' خاتمۃ الحفاظ المبرزین' والقضاۃ المشهورین۔** ساتھ ہی یہ کہا کہ وہ عدیم المثال گزرے ہیں' نہ آنکھوں نے اس جیسا دیکھا' نہ اس نے کوئی اپنے جیسا دیکھا: **لم تر العیون مثلہ' ولا رای ہو مثل نفسہ۔**(۲)

اگرچہ سیوطی کو ابن حجر کی مجالس درس و تدریس اور املا میں شرکت کا موقع نہیں مل سکا' لیکن اسے اعتراف ہے کہ اس نے علم حدیث میں حافظ ابن حجر کی تصانیف سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔(۳) نیز سیوطی حافظ موصوف پر فخر کرتا ہے اور بہت خوش نظر آتا ہے کہ اس نے اور اس کے استاد (ابن حجر) نے سلسلہ املا جاری کیا' جو مدت مدید سے منقطع ہو چکا تھا۔ ساتھ ہی ابن حجر کے حافظے پر اسے اتنا اعتبار اور وثوق ہے کہ وہ اس کی روایت کو بے کھٹکے قبول کر لینے پر آمادہ نظر آتا ہے: **لہ الحفظ الواسع الذی انا وصفتہ' فحدث عن البحر ابن حجر ولا حرج**(۴)

۱۔ شذرات الذہب' ۷: ۲۷۰۔ ۲۷۱

۲۔ لحظ الالحاظ' ص ۳۲۶

۳۔ ذیل طبقات الحفاظ' ص ۳۸

۴۔ نظم العقیان' ص ۴۵

جب حافظ العراقی کی وفات کا وقت قریب آ پہنچا تو ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے بعد جانشین کسے بنایا جائے' تو اس کے جواب میں حافظ العراقی نے فرمایا۔ ابن حجر' پھر میرا بیٹا ابو زرعۃ پھر الھیثمی۔(۱)

سرکیس لکھتا ہے کہ ابن حجرؒ کے زمانے میں اس کے سوا دوسرا کوئی حافظ حدیث نہ تھا: **فلم یکن فی عصرہ حافظ سواہ**(۲)

ایک اور جگہ سیوطی نے ابن حجر سے یوں اظہار عقیدت کیا ہے: **فرید زمانہ' وحامل لواء السنۃ فی اوانہ' ذھبی ھذا العصر ونضارہٗ' وجوہر الذی ثبت بہ علی کثیر من الاعصار فخارہ' امام ھذا الفن للمتقد مین' ومقدم عساکر المحدّثین' وعمدۃ الوجود فی التوھیہ والصحیح' واعظم الشھود والحکام فی بابی التعدیل والتجریح**(۳)

غرضیکہ حافظ ابن حجر کے آستانۂ علم و فضیلت پر بڑی بڑی شخصیتوں کے سرخم نظر آتے ہیں۔ اکابر اھل علم نے اس کے حضور میں عقیدت و نیازمندی کے پھول پیش کئے۔ نامور مصنفوں نے اپنی کتابوں میں اس کی تصانیف سے اقتباسات درج کرکے ابن حجر کے علو مرتبت اور جلالت قدر کا اعتراف و اقرار کیا۔ مشہور و معروف مؤرخوں اور شہرۂ آفاق سیرت نگاروں نے اپنی تالیفات میں ابن حجر کے حالات قلمبند کئے۔ اس کے معاصرین نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا۔ ابن تغری بردی نے النجوم الزاھرۃ اور المنہل الصافی میں' حافظ سخاوی نے الضوء اللامع میں تذکرہ لکھنے کے

۱۔ ذیل طبقات الحفاظ' عمود ۷۸

۲۔ معجم المطبوعات العربیہ' عمود ۷۸

۳۔ نظم العقیان' ص ۴۵

Marfat.com

علاوہ ابن حجرؒ کے حالات زندگی پر ایک مستقل کتاب "الجواہر والدرر" کے نام سے لکھی ہے۔ حافظ سیوطی نے نظم العقیان' حسن المحاضرہ اور ذیل طبقات الحفاظ میں' ابن فہد مکی نے لحظ الالحاظ میں' البرھان الحلبی نے المعجم میں' التقی الفاسی نے ذیل التقیید میں' البدر البشتکی نے طبقات الشعراء میں' التقی المقریزی نے العقود الفریدہ میں' العلاء بن خطیب الناصری نے اپنی کتاب ذیل تاریخ حلب میں' الشمس بن ناصرالدین نے توضیح المشتبہ میں' القطب الخیضری نے طبقات الشافعیہ میں اور التقی ابن قاضی شہبہ نے تاریخ ابن شہبہ میں ابنؒ حجر کے حالات رقم کئے ہیں۔ مختصر یہ کہ علمی دنیا میں ابن حجر کی حدیث دانی کا لوہا مانا جاتا ہے اور امت پر اس کا اتنا سکہ بیٹھا ہوا ہے کہ اس کی ٹکسال کا سکہ کھوٹا نہیں سمجھا جا سکتا۔

تنقید نگاری

حافظ ابن حجر کی تنقید بڑی کڑی ہوتی ہے۔ محدثین کے اصول کے پیش نظر حافظ موصوف کے نزدیک سیرت نگاری کا صرف یہی پہلو نہیں ہے کہ کسی شخص کے محاسن اور خوبیاں بیان کر دی جائیں' بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ سیرت لکھتے وقت انسانی کمزوریوں اور بشری خامیوں کو بھی اسی طرح اجاگر کر کے لکھا جائے جس طرح محامد و محاسن کو۔ یہ اس لیے ضروری تھا کہ پڑھنے والا اس امر سے بخوبی اندازہ کر سکے کہ ایک آدمی علم و معرفت اور عقل و دانش کے کتنے اونچے زینے پر پہنچ کر بھی لغزشوں اور کوتاہیوں کا کیونکر شکار ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حافظ ابن حجر سیرت نگار کی حیثیت میں ہمارے سامنے آتے ہیں تو لوگوں کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے ان کی برائیاں اور عیب بھی گننے سے ذرا دریغ نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بڑے بڑے فاضل لوگ بھی ابن حجر کی تنقید سے بچ نہ سکے۔

Marfat.com

بعض لوگوں کو حافظ موصوف کا یہ انداز پسند نہیں ہے۔ انہوں نے حافظ کی سیرت نگاری کو دو گروہوں میں منقسم کر دیا ہے۔ ایک گروہ ان کے موافقین کا قرار دیا اور دوسرا مخالفین کا۔ چنانچہ وہ یہ کہتے ہیں کہ حافظ ابن حجر کی رائے اپنے موافقین کے حق میں صحیح اور قابل قبول ہے' لیکن جہاں تک مخالفین کے بارے میں اس کی رائے کا تعلق ہے تو وہ قابل اعتبار اور درخور اعتنا نہ سمجھنی چاہیے۔ اسی خیال کا اظہار کرتے ہوئے حافظ ابن حجر کے ایک ہمعصر قاضی ابن الشحنہ (۸۰۴۔۸۹۰ھ) اپنی کتاب شرح الہدایۃ کے شروع میں لکھتے ہیں:**لا تعویل علی تراجم ابن حجر لمخالفیہ**

حلیہ اور اخلاق و عادات

ابن العماد رقمطراز ہے کہ حافظ ابن حجر کا چہرہ بڑا روشن اور تابناک تھا۔ قد ذرا پست' ڈاڑھی اور سر کے بال سفید' دبلا پتلا جسم' زبان بڑی فصیح و بلیغ اور آواز بلند اور بارعب تھی۔**وکان رحمہ اللہ صبیح الوجہ' للقصر اقرب' فالحیۃ بیضاء ولی الھامۃ' نحیف الجسم فصیح اللسان' شجی الصوت**(۱)

ابن تغری بردی بھی حافظ موصوف کے خوش شکل ہونے کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ سفید بالوں کے باعث چہرے پر نور ٹپکتا تھا اور اس کی شخصیت بڑی باوقار اور بارعب تھی۔(۲)

حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ امام ابن حجر بڑے متواضع اور حلیم و بردبار

۱۔ شذرات الذہب' ۷: ۲۷۳۔

۲۔ النجوم الزاہرۃ' ۷: ۳۲۷۔

Marfat.com

تھے اور کھانے پینے کے معاملات میں بڑے وضعدار۔ نماز روزے کی پابندی بڑی سختی سے کرتے تھے۔ بڑے عبادت گزار' سخی اور خوش مزاج تھے۔ ہر ایک سے حسن سلوک کرتے۔ جس کسی سے ملتے' خاطر و مدارات اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ صاحب علم و فضل لوگوں کی طرف زیادہ میلان تھا۔ دیانت و امانت' حفظ و شوق' معرفت تامہ اور وسعت معلومات کے ساتھ درجہ بغایت ذہین' ذکی اور طباع تھے۔(۱) زبان بڑی شیریں اور گفتگو رس بھری تھی۔ مذاق بڑا سلجھا ہوا اور طبیعت بڑی سنبھلی ہوئی تھی۔ کبھی کسی کو دکھ نہیں دیا۔ ایسی بات کبھی نہ کہتے جسے سننے والا ناپسند کرے۔ برائی کرنے والوں سے بھی نیکی کرتے۔ ان کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر انگشت نمائی کی جا سکے۔ البتہ ان میں ایک بشری کمزوری تھی کہ اپنے نالائق اور بدکردار بیٹے سے محبت رکھتے تھے۔ اس محبت کی وجہ یہ تھی کہ حافظ موصوف کا وہی ایک صلبی بیٹا تھا' اس کے سوا کوئی اور نرینہ اولاد نہ تھی۔(۲)

حافظ موصوف سیاست و فراستؒ اور عقل و ذہانت کے ساتھ قدیم تاریخ اور اپنے زمانے کے حالات سے خوب واقفیت رکھتے تھے۔ انہیں روایت حدیث کے ساتھ روایت شعر میں بھی بڑی مہارت اور دسترس تھی۔ پڑھنے لکھنے کا بے حد شوق تھا۔ کثرت مطالعہ اور تالیف و تصنیف میں انہماک کے باوجود دن بھر کے اوقات مختلف مشاغل کے لئے تقسیم کر رکھے تھے۔ درس و تدریس کا متعین وقت تھا جس میں طلبہ حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے تھے۔ اسی طرح افتا اور دوسری مصروفیتوں کے لیے خاص اوقات مقرر تھے۔(۳) غرضیکہ زندگی بڑی باقاعدہ اور باضابطہ تھی۔

۱۔ الضوء اللامع' ۲: ۳۹

۲۔ النجوم الزاهرة' ۷: ۳۲۷

۳۔ شذرات الذهب' ۷: ۲۷۳

Marfat.com

ابن فہد مکی لکھتے ہیں کہ حسن اخلاق، شیریں بیانی اور شعلہ مقالی کے ساتھ حافظ ابن حجر بڑے زود نویس بھی تھے۔ جلدی لکھنے کی وجہ سے خط بھی خراب تھا۔ لکھ کر کاٹ چھانٹ کرنے کی عادت تھی۔ اس کے علاوہ حافظ موصوف بڑے سریع القراء ت تھے۔ کتاب بڑی تیزی سے پڑھتے اور بہت جلدی ختم کر لیتے۔ صحیح بخاری کو ظہر و عصر کی درمیانی دس مجلسوں میں ختم کیا، صحیح مسلم کو پانچ مجلسوں میں، نسائی کو چار چار گھنٹے کی دس مجلسوں میں۔ اس سے بھی زیادہ حیران کن اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ سفر شام کے دوران میں طبرانی کی المعجم الصغیر کو ظہر و عصر کے درمیان ایک مجلس میں پڑھ ڈالا۔ یاد رہے کہ المعجم الصغیر میں ایک ہزار پانچ سو احادیث مع اسانید درج ہیں۔(۱)

حافظ ابنؒ حجر ان تھک آدمی تھے۔ حسن ذوق کا یہ عالم تھا کہ ہر چیز میں نفاست اور سلیقہ ملحوظ خاطر رکھتے۔ ایک مرتبہ دمشق میں دو مہینے رہنے کا اتفاق ہوا۔ بڑے تیز پڑھنے والے تو تھے ہی۔ اس قیام کے دوران میں ایک سو کتابیں پڑھ ڈالیں اور ایک سو کے قریب مجالس الملا منعقد کیں۔(۲)

حافظ ابن حجرؒ میں یہ بڑی خوبی تھی کہ وہ اپنے دوستوں سے ہمیشہ حسن سلوک اور مروت کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ حافظ موصوف نے ادیب عصر شمس الدین محمد بن حسن النواجی (۷۸۸۔۸۵۹ھ) کو ململ کی ایک پگڑی بطور ہدیہ پیش کی۔ اس موقع پر النواجی نے یہ شعر کہے:

شکرا لفضلک یا قاضی القضاة ومن
یحار فی وصف معنی جودة الناشی

۱۔ لحظ الالحاظ، ص ۳۲۶

۲۔ لحظ الالحاظ، ص ۳۲۷

Marfat.com

توجت راسی بما اهتدیته لغلت
لی حلیۃ بک ارویھا عن الشاشی(۱)

ویسے تو حافظ ابن حجر کو تمام علما محدثین اور صلحا متقدمین و متاخرین سے بغایت درجہ محبت و الفت تھی، لیکن شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے تھے۔ الجمال بن عبدالهادی نے الروض الیانعہ میں ابن حجر کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ابن حجر کو شیخ تقی الدین ابن تیمیہؒ سے بڑی محبت اور دلبستگی تھی۔ وہ ابن تیمیہؒ کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے اور اصول دین کے بارے میں محدثین کے طریقے پر چلتے تھے۔(۲)

وفات

حافظ ابن حجر کی وفات ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب ۲۸ ذوالحجہ ۸۵۲ھ کو نماز عشا کے تھوڑا عرصہ بعد واقع ہوئی۔(۳) ابن فہد نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ ذوالقعدہ ۸۵۲ھ میں حافظ موصوف کو اسہال شروع ہو گئے۔ اسہال کے ساتھ خون کی آمیزش زیادہ ہوتی چلی گئی۔ یعنی پیچش نے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لی اور ۲۲ ذوالحجہ، ہفتہ کی شام کو نماز عشا کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے اس دارفانی کو خیرباد کہا۔(۴) ابن ایاس رقم طراز ہے کہ وفات ۸۵۴ھ میں ہوئی۔(۵) یہ سن وفات قطعاً غلط ہے۔ جرمن مستشرق بروکلمان نے تاریخ وفات ۱۸ ذوالحجہ ۸۵۲ھ قرار دی ہے۔(۶)

۱۔ نظم العقیان، ص ۱۴۴

۲۔ لحظ الالحاظ، ص ۳۲۸ حاشیہ

۳۔ النجوم الزاهرة، ۷: ۳۲۶، شذرات الذهب، ۷: ۲۷۳

۴۔ لحظ الالحاظ، ص ۳۲۷

۵۔ تاریخ مصر، ۲: ۳۲

۶۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، G.A.L. تکملہ ۲: ۷۲

Marfat.com

ابن تغری بردی کے قول کے مطابق دوسرے دن نماز جنازہ مصلاۃ المومنین میں ادا ہوئی۔ اور القرافہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ پچاس ہزار انسان جنازہ کے ساتھ گئے۔ سلطان مصر الملک الظاہر چقمق علائی (۸۴۲۔۸۵۷ھ) بھی نماز جنازہ میں شریک ہوا۔(۱) امیر المؤمنین فی الحدیث کا جنازہ تھا' سلطان مصر کے ساتھ امیرالمؤمنین خلیفہ المستکفی باللہ سلیمان بن محمد العباسی (۷۹۵۔۸۵۵ھ) نے بھی نماز جنازہ میں شرکت کی۔(۲) ابن ایاس کی روایت ہے کہ جنازہ میں انبوہ کثیر کی شمولیت کی وجہ سے بڑی بھیڑ تھی۔(۳) بقول ابن تغری بردی حافظ ابن حجر کی موت مسلمانوں کے لیے بڑی مصیبت کا دن تھا اور ذمیوں میں سے یہود و نصاریٰ بھی ابن حجر کی موت پر روتے تھے۔(۴) ابن العماد کے نزدیک حافظ ابن حجر کو الرمیلہ میں دفن کیا گیا۔(۵) ابن فہد نے لکھا ہے کہ العلم البلقینی نے خلیفہ المستکفی باللہ کے اذن سے نماز جنازہ پڑھائی اور سلطان مصر الملک الظاہر چقمق نے جنازے کو کندھا دیا۔(۶)

امام سیوطیؒ کی روایت ہے(۷) کہ شاعر مصر شہاب الدین المنصوری (۷۹۸۔۸۸۷ھ) نے مجھے بتایا کہ وہ ابن حجرؒ کے جنازہ میں شریک تھا۔ جب قبرستان کے قریب پہنچے تو اس کی میت پر آسمان سے مینہ برسنے لگا' حالانکہ یہ برسات کا موسم نہ تھا۔ اس موقع پر المنصوری نے یہ شعر کہے:

۱۔ النجوم الزاہرۃ' ۷: ۳۲۶

۲۔ الضوء اللامع' ۲: ۴۰

۳۔ تاریخ مصر' ۲: ۳۲

۴۔ النجوم الزاہرۃ' ۷: ۳۲۶

۵۔ شذرات الذہب' ۷: ۲۷۳

۶۔ لحظ الالحاظ' ص ۳۳۸

۷۔ حسن المحاضرہ' ۱۵۳، ذیل طبقات الحفاظ' ص ۳۸۳

Marfat.com

قد بکت السحب علی
قاضی القضاۃ بالمطر
وانھدم الرکن الذی
کان مشیدا من حجر

(قاضی القضاۃ کی موت پر بادل بھی بارش کے ساتھ رو پڑے۔ اور وہ ستون جو پتھر کے ساتھ مضبوط کیا گیا تھا گر پڑا۔)

حافظ ابن حجر کی وفات پر بہت سے شاعروں نے مرثیے لکھے۔ یہاں صرف دو چوٹی کی شاعروں کے مرثیوں کی طرف اشارہ وہ مقصود ہے۔ ابن ایاس نے المنصوری کے یہ اشعار نقل کیے ہیں:(۱)

بکاک العلم حتی النحو اضحیٰ
مع التصریف بعدکِ فی جدال
وقد اضحی البدیع بلا بیان
وسلفت معانیہ الغوالی
وقد درست دروس العلم حزنا
وقد ضل الجواب عن السؤال
تنکرت المعارف فی عیانی
وتمییزی غدا فی سوء حال
وما عرضت من بدل وعطف
سوی توکید سقمی واعتلالی
وکم جنت المنون علی کرام
وجندلت الکمی بلا قتال

۱۔ تاریخ مصر، ۲: ۳۳

لیا قبرا ثوی لہ تھنی

فقد حزت الجمیل مع الجمال

سقاک اللہ عینا سلسبیلا

واسبغ ما علیک من الظلال

☆○☆

ابن حجر کی وفات پر ادیب عصر اور شاعر مصر شہاب الدین احمد الحجازی (۷۹۰ـ۸۷۵ھ) نے بھی ایک مرثیہ لکھا(۱) جس کے چند اشعار ہدیہ قارئین کرام ہیں:

هو شیخ الاسلام المعظم قدره

من کان اوحد عصره والنادره

قاضی القضاة العسقلانی الذی

لم ترفع الدنیا خصیما ناظره

وشهاب دین اللہ ذی الفضل الذی

اربی علی عدد النجوم مکاثره

هو کیمیاء العلم کم من طالب

بالکسر جاء له فاضحی جابره

لهفی علیه عالما بوفاته

درست دروس والمدارس داثره

☆○☆

لهفی علی الاملاء عطل بعده

ومعاهد الاسماع انحی شاهره

۱ـ حسن المحاضرۃ، ص ۱۵۴

لهفی علیه حافظ العصر الذی	قد کان معدودا لکل مناظره
لهفی علی الفقه المهذب والمحر	رحاوی المقصود عند محاضره
لهفی علی النحو الذی تسهیله	مغنی اللبیب مساعد لمذاکره
لهفی علی علم العروض تقطعت	اسبابه بفواصل متغایره
لهفی علی خزانه العلم التی	کانت بها کل الافاضل ماهره

☆○☆

الحجازی نے اسی انداز میں حافظ ابن حجرؒ کے علم و فضل کی داد دی ہے۔

سلسلۂ تالیف و تخریج

حافظ ابن حجر کی تالیفات میں بڑا تنوع پایا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود ان کی تصنیفی تگ ودو کا مرکزی نقطہ علم حدیث ہے اور عمر بھر اسی موضوع پر لکھا کئے۔ بقول حافظ سخاویؒ[1] علامہ ابن حجرؒ کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد ہے۔ یہی رائے دوسرے مؤرخین اور سیرت نگاروں کی ہے۔ سرکیس لکھتا ہے: زادت تصانیفہ

۱۔ الضوء اللامع، ۲: ۳۸

علی مائۃ و خمسین و کلھا تشھد بانہ امام الحفاظ' محقق المحدثین زبدۃ الناقدین۔(۱) حافظ ابن حجر کی تصانیف بڑی بلند پایہ ہیں اور مصنف کی عظمت و رفعت اور علو مرتبت کا پتہ دیتی ہیں۔

حافظ موصوف نے شعروں کا دیوان بھی چھوڑا ہے۔ ان کے شاگرد رشید حافظ سخاوی نے ابن حجر کا مجموعہ فتاوی الکنز المدخر فی فتاوی شیخ ابن حجر کے نام سے تالیف کیا ہے۔ ان کے معاصرین اور بعد کے مؤلفین نے حافظ ابن حجر کے افکار و تصانیف سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ امام سیوطی کے بارے میں تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے ابن حجر کی مصنفات سے اس حد تک استفادہ کیا ہے کہ سیرت نگاروں کو یہ کہنا پڑا کہ سیوطی نے ابن حجر کے کلام و افکار کو مسخ کر کے اپنا لیا ہے۔(۲) خود حافظ سیوطی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ میں نے فن حدیث میں ابن حجر کی تصانیف سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔(۳) ذیل میں حافظ ابن حجر کی تالیفات و تخریجات کی فہرست (بہ ترتیب حروف تہجی) ہدیہ ناظرین ہے:

(۱) الآیات النیرات بخوارق المعجزات (الخوارق والمعجزات بھی درج ہے)

(۲) الابدال الصفیات من الثقفیات

(۳) الابدال العلیات من الخلعیات

(۴) الابدال العوالی

(۵) اتحاف المھرۃ باطراف العشرۃ: یہ کتاب آٹھ جلدوں میں لکھی' اور اس میں الموطا' مسند الشافعی' مسند احمد' جامع الدارمی' صحیح ابن خزیمہ' منتقی ابن

۱۔ معجم المطبوعات العربیہ ذیل مادہ

۲۔ الضوء اللامع' ۲: ۶۸

۳۔ ذیل طبقات الحفاظ' ص ۳۸۲

الجارود، صحیح ابن حبان، مستخرج ابی عوانہ، مستدرک الحاکم، شرح معانی الآثار للطحاوی، سنن الدار قطنی کی اطراف ذکر کی ہیں۔(۱) دس کی بجائے گیارہ کتابوں کی وجہ یہ ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کا صرف ایک چوتھائی حصہ موجود تھا اور باقی تین چوتھائی مفقود، اس لئے ایک کتاب اور بڑھا دی گئی۔(۲) اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں اور ایک نسخہ مکتبہ مرادیہ، آستانہ میں موجود ہے۔(۳) (حال ہی میں یہ کتاب مکمل طور پر شائع ہو گئی ہے۔ مرتب)۔

(۶) الاتقان فی فضائل القرآن۔ جب تک یہ کتاب سامنے نہ ہو، یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ حافظ سیوطی نے ابن حجر کی اس کتاب سے کس حد تک استفادہ کیا ہے۔

(۷) اثبات الرجال مما لیس فی تہذیب الکمال

(۸) الآثار برجال الاثار لمحمد بن الحسن۔ بروکلمان نے اس کا نام یوں درج کیا ہے: الآثار بمعرفہ رواۃ الآثار

الاجزاء باطراف الاجزاء علی المسانید۔

(۹) الاجوبۃ المشرفۃ عن المسائل المفرقۃ۔ شذرات الذہب میں الاجوبۃ المشرفۃ علی الاسئلۃ المفرقۃ درج ہے۔

(۱۰) الاحکام لما فی القرآن من الابھام۔ اس کا ایک نسخہ برلن میں موجود ہے۔

(۱۱) الاخلاص (بروکلمان)

(۱۲) الاربعون المهذبۃ بالاحادیث الملقبۃ

۱۔ لحظ الالحاظ، ص ۳۲۶

۲۔ لحظ الالحاظ، ص ۳۳۳

۳۔ نیز ملاحظہ ہو: J.R.A.S.B. xcv, 18-86.

(۱۳) ارشاد العباد (بروکلمان)

(۱۴) اسباب النزول

(۱۵) الاستدراک علی تخریج احادیث الکشاف' غیر مکمل رہ گئی۔

(۱۶) الاستدراک علی نکت ابن الصلاح للعراقی (غیر مکمل)

(۱۷) الاستدراک علی الحافظ العراقی فی تخریج احادیث الاحیاء (شذرات)

لیکن نظم العقیان (صفحہ ۵۰) میں اس کا نام یوں درج ہے: الاستدراک علی تخریج احادیث الاحیاء للعراقی۔

(۱۸) اسنی المطالب فی صلتہ الاقارب (بروکلمان)

(۱۹) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ۔ صحابہ کرامؓ کے حالات میں بڑی مستند اور مفصل کتاب ہے

(۲۰) الاصلح فی امامۃ غیر الافصح

(۲۱) اطراف الاحادیث المختارہ للضیاء' مگر شذرات میں اطراف المختارۃ للضیاء مرقوم ہے

(۲۲) اطراف الصحیحین (علی الابواب مع المسانید)

(۲۳) الاعتراف باوھام الاطراف۔ یہ کتاب تحفۃ الطراف باوھام الاطراف سے ملتی جلتی ہے

(۲۴) الاعجاب ببیان الانساب

(۲۵) الاعلام بمن سمّی محمدا قبل الاسلام

(۲۶) الافراد الحسان من مسند الدارمی عبداللہ بن عبدالرحمن۔

(۲۷) افراد مسلم عن البخاری

(۲۸) الالنان فی روایۃ الاقرانہ۔ شذرات الذہب میں الاقران کی بجائے القرآن درج ہے' جو درست نہیں ہے۔

Marfat.com

(۲۹)　　اقامۃ الدلائل علی معرفۃ الاوائل

(۳۰)　　الانارۃ بطرق حدیث غب الزیارۃ

(۳۱)　　انباء الغمر بابناء العمر۔ اس کتاب میں اپنے ہمعصر لوگوں کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے علما اور فضلا کی سیرت کے خدوخال کو خوب اجاگر کیا ہے۔ حقیقت نگاری نے کتاب کو کہیں کہیں تلخ بنا دیا ہے۔ بہرحال یہ کتاب اس زمانے کے تمدنی اور معاشرتی حالات سے متعلق بڑی مفید معلومات بہم پہنچاتی ہے۔ اس کا ایک نسخہ برلن میں، ایک نسخہ برٹش میوزیم میں اور ایک نسخہ دارالکتب الظاہریہ دمشق میں موجود ہے۔

(۳۲)　　الانتفاع بترتیب الدارقطنی علی الانواع (شذرات ۷:۲۷۳)، نظم العقیان میں "ترتیب العلل علی الانواع" درج ہے (صفحہ ۴۹)۔

(۳۳)　　انتقاض الاعتراض۔ امام عینی نے اپنی شرح صحیح البخاری میں حافظ ابن حجر کی فتح الباری پر کچھ لے دے کی تھی۔ حافظ موصوف نے اس کتاب میں ان اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ حافظ کا دستور یہ تھا کہ روزانہ کچھ اعتراضات کے جوابات لکھوا دیتے۔ کتاب کے مقدمہ میں فتح الباری کی تصنیف پر شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کی تکمیل سے پہلے داعی اجل کو لبیک کہنا پڑا۔ اسی کتاب کا ایک نسخہ رام پور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ پنجاب اور حجاز میں بھی نسخے ملتے ہیں۔

(۳۴)　　الانوار بخصائص المختار

(۳۵)　　الامالی الحدیثیہ۔ ایک ہزار سے زیادہ مجالس املا کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب التذکرۃ الحدیثیہ سے ملتی جلتی ہے۔

(۳۶)　　الامتاع بالاربعین المتباینۃ بشرط السماع اس کا ایک نسخہ پٹنہ لائبریری میں موجود ہے۔

(۳۷)　　الایضاح بنکت ابن الصلاح (غیر مکمل)

(۳۸)　　الایناس بمناقب العباس

(۳۹) البحث عن الاحوال البعث

(۴۰) بذل الماعون باخبار الطاعون' مگر شذرات میں بذل الماعون بفضل الطاعون درج ہے۔ (۷:۲۷۳)۔ بعض نے فی فضل الطاعون لکھا ہے۔ مؤلف نے طاعون سے متعلق تمام مرویات کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ پٹنہ لائبریری میں موجود ہے۔

(۴۱) البسط المثبوت فی خبر البرغوث

(۴۲) بغیۃ الراوی با بدال البخاری

(۴۳) بلوغ المرام من احادیث الاحکام۔ شذرات میں بلوغ المرام باذلۃ الاحکام مرقوم ہے۔ بروکلمان نے من ادلۃ الاحکام لکھا ہے۔ نواب صدیق حسن خان نے اسی کتاب کی فارسی شرح مسک الختام من فی ادلۃ الاحکام درج کیا ہے۔

(۴۴) بیان احوال الرجال الرواۃ۔ جن روایوں کے حالات تہذیب الکمال میں درج ہونے سے رہ گئے تھے۔ حافظ ابن حجر نے ان کے حالات اس کتاب میں قلمبند کر دیئے ہیں' لیکن یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی۔

(۴۵) بیان الفصل بما رجح لیہ الارسال علی الوصل

(۴۶) بیان ما اخرجہ البخاری (عالیا عن شیخ اخرج ذلک الحدیث احد الائمۃ عن واحد عنہ)

(۴۷) تاریخ المدینۃ المنورۃ (بروکلمان)

(۴۸) تعلیق التعلیق: اس میں امام بخاری کی تعلیقات کی سند فراہم کی ہے۔ یہ ابن حجر کی پہلی تصنیف ہے۔ ابن العماد کی رائے ہے: ھو کتاب نفس (شذرات ۷:۲۷۳)۔ ابن حجر نے اپنے اکابر اساتذہ اور شیوخ کی زندگی میں اس کتاب کو مکمل کر لیا تھا اور انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ اپنی طرز کی پہلی کوشش ہے اور اسے مصنف کے لئے باعث افتخار قرار دیا اور کہا کہ اس کی قدر و منزلت مقدمہ فتح الباری سے کسی درجہ

کم نہیں۔ بعد ازاں حافظ ابن حجر نے اس کتاب کا اختصار تیار کیا اور اس کا نام رکھا التشویق الی وصل المهم من التعلیق پھر ایک اور اختصار لکھا اور اسے التوفیق بتعلیق التعلیق کا نام دیا۔ (لحظ الالحاظ ص ۳۲۲)۔ سیوطی نے التشویق الی وصل التعلیق لکھا ہے' (ذیل طبقات الحفاظ ص ۳۸۱)۔

(۴۹) تجرید التفسیر من صحیح البخاری: سورتوں کی ترتیب کو ملحوظ رکھ کر تالیف کی گئی تھی۔

(۵۰) تقریب الغریب فی غریب صحیح البخاری

(۵۱) تہذیب التہذیب: حافظ مزی کی تہذیب الکمال کا اختصار ہونے کے باوجود بہت سے اضافوں کی حامل ہے' ٦ جلدوں میں موجود ہے۔

(۵۲) تقریب التہذیب: تہذیب التہذیب کا اختصار ہے۔

(۵۳) تعجیل المنفعة بروایة رجال الائمة الاربعة (اصحاب المذاهب) سیوطی نے تعجیل المنفعة برجال الاربعة لکھا ہے۔ (نظم العقیان صفحہ ۴۸' ذیل طبقات ص ۳۸۱)

(۵۴) التمییز فی تخریج احادیث شرح الوجیز۔

(۵۵) تحریر المیزان

(۵۶) تبصیر المنتبه بتحریر المشتبه۔

(۵۷) تشدید القوس فی اطراف مسند الفردوس۔

(۵۸) تحفة التحدیث عن شیوخ الاحادیث

(۵۹) تقریب المنهج بترتیب المدرج (نظم العقیان)' لیکن شذرات میں تقریب النهج بترتیب الدرج مرقوم ہے۔

(۶۰) التعریج علی التدبیج (نظم العقیان)' مگر شذرات میں التعریج علی التدریج درج ہے۔

(۶۱) تبیین العجب لما ورد فی صوم رجب۔

Marfat.com

(۶۲) تعریف الفئہ بمن عاش من ھذہ الامۃ مائۃ (نظم العقیان ص۴۷)
لیکن شذرات میں "من عاش مائۃ من ھذہ الامہ" مرقوم ہے۔

(۶۳) ترتیب المبھمات علی الابواب۔

(۶۴) التذکرۃ الادبیۃ۔

(۶۵) تخریج الاحادیث المقطعہ فی السیرۃ الھشامیہ۔

(۶۶) توالی التانیس بمعالی ابن ادریس۔

(۶۷) تحفۃ المستریض المتمحض۔

تقویم السناد بمدرج الاسناد۔

تلخیص التصحیف للدار قطنی۔

(۶۸) ترتیب العلل علی الانواع (نظم العقیان ص ۴۹) مگر شذرات میں
اس کا نام الانتفاع بترتیب الدار قطنی علی الانواع مرقوم ہے۔

(۶۹) التعریف الا وحدبا وھام من جمع رجال المسند۔

(۷۰) تخریج احادیث شرح التنبیہ للزنکلونی۔

(۷۱) التعلیق علی مستدرک الحاکم۔

(۷۲) التعلیق علی موضوعات ابن الجوزی۔

(۷۳) تخریج احادیث مختصر الکفایہ۔

(۷۴) ترتیب المتفق للخطیب۔

(۷۵) ترتیب مسند الطیالسی۔

(۷۶) تعریف اولی التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس۔

(۷۷) ترتیب غرائب شعبۃ لابن مندۃ

(۷۸) ترتیب مسند عبد بن حمید۔

(۷۹) ترتیب فوائد سمویہ

(۸۰) تخریج الماتۃ العشاریۃ من حدیث البرھان الشامی۔

Marfat.com

(۸۱) تخریج العشاریۃ السنن من حدیث العراقی

(۸۲) تخریج المعجم الکبیر للشامی۔

(۸۳) تخریج مشیخۃ ابن ابی المجد الذین تفردبھم

(۸۴) تخریج مشیخۃ ابن الکویک الذین اجازولہ

(۸۵) تخریج الاربعین العالیہ لمسلم علی البخاری

(۸۶) تخریج ضیاء الانام بعوالی شیخ الاسلام البلقینی

(۸۷) تخریج الاربعین المختارۃ (او المجتازہ) عن شیوخ الاجازہ للمراغی

(۸۸) تخریج المعجم للحرۃ مریم

(۸۹) تخریج مشیخہ القباقی لفاطمہ (شیخ زین الدین القباقی (شذرات میں القبانی ہے) اور فاطمہ بنت خلیل الحنبلیہ کی مرویات میں مشارکت ہے۔ شذرات ۷:۲۰۴)۔

(۹۰) تخریج ثنائیات الموطا

(۹۱) تخریج خماسیات الدارقطنی

(۹۲) تلخیص مغازی الواقدی۔

(۹۳) تلخیص البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر

(۹۴) تلخیص الجمع بین الصحیحین

(۹۵) تلخیص ترغیب المنذری

(۹۶) تلخیص التحبیر۔

(۹۷) تجرید الوافی للصفدی

(۹۹) تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب

(۹۹) تخریج الاربعین النوویہ بالاسانید العلیہ

(۱۰۰) ترجمۃ النووی

(۱۰۱) تصحیح الروضۃ (شذرات)، نظم العقیان میں حواشی علی الروضہ مرقوم ہے۔

(۱۰۲) الجامع الکبیر من سنن البشیر والنذیر

(۱۰۳) جمال القراء

(۱۰۴) الجواب الجلیل الوقعہ فیما یردعلی الحسنی وابی زرعہ

(۱۰۵) حواشی (علی) الروضۃ

(۱۰۶) خبر الثبت فی صیام السبت۔

(۱۰۷) الخصال المکفرۃ للذنوب المقدمہ والمئوخرۃ

(۱۰۸) دیوان الشعر۔ ایک مختصر ضوء الشہاب اور یک السبعہ السیارۃ کے نام سے ترتیب دیئے گئے

(۱۰۹) دیوان الخطب الازہریۃ

(۱۱۰) دیوان الخطب القلعیۃ

(۱۱۱) الدرایہ فی منتخب تخریج احادیث الھدایہ

(۱۱۲) الدرر الکامنۃ فی المائۃ الثامنہ (شذرات)، مگر سیوطی نے فی اعیان المائۃ الثامنہ درج کیا ہے، نظم العقیان ص ۴۸) یہ کتاب ۸۳۰ھ میں مکمل ہوئی۔ آٹھویں صدی ہجری کی بہترین اور بڑی اہم مجلسی اور علمی تاریخ ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کتاب میں اس صدی کے علما و محدثین، فقہا، مؤرخین، صلحا و متقین، شعراء و مصنفین، اور وزراء و سلاطین وغیرہ کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ کتاب کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ امام سیوطی نے بعد میں اس کا مختصر تیار کیا تھا۔

اگرچہ سیرت نگاری بہت پہلے شروع ہو چکی تھی۔ صدی وار سیرت نویسی بھی الحوادث الجامعۃ فی المائۃ السابعۃ لابن الفوطی سے شروع ہو چکی تھی۔ مگر جامعیت اور ہمہ گیری کا سہرا ابن حجر کے سر ہے۔ حافظ موصوف نے صدی وار حالات و سیر کو تفصیلی طور پر قلمبند کرنے کا رواج ڈالا۔ الدرر الکامنہ میں ۵۰۰ ۳ لوگوں کے حالات

مندرج ہیں۔

اسی کتاب میں حافظ ابن حجر نے آٹھویں صدی ہجری کی بہت سی ایسی خواتین کے نام اور حالات درج کئے ہیں جن کو علم و فضل، درس و تدریس اور تالیف و تصنیف سے بڑا شغف تھا۔ اس اعتبار سے بھی یہ کتاب آٹھویں صدی کی اجتماعی زندگی میں خواتین کے علمی و ادبی کارناموں اور شاہکاروں کو بروئے کار لاتی ہے۔

الدررالکامنہ کی ایک تاریخی اہمیت یہ بھی ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس کتاب میں ترکی سلاطین اور تاتاری ملوک اور مغل امیروں اور حکمرانوں کے حالات بڑی شرح و بسط سے جمع کئے ہیں۔ اس سے پہلے عرب مؤرخوں اور سیرت نگاروں نے ترکوں اور تاتاریوں کے حالات اس تفصیل اور اہتمام سے جمع نہیں کئے تھے۔

اس کتاب میں حافظ ابن حجر نے اپنے عہد کی اہم جنگوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ مصنف نے لوگوں کے حالات درج کرتے وقت ان کے مشاغل و عادات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس طرح اس زمانے کے اخلاق و خصائل کی تاریخ بیان کرنے کے علاوہ بہت کڑی تنقید بھی کی ہے۔

حافظ ابن حجر کے بعد صدی وار سیرت نویسی ایک مستقل ادبی و علمی تحریک کی صورت اختیار کر گئی اور لاکھوں ادیبوں، شاعروں، عالموں اور استادوں کے حالات محفوظ ہو گئے۔

مولانا عبدالحی مرحوم کی **نزہۃ الخواطر** کا وہ حصہ جو آٹھویں صدی کے تراجم پر مشتمل ہے، **الدرالکامنہ** کے ذیل کے طور پر حیدر آباد سے شائع ہو چکا ہے۔

(۱۱۳) **رسالۃ فی حق الحدیث**

ردع المجرم فی الذب عن عرض المسلم۔ بروکلمان نے **زجر المجرم عن سب المسلم** لکھا ہے۔

(۱۱۴) **رفع الاصر عن قضاۃ مصر**

(۱۱۵) **ریاض الازہار فی جلاء الابصار**

(۱۱۶) زهر الفردوس

(۱۱۷) الزهر المطلول فی الخبر المعلول (نظم العقیان)۔

(۱۱۸) الزهر المطلول فی بیان الحدیث المعلل (شذرات)۔

(۱۱۹) زوائد الادب المفرد للبخاری علی السنة

(۱۲۰) زوائد الکتب الاربعة مما هو صحیح

(۱۲۱) زیادات بعض الموطات علی بعض

(۱۲۲) شفاء الغلل فی بیان العلل

(۱۲۳) شرح الاربعین النوویه

(۱۲۴) شرح الترمذی

(۱۲۵) شرح نظم السیرة للعراقی

(۱۲۶) شرح مناسک المنهاج للنووی

(۱۲۷) الشمس المنیرة فی تعریف الکبیرة (نظم العقیان) مگر شذرات الذھب میں فی معرفة الکبیرة درج ہے۔

(۱۲۸) صرف العین عن قذی العین

(۱۲۹) طبقات الحفاظ (دو جلدیں)

(۱۳۰) طرق حدیث صلاة التسبیح

(۱۳۱) طرق حدیث لو ان نهرا بباب احدکم

(۱۳۲) طرق حدیث من صلی علی جنازة فله قیراط

(۱۳۳) طرق حدیث جابر فی البعیر

(۱۳۴) طرق حدیث نضر الله امرء

(۱۳۵) طرق حدیث الغسل یوم الجمعه (من روایه نافع عن ابن عمر خاصه)

(۱۳۶) طرق حدیث تعلموا الفرائض

Marfat.com

(۱۳۷) طرق حدیث الجامع فی رمضان۔

(۱۳۸) طرق حدیث من بنی مسجدا۔

(۱۳۹) طرق حدیث المغفر۔

(۱۴۰) طرق حدیث الا ئمۃ من قریش (یسمی لذۃ العیش)۔

(۱۴۱) طرق حدیث من کذب علی۔

(۱۴۲) طرق حدیث یا عبدالرحمن لا تسئل الا مارۃ۔

(۱۴۳) طرق حدیث الصادق المصدوق۔

(۱۴۴) طرق حدیث قبض العلم۔

(۱۴۵) طرق حدیث المسح علی الخفین۔

(۱۴۶) طرق حدیث ماء زمزم لما شرب لہ۔

(۱۴۷) طرق حدیث حج آدم موسیٰ۔

(۱۴۸) طرق حدیث اولیٰ الناس بی۔

(۱۴۹) طرق حدیث مثل امتی کالمطر۔

(۱۵۰) عجب الدھر فی فتاوی الشھر۔

(۱۵۱) عشاریات الصحابہ۔

(۱۵۲) علم الوشی فیمن روی عن ابیہ وجدہ۔

(۱۵۳) غبطۃ الناظر۔

(۱۵۴) فتح الباری فی شرح البخاری۔ جب امام بخاری نے اپنی صحیح تالیف فرمائی' امت کے جید علمائے حدیث نے اس کی شروح لکھنا ضروری خیال کیا اور صحیح بخاری کے اسرار و رموز اور نکات و لطائف بیان کرنے میں ہر عہد کے اہل قلم علما نے حصہ لیا۔ الخطابی (متوفی ۳۸۸ھ) نے ایک شرح لطیف اعلام السنن کے نام سے لکھی۔ اس کے بعد امام محمدؒ تمیمی نے ایک شرح لکھی اور اس میں خطابی کے مبہمات کی تشریح و توضیح کی۔ پھر ابو القاسم تمیمی نے ایک شرح لکھی۔ امام صغانی حنفی صاحب مشارق الانوار (۶۵۰ھ) نے

Marfat.com

ایک شرح لکھی۔ الاسکندرانی نے دس جلدوں میں ضخیم شرح لکھی۔ قطب الدین حلبی حنفی (متوفی ۷۹۳ھ) نے ایک مبسوط شرح تحریر کی۔ شمس الدین محمد الکرمانی (م ۷۸۶ھ) نے الکواکب الدراری کے نام سے ایک عمدہ شرح سپرد قلم کی۔ یہ شرح الفاظ کی لغوی تشریح، نحوی مشکلات کے حل، ضبط روایات و اسماء الرجال والقاب کے لئے بہت معروف ہے۔ نیز مصنف نے بظاہر متناقض احادیث میں موافقت اور مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تقی الدین یحییٰ کرمانی نے بھی ایک بسیط شرح تحریر کی۔ رکن الدین احمد القرمی (متوفی ۸۳۰ھ) نے بھی ایک نہایت عمدہ شرح لکھی۔ دیگر بے شمار شارحین میں زرکشی (۷۹۴ھ)، شمس الدین برماوی (۸۳۱)، سبط ابن العجمی (۸۴۱) کے نام قابل ذکر ہیں۔ ابن الملقن (م ۸۰۴ھ) نے بیس جلدوں میں شرح لکھی اور مجدالدین فیروز آبادی نے ایک بسیط شرح منح الباری کے نام سے لکھنی شروع کی اور صحیح بخاری کے ایک چوتھائی حصے کی شرح بیس جلدوں میں ختم ہوئی۔

اتنی شرحوں کی موجودگی میں بھی ابن خلدون کی یہ رائے تھی امام نووی کی شرح صحیح مسلم نے امت پر اسی انداز کی شرح بخاری کا فرض عائد کر دیا ہے۔ چنانچہ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر یہ فرض ادا کر دیا اور علما نے اعتراف کیا کہ اب اور شرح لکھنے کی ضرورت نہیں۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر اپنے تمام پیشرو شارحین پر سبقت حاصل کر لی۔ شرح سے پہلے علم حدیث پر ایک نہایت جامع اور پر مغز مقدمہ لکھا ہے جو **هدی الساری** کے نام سے مشہور ہے۔

اس شرح میں حافظ ابن حجر نے حدیثی فوائد، ادبی و علمی نکات اور فقہی جواہر پارے اس انداز اور شان سے جمع کئے ہیں کہ پڑھنے والا علم و ادب سے لطف اندوز ہونے کے علاوہ امام بخاری کے مقصد و غایت کو فوراً پا جاتا ہے۔

مقدمہ تو ۸۱۳ھ میں مکمل ہو چکا تھا، لیکن شرح لکھنا ۸۱۷ھ میں شروع کیا۔ ابتدا میں طریق یہ تھا کہ حافظ موصوف املا لکھواتے تھے، مگر بعد میں خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر

Marfat.com

طلبہ میں شائع کر دیتے۔ اس طرح یہ علمی و ادبی شاہکار ۸۴۲ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ کتاب مکمل کر لینے کی خوشی میں حافظ ابن حجر نے شعبان کے مہینے میں ایک نہایت شاندار دعوت کی جس میں تمام اکابر مسلمانوں نے شرکت کی جن میں علما فضلا رؤسا اور شعرا بھی شامل تھے۔ اس دعوت پر پانچ سو دینار خرچ ہوئے (البدر الطالع ج ۱ ص ۹۰)۔

علامہ عینی حنفیؒ (۸۵۵) نے بھی ایک ضخیم شرح لکھی اور اس کا نام عمدۃ القاری رکھا۔ اس میں راویوں کے حالات' انساب کی وضاحت' لغات و اعراب کی تشریح' معانی بیان وغیرہ درج کئے ہیں۔

احمد قسطلانی المصری (۹۲۳) نے ارشاد الساری لکھ کر بڑی شہرت حاصل کی ہے۔

بھلا یہ سلسلہ کب ختم ہونے کو تھا۔

امام سیوطی نے ذیل طبقات (ص ۲۸۱) میں ابن حجر کی فتح الباری کی یوں داد دی ہے۔ لم یصنف احد فی الا ولین ولا فی الآخرین مثلہ (متقدمین اور متاخرین میں سے کسی نے اس جیسی شرح نہیں لکھی)

سیوطی نے نظم العقیان (ص ۴۶) میں یہ بھی رقم کیا ہے کہ حافظ ابن حجر نے ایک شرح فتح الباری سے بھی زیادہ ضخیم لکھنی شروع کی جو مکمل نہ ہو سکی۔ اس کا یہ بھی بیان ہے کہ حافظ موصوف نے فتح الباری کا ایک ملخص و اختصار تیار کرنا شروع کیا جو غیر مکمل رہ گیا۔ سیوطی کہتا ہے کہ میں نے اس ملخص کی تین جلدیں دیکھی ہیں۔

(۱۵۵) لوا ئد الا حتفال فی بیان احوال الرجال: اس میں صحیح بخاری میں مذکورہ رجال کے حالات درج ہیں۔ نیز تہذیب الکمال پر اضافہ کیا گیا ہے۔

(۱۵۶) الفوا ئد المجموعہ با طراف الا جزا المسوعہ۔

(۱۵۷) فہرست المرویات۔

(۱۵۸) قرۃ الحجاج فی عموم المغفرۃ للحجاج۔

(۱۵۹) القصد الا حمد فی من کنیتہ ابو الفضل وا سمہ احمد۔

Marfat.com

(۱۶۰) القول المسدد فی الذب عن مسند احمد۔

(۱۶۱) قوۃ الحیل فی الکلام علی الخیل۔

(۱۶۲) الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف۔

(۱۶۳) کتاب مسلسلا لسریجیہ۔

(۱۶۴) کشف الستر برکعتی الوتر۔

(۱۶۵) الکلام علی حدیث: انا مراتی لا تردلا مس۔

(۱۶۶) اللباب فی شرح قول الترمذی: وفی الباب۔

(۱۶۷) لسان المیزان۔

(۱۶۸) الموتمن فی جمع السنن۔

(۱۶۹) مختصر العروض۔

(۱۷۰) المقرر فی شرح المحرر۔

(۱۷۱) المرحمۃ الغیثیہ بالترجمۃ اللیثیہ۔

(۱۷۲) مناسک الحج۔

(۱۷۳) المغنی فی ضبط الاسماء والانساب۔

(۱۷۴) مختصر تلبیس ابلیس۔

(۱۷۵) المہمل من شیوخ البخاری۔

(۱۷۶) المنتخب فی زوائد البزاز علی الکتب الستۃ و مسند احمد

(۱۷۷) من بدا النفع بمعرفۃ ما رجح فیہ الوقف علی الرفع۔

(۱۷۸) المطالب العالیۃ فی زوائد المسانید الثمانیۃ (نظم العقیان ولحظ الالحاظ)۔ مگر شذرات میں زوائد کی بجائے روایہ مرقوم ہے۔ مسانید ثمانیہ سے مراد الطیالسی' مسدد' الحمیدی' اسحق بن راھویہ' ابن ابی عمر' ابوبکر بن ابی شیبہ' احمد بن منیع' عبد بن حمید' الحارث بن ابی اسامہ' ابو یعلی الموصلی' ہیں۔ دس کی بجائے حافظ ابن حجر نے آٹھ محض اس لئے استعمال کیا ہے کہ اسحٰق بن

Marfat.com

راہویہ کی مسند کا صرف نصف حصہ ملتا ہے اور مسند ابی یعلی کی تخریج صرف ابن المقری کی روایت سے کی ہے (لحظ الالحاظ ص ۳۳۴)۔ بروکلمان نے یہ نام یوں رقم کیا ہے:
المطالب العلیہ فی مختصر المسائل الثمانیۃ۔

(۱۷۹) المنحۃ فیما علق الشافعی القول بہ علی الصحۃ۔

(۱۸۰) المجمع المئوسس بالمعجم (للمعجم؛ بروکلمان) المفہرس۔

(۱۸۱) المجموع العام فی اداب الشراب والطعام و دخول الحمام۔

(۱۸۲) المقترب فی بیان المضطرب۔

(۱۸۳) المسند المعتلی باطراف المسند الحنبلی (دو جلدوں میں)

(۱۸۴) النبا الانبہ فی بناء الکعبۃ۔

(۱۸۵) نخبۃ الفکر فی مصطلح اهل الاثر۔

(۱۸۶) نزهۃ النظر بتوضیح نخبۃ الفکر (شذرات)؛ اور بقول ابن فہد کی اس کا نام نزهۃ الفکر فی توضیح نخبۃ الفکر ہے۔ (لحظ الالحاظ ص ۳۳۴)

(۱۸۷) نزهۃ الالباب فی الالقاب۔

(۱۸۸) نزهۃ السامعین فی روایۃ الصحابہ عن التابعین۔

(۱۸۹) نزهۃ القلوب فی معرفۃ المبدل من القلوب۔

(۱۹۰) نزهۃ النواظر المجموعۃ فی النوادر المسموعۃ۔

(۱۹۱) نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الهدایۃ۔

(۱۹۲) نظم اللآلی فی مائۃ العوالی۔

(۱۹۳) نظم وفیات المحدثین۔

(۱۹۴) النکت علی نکت العمدۃ للزرکشی۔

(۱۹۵) النکت الظراف علی الاطراف۔

(۱۹۶) النکت علی شرح الفیۃ العراقی۔

(۱۹۷) النکت علی شرح المهذب

Marfat.com

(۱۹۸) النکت علی تنقیح الزرکشی۔

(۱۹۹) النکت علی جمع شرح العمدۃ لابن الملقن۔

(۲۰۰) النکت علی جمع الجوامع لابن السبکی۔

(۲۰۱) الواف باثار الکشاف۔

(۲۰۲) ہدایۃ الرواۃ الی تخریج المصابیح والمشکوۃ

(۲۰۳) ہدی الساری لمقدمۃ فتح الباری۔

☆○☆

Marfat.com

حافظ سخاویؒ، نویں صدی ہجری کا ایک نامور مصری محدث و مؤرخ

مصر بڑے قدیم زمانے سے شاندار روایات کا حامل چلا آتا ہے، یہ بڑی بڑی تاریخی، سیاسی اور مذہبی تحریکات کا مرکز بنا، شہنشاہیت نے یہاں جھنڈے گاڑے، مقتدر مذہبی رہنماؤں نے وادی نیل کو تبلیغی آماجگاہ بنایا، تہذیب و ثقافت، علم و ہنر اور صنعت و حرفت کے علمبرداروں نے اس خطہ زمین کو چار چاند لگا دیے۔

۶۴۰ء سے تاریخ مصر میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا، یہ سرزمین نیل، جس کی خاک کا ذرہ ذرہ فراعنہ کی جبروت و سطوت، موسیٰ کی عظمت و حشمت اور قبطیوں کی ذلت و نکبت کا شاہد تھا۔ عربوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے سامنے ہمیشہ کے لیے کچھ اس طرح جھکی کہ اسے اپنے شاندار ماضی سے گھن آنے لگی اور اس کے لیے اپنی ہر چیز قابل نفرت بن گئی۔ یا یوں کہیے کہ عربوں کی ہر شے میں اتنی جاذبیت اور مقناطیسیت تھی، اتنا حسن و جمال تھا، اتنی رعنائی اور دلفریبی تھی کہ مصریوں کی نظریں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ ان پر مرعوبیت چھا گئی۔ زندگی کے ہر شعبے میں عربی ثقافت اور ادب نے بڑے گہرے نقوش چھوڑے، یہاں تک کہ مصری لوگ تمدن کے ساتھ اپنی مادری زبان سے بھی اس درجہ بیگانہ ہو گئے کہ قبطی عالمان کلیسا کو اشاعت مذہب کے لیے عربی زبان سیکھنے کی ضرورت پیش آئی۔

عربی علم و ادب کو عظیم المرتبت مربی ملے۔ تہذیب و تمدن کے مرکزوں نے اس کے لیے اپنے دامن پھیلائے۔ دمشق، قرطبہ، غرناطہ اور بغداد کی علم پروری اور ادب نوازی کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجا۔ لاکھوں طلبہ اور بے شمار علما و فضلا نے ان شہروں کو شہرت دوام کا مالک بنا دیا، لیکن پھر بھی یہ مرکز زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اپنوں کی سازشوں اور بیگانوں کی یورشوں نے انہیں یکے بعد دیگرے اس طرح مٹایا کہ آثار کے

سوا کچھ باقی نہ رہا۔ آنکھیں ادبی چہل پہل اور علمی رونق دیکھنے کے لیے ترس گئیں۔ اس نازک دور میں صرف مصر ہی کام آسکا۔ اس نے ہمت و استقلال کا ہاتھ بڑھایا، علم و ادب کی ڈگمگاتی ہوئی ناؤ کو باد مخالف کے تند و تیز جھونکوں سے بچا کر ساحل نیل پر لا کھڑا کیا اور عربی زبان کو اپنے دامن میں ولادی نیل کی مسلمہ زرخیزی نے ایک طرفہ و تماشا دکھایا اور وہ وہ کلیاں چٹکیں، شگوفے پھوٹے، پھول کھلے کہ جس طرف آنکھ اٹھاؤ بہار ہی بہار نظر آتی ہے۔

شہرۂ آفاق مؤرخ، محدث، مفسر متقن، فلسفی، طبیب، شاعر، جغرافیہ دان، اور ماہرین ہندسہ و حساب اس سرزمین میں پیدا ہوئے۔ اسی کاروان علم کی ایک قابل ذکر ہستی حافظ سخاوی کی ذات گرامی ہے۔

نام و نسب اور پیدائش

شمس الدین لقب، ابو الخیر کنیت، محمد نام اور باپ کا اسم گرامی عبدالرحمٰن تھا۔ امام شوکانی نے سلسلۂ نسب یوں بیان کیا ہے: محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد ابی بکر بن عثمان بن محمد۔(۱)

حافظ سخاوی کی پیدائش ربیع الاول ۸۳۱ھ میں بمقام قاہرہ شیخ الاسلام بلقینی کے مدرسہ کے پڑوس میں ہوئی۔(۲) پیدائش کے اعتبار سے قاہری کہلائے۔ چونکہ آبائی وطن مصر کی ایک بستی سخا تھی، اس لیے سخاوی مشہور ہوئے اور عقائد میں امام شافعیؒ کے اقوال کو مرجح سمجھنے کے باعث شافعی بن گئے۔(۳)

۱۔ البدر الطالع، ۲: ۱۸۴

۲۔ السخاوی: الضوء اللامع، ۸: ۱

۳۔ ابن العماد: شذرات الذہب، ۸: ۱۵

Marfat.com

پیدائش سے تین سال بعد سخاوی کے باپ نے امام ابن حجر کے پڑوس میں ایک مکان خرید کر وہیں رہائش اختیار کر لی۔

تحصیل علم

سخاوی کئی اعتبار سے بڑا خوش قسمت تھا۔ حالات سازگار تھے۔ اپنا گھرانا اسلامی تہذیب و ثقافت اور علم و ادب کا گہوارہ تھا۔ قدرت نے حافظہ کے عطیہ میں بڑی فیاضی سے کام لیا تھا۔ چھوٹی سی عمر میں قرآن مجید حفظ کر کے رمضان المبارک کے مہینے میں سنا دیا۔(ا) قرآن مجید کے حفظ و تجوید کے بعد مندرجہ ذیل کتابیں حفظ کیں: **المنهاج الاصلی، الفیۃ ابن مالک، النخبۃ، الفیۃ العراقی، شرح النخبۃ، مقدمۃ الشاوی فی العروض۔**(۲)

ابن العماد نے شذرات الذہب میں لکھا ہے کہ فقہ، قراءت، حدیث، تاریخ، علم فرائض و حساب، تفسیر، اصول فقہ اور میقات میں بڑی دستگاہ حاصل کی اور ان علوم کی تحصیل کے لیے چار سو سے زیادہ اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور افتا و تدریس کی اجازت حاصل کی۔ امام شوکانی کی بھی یہی رائے ہے:

واخذ عن مشائخ عصره بمصر و نواحيها حتى بلغوا اربعمائة شيخ(۳)

اگر سخاوی کے اساتذہ کی فہرست میں ان تمام لوگوں کو شامل کر لیا جائے جن سے سخاوی نے بالواسطہ یا بلاواسطہ سند اجازت حاصل کی تو ان کی تعداد بشمولیت

ا۔ شذرات الذہب، ۸: ۱۵

۲۔ النور السافر، ص ۱۹

۳۔ البدر الطالع، ۲: ۱۸۴

ادنیٰ و اعلیٰ علما و شعرا وغیرہ بارہ سو کے قریب پہنچ جاتی ہے اور تحصیل علم یا اجازت کی خاطر جن شہروں اور بستیوں کا سفر اختیار کیا ان کی تعداد اسی کے لگ بھگ ہے۔(۱)

سخاوی نے جو کتابیں مختلف استادوں اور عالموں سے پڑھیں یا سنیں' ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ طوالت سے بچنے کے لیے ان کتابوں کے نام یہاں درج نہیں کیے جاتے' البتہ ارباب ذوق الضوء اللامع (۸: ۱۰۔ ۱۴) میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اس کے اساتذہ میں علی ابن حمزہ' الجمال ابن ہشام الحنبلی' صالح البلقینی' الشرف المناوی' ابن الہمامؒ اور ابن حجرؒ زیادہ مشہور ہیں' لیکن سخاوی کو ابن حجرؒ سے بہت زیادہ عقیدت اور وابستگی تھی(۲) اور اس کی اکثر و بیشتر مؤلفات اسی سے سنیں اور پڑھیں۔(۳) امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ سخاوی بچپن ہی سے حافظ ابن حجرؒ کے حلقہ املا میں شریک ہونے لگا اور مدت دراز تک اس کے درسوں اور مجلسوں میں بیٹھا کیا۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں حدیث سے بڑا شغف اور انس پیدا ہو گیا۔ اور اپنے استاد کی بیشتر تصانیف اپنے قلم سے لکھیں۔(۴)

شاگرد کو اپنے تمام اساتذہ سے ایک گونا محبت اور وابستگی ہو جاتی ہے' لیکن اس انس اور تعلق میں بلحاظ تاثر کمی بیشی ضرور پائی جاتی ہے۔ کچھ تو محض استاد ہونے کی وجہ سے محترم ہوتے ہیں اور کچھ اپنے اخلاق و کردار' علم و عمل اور انس و محبت کے باعث دوسروں سے کہیں زیادہ محبوب و مکرم بن جاتے ہیں اور ان میں سے چند فن

۱۔ الضوء اللامع' ۸: ۱۰

۲۔ البدر الطالع' ۲: ۱۸۴

۳۔ النور السافر' ص ۱۷

۴۔ نظم العقیان' ص ۱۵۲

حدیث میں یگانۂ دہراو فریدۂ عصر پھر ایسے استاد سے تحصیل علم کے لیے ایک تو شاگرد کو اپنے اوصاف و محاسن سے اس درجہ متاثر اور گرویدہ کر لیتے ہیں کہ وہ تلامذہ کے لیے کعبہ محبت اور قبلہ عقیدت و ارادت قرار پاتے ہیں۔

سخاوی کی زندگی میں کئی ایسے مواقع پیدا ہو گئے تھے۔ جنکی وجہ سے ابن حجرؒ اس کی نظروں میں سب اساتذہ سے زیادہ محبوب و مرغوب بن گیا تھا۔ سخاوی بمشکل تین برس کا تھا کہ اس کے والد نے ابن حجرؒ کے قرب و جوار میں مکان خریدا اور وہیں سکونت اختیار کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ابن حجرؒ کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ اس کے علم و فضل اور عظمت و جلالت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابن تغری بردی (۸۱۳۔ ۸۷۴ھ) جیسا وقیع مؤرخ یوں رقمطراز ہے:

شیخ الاسلام حافظ المشرق والمغرب امیر المومنین فی الحدیث شہاب الدین قاضی قضاۃ الدیار المصریہ و عالمہا و حافظہا و شاعرہا۔(۱) جس طالب علم کو روز اول ہی سے ایسا بلند مرتبہ اور شہرۂ آفاق معلم نصیب ہو جائے جو بالخصوص فن حدیث میں یگانۂ دہر اور فریدۂ عصر ہو' پھر ایسے استاد سے تحصیل علم کے لیے اتنا طویل عرصہ میسر آ جائے تو یہ ارادت و دلبستگی لازمی ہو جاتی ہے۔

جب تک ابن حجرؒ زندہ رہا' سخاوی اس کے درس میں باقاعدہ شریک ہوتا رہا اور اس کی صحبت سے پورا فائدہ اٹھاتا رہا۔(۲) ابن حجرؒ کی وفات کے بعد سخاوی نے اپنے والدین کے ہمراہ فریضہ حج کی نیت سے بیت اللہ شریف کے لیے رخت سفر باندھا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علماء و مشائخ بالخصوص برہان زمزی' تقی بن فہد مکی اور ابو السعادات بن ظہیرہ کے درسوں میں شامل ہوتا رہا۔(۳) جب وہ اپنے وطن میں واپس

۱۔ النجوم الزاہرۃ' ۷: ۳۲۶

۲۔ معجم المطبوعات العربیہ' ص ۱۰۱۳

۳۔ شذرات الذہب' البدر الطالع۔

Marfat.com

پہنچا تو شوق علم نے پھر ایک دفعہ بے قرار و بے چین کر دیا۔ اس علمی تشنگی کو دور کرنے کے لیے حلب، دمشق، بیت المقدس، اسکندریہ، حمص، نابلس، رملہ، بعلبک، خلیل، دمیاط اور رابغ وغیرہ کا سفر کیا۔ وہیں کے اکابر علماء و اساتذہ سے بہت کچھ سنا اور سیکھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سخاوی حفظ حدیث میں اپنے تمام اقران و معاصر سے سبقت لے گیا اور اس علم و فن میں یگانہ روزگار اور یکتائے زمان قرار پایا۔(۱)

سخاوی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان روایت کے دس سلسلے ہیں۔ امام شافعی، امام احمد، امام دارمی کی حدیثیں تو صرف آٹھ واسطوں سے پہنچی ہیں۔ بلکہ صحاح ستہ کی بعض کتابیں مثلاً سنن ابو داؤد بطریق ابن رستہ اور نسائی کے بعض ابواب تو محض سات واسطوں سے پہنچتے ہیں۔(۲)

درس و تدریس

جب ۸۷۰ھ میں سخاوی اپنے اہل و عیال اور والدین سمیت حج کے لیے بیت اللہ پہنچا تو مسجد حرام میں اپنی تصانیف کا درس دیا اور املا لکھوائی۔ وہاں کے لوگوں نے سخاوی کی موجودگی کو غنیمت جان کر خوب استفادہ کیا۔ درس و تدریس سے فارغ ہوئے تو زیارت ابن عباسؓ کے لیے نجم بن فہد کی مصاحبت میں طائف چلے گئے۔ حج سے واپسی پر قاہرہ میں املا کا سلسلہ شروع کیا جو سات سو مجلسوں تک جاری رہا۔

ان مجالس املا میں وہ لوگ بھی شرکت کرتے رہے جو ابن حجر، الولی العراقی اور زین العراقی کی مجالس میں شریک رہ چکے تھے۔ ان میں سے نجم بن فہد، البہاء

۱۔ البدر الطالع، ۲: ۱۸۴

۲۔ الضوء اللامع، ۸: ۱۳

العلقمی اور شہاب الدین احمد الحجازی کے اسما قابل ذکر ہیں۔(۱) دیگر علما نے بھی خاطر خواہ استفادہ کیا۔(۲)

سخاوی کی شہرت کا سکہ ہر خاص و عام کے دل پر بیٹھ چکا تھا۔ تشنگان علم دور دور سے کھنچے چلے آتے تھے۔ مصر کے مدارس میں ہردلعزیزی اور مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ہر مدرسہ کے ارباب حل و عقد سخاوی کی خدمات کو حاصل کرنے کے لیے بے چین نظر آتے۔ ادھر سخاوی کا یہ حال تھا کہ جب موقع ملتا' حج بیت اللہ کے لیے رخت سفر باندھ کر گھر سے نکل کھڑے ہوتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سخاوی کا دل محبوب حقیقی کے گھر میں کھو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی وہ جب تک محبوب کے در پر رہتا' سکون و طمانیت سے بہرہ ور نظر آتا' لیکن جونہی کوچۂ جاناں سے قدم باہر رکھتا' کھویا کھویا سا نظر آتا۔ اس کے باوجود سخاوی نے مندرجہ ذیل درسگاہوں میں مختلف اوقات میں درس و تدریس کی خدمات سرانجام دیں:

(۱) المترالزین بن مزھر نے اپنے مدرسہ میں املا کے لیے خدمات حاصل کیں۔
(۲) دارالحدیث کاملیہ میں استاذ الکمال کی وفات کے بعد حدیث پڑھاتے رہے۔
(۳) مدرسہ الظاہریہ القدیمہ میں بھی درس حدیث دیتے رہے۔
(۴) الامین الاقصرائی کے بعد صرغتمشیہ میں تدریس حدیث کا کام تفویض ہوا۔
(۵) بہا مشہدی کی موت کے بعد مدرسہ برقوقیہ میں حدیث پڑھانے کے لیے مقرر کیا گیا۔

۱۔ الضوء اللامع' ۸: ۱۴

۲۔ البدر الطالع' ۲: ۱۸۴

Marfat.com

(۶) شیخ مناوی نے مدرسہ فاضلیہ میں حدیث پڑھانے کے لیے منتخب کیا۔

(۷) جب امیر شکیب الفیہ دوادار مکہ مکرمہ گئے تو اپنی غیر حاضری میں مدرسہ منکوتمریہ میں تدریس حدیث کے فرائض سخاوی کو سونپ گئے۔(۱)

(۸) ایک طرف تو علمی مشاغل اور درسی مصروفیتوں کا یہ عالم ہے' دوسری طرف عشق الٰہی اور شوق زیارت کعبہ نے بارہا بے چین و بے قرار کر دیا۔ بیت اللہ میں پہنچ کر راحت و سکون نصیب ہوتا اور غیر ارادی طور پر برسوں کوئے یار میں پڑے رہتے۔ چنانچہ جب ۸۸۵ھ میں حج کو گئے تو ۸۶۔۸۷ھ بھی وہیں گزار دیے اور مسلسل تین مہینے مدینہ طیبہ میں بسر کیے۔ ۸۹۲ھ میں حج کے لیے مکہ مکرمہ کو روانہ ہوئے۔ تو ۸۹۴ھ تک وہیں ٹھہرے رہے۔ ۸۹۶ھ میں پھر حج بیت اللہ شریف کے لیے حاضر ہوئے اور ۸۹۸ھ تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔ بعد ازاں مدینہ منورہ میں جا رہے اور رمضان کے روزے بھی وہیں رکھے۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ میں واپس چلے آئے اور چندے قیام کے بعد دوبارہ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ لوگوں کے اصرار کے باوجود مکہ مکرمہ میں مجالس املاء کا انعقاد نہ کیا' البتہ مدینہ منورہ میں خاص جماعت کے لیے املا کی مجلسوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔

جب دوسری مرتبہ حج سے فارغ ہو کر قاہرہ واپس آئے تو لوگوں کی بے رغبتی' پست ہمتی اور غفلت و بے اعتنائی دیکھ کر سلسلہ املا بند کر دیا' بلکہ سلسلہ افتا بھی ترک کر دیا۔ لوگوں نے ہرچند اصرار کیا' مگر کچھ پرواہ نہ کی۔ بالآخر خود بھی زاویہ نشینی اختیار کر لی۔(۲)

ا۔ "بدر الطالع"، ۲: ۲۱

۲۔ الضوء اللامع، ۸: ۱۴

Marfat.com

سلسلۂ تصنیف و تخریج

سخاوی کی تصانیف کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ کہیں تو اس کا اشہب قلم تاریخ و سیرت نگاری کے میدان میں جولانیٔ طبع دکھاتا ہوا نظر آتا ہے اور کہیں علم و حدیث اور فن رجال میں گوئے سبقت لے جاتا دکھائی دیتا ہے۔ اگر اس نے فقہی مسائل و ابواب پر قلم اٹھایا تو وہ نقوش چھوڑے جو ایک دنیا کو محوِ حیرت کیے ہوئے ہیں۔ سخاوی کی تصانیف کی فہرست دیکھ کر سخاوی کی وسعت معلومات اور دائرہ علم کا ایک دھندلا سا تصور ضرور کیا جا سکتا ہے۔ السخاوی کی تصانیف، جو مختلف موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں، بلا مبالغہ سیکڑوں سے متجاوز ہیں، (تفصیل کے لیے دیکھیے البدر الطالع، ۲: ۱۸٦ و بعد)۔(۱)

سخاوی کا موقف و مقام

سخاوی کی تصانیف پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنا بلند مرتبت انسان ہے۔ اس کی کمند علم کس کس بام پر پہنچی ہے۔ جن علوم پر اس نے طبع آزمائی کی ہے وہ سخاوی کی وسعت معلومات کی غمازی کرتے ہیں۔ اگرچہ الاعلان بالتوبیخ مختصر سی کتاب ہے، لیکن فن تاریخ نگاری اور سیرت نویسی پر کتنی مفید معلومات کا ایک ذخیرہ اپنے اندر پنہاں رکھتی ہے۔ التذکرۃ کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ التاریخ المحیط جیسی ضخیم کتاب بہت سی مجلدات میں لکھی گئی۔ مقریزی کی السلوک اور ذہبی کی دول اسلام پر ذیول لکھ کر نہایت گراں قدر تاریخی معلومات فراہم کر دیں۔ آٹھویں اور نویں صدی ہجری کی وفیات کئی جلدوں میں قلمبند کیں۔ اپنے معاصرین کے تراجم بڑی شرح و

۱۔ فی الحوادث من **سنة** و اربعین و ثمان **مائة** الی راس القرن التاسع فی اربع مجلدات۔ (البدر الطالع، ۲: ۱۸۵) نیز دیکھیے: شذرات الذہب۔

و بسط کے ساتھ لکھے۔ نویں صدی ہجری کے اکابر کے سوانح حیات ان کے علمی کارنامے اور ان کی نقد و جرح پر الضوء اللامع لکھ کر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیے۔ یہ کتاب مکتبہ القدسی والوں نے مصر سے بارہ جلدوں میں شائع کی ہے۔ پہلی جلد ۱۳۵۳ھ میں شائع ہوئی اور بارہویں جلد خواتین کے حالات اور ان کی علمی خدمات کے لیے مختص ہے اور اس میں ۱۰۷۵ عالم اور فاضل عورتوں کے تراجم درج ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نویں صدی میں عالم اسلام کی عورتوں میں علوم و فنون سے کتنی گہری دلچسپی تھی۔

الضوء اللامع اپنی نوعیت کی کوئی پہلی کتاب نہ تھی۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد صدی وار تراجم کی کئی کتابیں لکھی گئیں۔ البتہ یہ کتاب اپنی جامعیت اور وسعت معلومات کے اعتبار سے اپنی قسم کی دوسری تمام کتابوں سے سبقت لے گئی ہے۔ امام شوکانی کہتے ہیں کہ اگر سخاوی الضوء اللامع کے سوا اور کوئی کتاب بھی نہ لکھتا تو یہ کتاب اس کی امامت اور اس کے دائرہ معلومات کی وسعت پر سب سے بڑی دلیل تھی۔(۱) حقیقت یہ ہے کہ الضوء اللامع نویں صدی ہجری کے عالم اسلامی کی ایسی جامع تاریخ ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ مصنف نے اپنے دلکش انداز بیان میں اس دور کے خدوخال کی تصویر اس شان سے پیش کی ہے کہ زندگی کے بے شمار پہلو اجاگر ہو گئے ہیں۔ ہر شخص کی سیرت کے سلسلے میں اس کے محفوظات، مقروات، اساتذہ، تصانیف، اخلاق و احوال، پیدائش، وفات غرضیکہ زندگی کے ہرگوشے کو قلمبند کر دیا ہے۔ اس ضمن میں معاشی، ثقافتی اور اقتصادی حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص عبدالرحمٰن بن احمد الدمشقی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ تجارت کے سلسلے میں مکہ مکرمہ سے کالیکوت (Calicute) آیا جایا کرتے تھے۔(۲) اس کتاب کا ایک مفید پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے مطالعہ سے ہمیں نویں صدی

۱۔ البدر الطالع، ۲: ۱۸۶

۲۔ البدر الطالع، ۲: ۵۵

Marfat.com

ہجری میں مختلف اسلامی ممالک کے تعلیمی نصاب' علمی معیار اور ادبی رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔ مختصر یہ کہ سخاوی نے اس کتاب میں اس دور کی معاشی' علمی اور ثقافتی تاریخ قلمبند کر دی ہے۔

سخاوی سے پہلے اس کے استاد ابن حجر نے آٹھویں صدی ہجری پر اسی طرز کی ایک ضخیم کتاب الدرر الکامنہ کے نام سے لکھی تھی۔ شوکانی دونوں کتابوں کا موازنہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ سخاوی کی الضوء اللامع کو ابن حجر کی الدرر الکامنۃ پر محض فضیلت ہی حاصل نہیں بلکہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے (وجد بینھامن التفاوت مابین الثری والثریا)(ا) پھر اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ابن حجر کو آٹھویں صدی میں بمشکل ستائیس برس گزارنے نصیب ہوئے اور اس کے مقابلے پر سخاوی نے نویں صدی میں انہتر سال زندگی بسر کی۔ ابن حجر کو آٹھویں صدی کے اکثر اکابر سے ملنے کا اتفاق نہ ہو سکا۔ اس لیے ان لوگوں کے بارے میں اس کی معلومات دوسرے لوگوں کی رہین منت ہیں۔ اس کے برعکس سخاوی نویں صدی ہجری کے اکثر و بیشتر لوگوں سے بذات خود ملا اور براہ راست ان سے معلومات حاصل کیں۔ سخاوی نے ان تمام لوگوں کے حالات زندگی سپرد قلم کیے ہیں جو نویں صدی میں موجود تھے۔ قطع نظر اس سے کہ ان سے بعض دسویں صدی میں فوت ہوئے' لیکن ابن حجر نے محض ان لوگوں کے حالات قلمبند کیے ہیں جو آٹھویں صدی ہجری ہی میں اس دنیا کو خیرباد کہہ گئے۔(۲)

بعض اوقات سخاوی کا اسلوب اور انداز بیان تلخ اور خوشگوار ہو جاتا ہے۔ اسے اپنے معاصرین کی کمزوریاں اور خامیاں بیان کرنے میں قطعاً باک محسوس نہیں ہوتا۔ وہ بعض جلیل القدر علما پر بڑی کڑی تنقید کرتا ہے۔ اس کی بے باکی اور حق گوئی حد

ا۔ البدر الطالع ۲: ۱۸۶

۲۔ البدر الطالع ۲: ۱۸۷

Marfat.com

اعتدال سے تجاوز کر جاتی ہے' بالخصوص اس وقت جبکہ سخاوی کسی ایسے آدمی کی سیرت و کردار پر روشنی ڈال رہا ہو جسے کسی نہ کسی صورت ابن حجرؒ سے اختلاف یا دشمنی ہو۔ تو پھر سخاوی کی تنقید اور نکتہ چینی انتقامی جذبے سے مبرا نظر نہیں آتی۔ واقعہ نگاری اور حق گوئی تو قابل اعتراض نہیں' لیکن کسی آدمی کو محض اس لیے طعن و تشنیع کا ہدف بنایا جائے کہ اسے ابن حجرؒ سے اختلاف یا عناد ہے تو یہ کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔ سخاوی کی اس قابل اعتراض روش کو امام شوکانیؒ نے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سخاوی حسب عادت الضوء اللامع میں اپنے اقران و معاصر کے خلاف محض اس لیے زہر اگلتا ہے کہ انہیں ابن حجرؒ سے بعض چیزوں میں اختلاف ہے۔(۱)

اگرچہ شوکانی الضوء اللامع کی تعریف و توصیف میں رطب السان نظر آتا ہے' لیکن بایں ہمہ اسے سخاوی کی یہ تنقید نگاری پسند نہیں ہے۔ شوکانی کی یہ خواہش ہے کہ کاش سخاوی اپنی بلند مرتبہ اور مفید کتاب کو اپنے زمانے کے بعض جلیل القدر علما کے معائب اور مثالب سے پاک رکھتا۔ اگرچہ اسے سخاوی کے مقصد کی نیکی میں شک نہیں' لیکن اس کا خیال ہے کہ مصنف پر اپنے محترم استاد ابن حجر کی محبت اس قدر غالب تھی کہ اس کے انداز فکر کے سوا اسے اور کوئی راہ پسند نہ تھی۔(۲) ابن ایاس کو بھی یہی شکایت ہے کہ سخاوی نے تاریخ میں لوگوں کی بہت سی برائیاں بیان کی ہیں۔(۳) امام سیوطی کے نزدیک سخاوی نے تاریخ نویسی میں عمر ضائع کر دی۔ لوگوں کی عزت و ناموس پر حملہ کیا اور ان کی برائیوں سے اپنی کتابوں کو بھر دیا۔(۴) سیوطی کا یہ انتہاپسندانہ زاویہ نگاہ بھی تعصب سے خالی نہیں ہے۔ اس کے برعکس امام محب بن قطان نے سخاوی کو علم تاریخ میں

۱۔ البدر الطالع' ۲ : ۲۵۵

۲۔ البدر الطالع' ۲ : ۱۸۷

۳۔ تاریخ مصر لابن ایاس' ۲ : ۳۳۲

۴۔ نظم العقیان' ص ۱۵۲

خطیب بغدادی' ابن عساکر اور دوسرے مؤرخوں پر فضیلت اور ترجیح دی ہے۔(۱) الضوء اللامع کی ہردلعزیزی اور قبول عام کا یہ حال تھا کہ ابن عبدالسلام نے البدر الطالع من الضوء اللامع کے نام سے اختصار لکھا۔ زین الدین حلبی نے بھی ایک اختصار تیار کیااور اس کا نام القبس الهاوی لغرر ضوء السخاوی رکھا۔(۲)

مندرجہ بالا سطور میں سخاوی کی فن سیرت نگاری اور تاریخ نویسی کے پہلوؤں پر تھوڑی بہت روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فن حدیث اور اس کے متعلقہ علوم میں اس کا درجہ کہیں بلند و بالا ہے۔ سخاوی نے علم حدیث میں وہ مہارت اور دستگاہ حاصل کی کہ عام علما اور مشائخ تو ایک طرف خواص کو بھی وہ درجہ اور مرتبہ بہت کم ملا کرتا ہے۔ موافق اور مخالف سب اس بارے میں متفق الرائے ہیں کہ علوم حدیث میں جو تبحر اور مقام بلند سخاوی کے حصہ میں آیا اس میں اس کے معاصرو اقران میں دوسرا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔

امام شوکانی کی رائے ملاحظہ ہو: وفاق الاقران و حفظ من الحدیث ماصار به متفرد عن اهل عصره۔(۳) (اس نے وہ اپنے ہم عصر علما پر سبقت لے گئے اور حدیث یاد کی' جس کی بنا پر اپنے ہم عصر علما سے ممتاز ہو گئے۔) صرف یہی نہیں کہ وہ حدیث کے بہت بڑے حافظ تھے' بلکہ حدیث کے تمام متعلقہ علوم و فنون پر انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ وله الید الطولٰی فی المعرفة باسماء الرجال واحوال الرواة والجرح والتعدیل (۴) (انہیں اسماء الرجال' راویوں کے حالات زندگی اور جرح و تعدیل میں ید طولیٰ حاصل تھا) امام سیوطی جیسا ان کا مخالف بھی فن حدیث میں سخاوی کی جلالت قدر کا معترف

۱۔ الضوء اللامع' ۸ : ۲۳

۲۔ شذرات الذہب

۳۔ البدر الطالع' ۲ : ۱۸۴

۴۔ البدر الطالع' ۲ : ۱۸۶

Marfat.com

ہے: لا یحسن من غیر الفن الحدیثی شیئا اصلا۔(۱) (فن حدیث کے سوا' کوئی علم عمدہ طور پر نہیں جانتا)۔ سخاوی کی زندگی میں حدیث کے بڑے چرچے تھے' اس کی موت کے بعد وہ سب چرچے ختم ہو گئے۔ لوگوں نے اس کے انتقال پر بہت رنج و قلق کا اظہار کیا۔ وبعدہٗ مات فن الحدیث واسف الناس علیٰ فقدہ۔(۲) اگرچہ ابن ایاس کو سخاوی کی کڑی تنقید پسند نہیں ہے' لیکن علم حدیث میں اس کے مقام بلند کا وہ بھی اعتراف کرتا ہے۔ وکان عالما فاضلا بارعا فی الحدیث۔(۳)

حجاز کے مشہور و معروف محدث حافظ تقی بن فہد ہاشمی سخاوی کے متعلق لکھتے ہیں کہ: زین الحفاظ و عمدۃ الائمۃ الایقاظ شمس الدنیا والدین اعتنیٰ بخدمۃ الحدیث سید المرسلین استشھر بذالک فی العالمین علی طریقۃ اھل الدین التقوٰی فبلغ فیہ الغایۃ القصوی۔(۴)(حفاظ حدیث کی زینت' بیدار مغز علما کے قابل اعتماد' دنیا اور دین کے سورج' خدمت حدیث میں مشغول ہوئے۔ اسی میں جہانوں میں شہرت پائی دیندار اور متقی لوگوں کے طریقے پر اور اس میں اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوئے)

ادیب شہیر برہان باعونی سخاوی کی بلندی مرتبت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے: ھو الآن من الافراد فی علم الحدیث الذی اشتھر فیہ فضلہ لیس بعد شیخ الاسلام ابن حجر فیہ مثلہ۔(۵)

۱۔ نظم العقیان' ص ۱۵۲

۲۔ البدر الطالع' ۲: ۱۸۶

۳۔ تاریخ مصر' ۲: ۳۲۱

۴۔ الضوء اللامع' ۸: ۲۰

۵۔ الضوء اللامع' ۸: ۳۲

Marfat.com

قاضی مصر البدری کی رائے یہ ہے: **وحفظه للرجال و طبقاتهم و مراتبهم سمافيه على اهل عصره' و تصانيفه اليها النهاية فى الشهادة له بمزيد علوه و فخره و استحضار للا سانيد والمتون من امهات الكتب لا يدرک قرار بحره---- بحيث صار هو الكعبة والحجة فى زمانه۔(۱)**

شہرۂ آفاق فقیہ الشرف المناوی انہیں یوں خراج عقیدت پیش کرتا ہے: **الحجة فى السنن على اهل زمانه**۔(۲) (سنن میں اپنے اہل زمانہ پر حجت تھے)۔

حافظ سراج عبادی کی رائے میں سخاوی کثرت اطلاع' تحقیق فنون' دیانت و امانت اور وفور اعتبار اور وثوق کے لحاظ سے یکتائے زمان تھے اور جرح و تعدیل' تحسین و تصحیح کے بارے میں ابن حجر کے بعد مرجع خواص و عوام ہے۔(۳)

ادیب عصر محدث مصر شہاب الدین احمد الحجازی حافظ سخاوی کی تعریف میں بڑی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہے: **فلو راه صاحب الجامع الصحيح رفع مناره وقدمه للامامة و قال هذا مسلم فى الحقيقته و زاد فى تعظيمه و اكرامه ولو ادركه الحافظ الذهبى لم يتكلم معه الا بالميزان**۔ (۴) غرضیکہ سخاوی کے تبحر حدیث کے بارے میں اس کے معاصرین یک زبان ہیں کہ تمام مذاہب و افکار کے علما اس کی برتری' فضیلت' جلالت قدر اور علو مرتبت کے معترف اور قائل ہیں اگر اور زیادہ آرا اور اقوال مطلوب ہوں تو الضوء اللامع (۸-۲تا۲۶) ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ الضوء اللامع' ۸ : ۲۲

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً' ۸ : ۲۳

معاصرانہ چشمک

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انسان اعلیٰ مرتبے اور بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود کسی نہ کسی بشری خامی اور نفسیاتی کمزوری کا شکار ہو جاتا ہے اور یہ بھی ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ انسان دنیا میں ہر آدمی کو اپنے محاسن و فضائل کا نہ تو قائل کر سکتا ہے اور نہ ہی ہر انسان کے اوصاف و محامد کو عدل و انصاف کے ترازو میں تول سکتا ہے۔ آدمی جذبات کا پیکر ہے کبھی غیظ و غضب اس پر غالب ہے' کبھی بغض و عناد۔ کبھی حزن و ملال اس کی دنیا کو تاریک کر دیتا ہے اور کبھی خوشی و مسرت اس کی تاریک دنیا کو منور و درخشاں بنا دیتی ہے۔ غرض یہ ایسی کیفیات ہیں کہ آدمی کوشش کے باجود ان سے بہت کم بچ سکتا ہے۔

سخاوی ایک انسان تھا' بہت بلند درجے کا انسان۔ اس کے معاصرین میں ایسے لوگ بھی تھے جو اس کے تبحر علمی کے قائل تھے اور وہ لوگ بھی تھے جو سخاوی کے علم و فضل کو بظاہر پرکاہ کی حیثیت بھی نہ دیتے تھے۔ سخاوی کا ہر ہنر اور خوبی ان کے نزدیک عیب اور برائی کا حکم رکھتی تھی۔ امام جلال الدین السیوطی اس زمرۂ ناقدین کے امام کہے جاتے ہیں' سخاوی اور سیوطی میں معاصرانہ چشمک تھی جو بذات خود چنداں اعتراض نہیں رکھتے' لیکن ستم تو یہ ہے کہ ایک دوسرے کے علم پر حرف گیری کی جاتی ہے۔ اسے اپنے مقام و منصب سے بہت نیچے دکھا کر اس کی تذلیل و توہین مقصود ہوتی ہے۔ یہ امر نہایت ہی قابل افسوس ہے کہ بڑے جلیل القدر لوگ بھی جذبات میں نکلنے سے بچ نہیں سکتے۔ سخاوی اور سیوطی ایک دوسرے پر تنقید کرتے ہیں جو محض کڑی ہی نہیں' بلکہ حد درجہ تلخ اور ناخوشگوار ہے' جس میں محبت و اخلاص کی بجائے بغض و عناد کارفرما نظر آتا ہے۔

سخاوی کی تمام خوبیاں سیوطی کی نگاہ میں بے حقیقت ہی نہیں' بلکہ برائیوں کا حکم رکھتی ہیں۔ اسی طرح سیوطی کے تمام محاسن السخاوی کی تنقیدی نظر میں معائب بن جاتے ہیں۔ سیوطی اپنے اس ہم عصر کا تذکرہ کرتے ہوئے سخاوی کو حدیث کے سوا تمام علوم سے عاری اور بے بہرہ قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ اس نے اپنی ساری عمر تاریخ لکھنے میں ضائع کر

Marfat.com

دی، لوگوں کے ناموس پر حملہ کیا اور جھوٹ سچ کی آمیزش سے کتاب کو لوگوں کے معائب و مثالب سے بھر دیا اور یہ سمجھا کہ وہ جرح و تعدیل کا حق ادا کر رہا ہے۔ یہ سراسر جہالت، گمراہی اور اللہ پر افترا ہے، بلکہ اس نے گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔(۱) جب سخاوی نے الضوء اللّامع مکمل کر لی تو سیوطی نے الکاوی فی تاریخ السخاوی(۲) لکھ کر اپنے لیے ذہنی تسکین و راحت کا سامان مہیا کر لیا اور اختتام پر فسبحان قاسم العقول (۳) لکھ کر سخاوی پر طنز کی۔ اگر سیوطی کا طرز عمل غیر مصالحانہ بلکہ معاندانہ تھا، تو سخاوی کا طریق کار اشتعال انگیز اور جارحانہ تھا۔ سیوطی کی تحریر میں مظلومیت کی جھلک نظر آتی ہے، لیکن سخاوی کی تنقید میں نفرت و حقارت کی بو۔

سخاوی نے سیوطی کے حالات قلمبند کرتے ہوئے لکھا کہ وہ ایک عرصے تک مجھ سے وابستہ رہا اور میں جس کام کے کرنے کی طرف اشارہ کیا کرتا تھا، سیوطی نے کبھی اس میں گہری دلچسپی کا ثبوت نہیں دیا۔(۴) اس کے بعد سخاوی نے بڑی دیدہ دلیری اور جرات سے کام لے کر اپنے ترکش جرح و تعدیل کا آخری تیر سیوطی کی شہرت و دیانت پر اس طرح پیوست کرنا چاہا کہ اس نے تصنیفی وقار اور علمی قدر و منزلت ہمیشہ کے لیے خاک میں مل جائے۔ چنانچہ یہاں تک لکھ دیا ہے کہ سیوطی دوسرے علما اور مصنفین کی کتابوں میں، جو اکثر معاصرین کی نظر سے اوجھل تھیں، رد و بدل کر کے اپنی جانب

۱۔ نظم العقیان، ص ۱۵۴

۲۔ شذرات الذہب، ۸: ۵۲، لیکن الضوء اللامع میں الکاوی فی الرد علی السخاوی مرقوم ہے (۴: ۶۹)

۳۔ فلپ ہٹی نے نظم العقیان کے دیباچہ (ص ز) میں فسبحان واہب العقول نقل کیا ہے۔

۴۔ الضوء اللامع، ۴: ۶۸

منسوب کرتا رہا ہے۔ بل اخذ من کتب المحمودیۃ و غیرھا کثیرا من التصانیف المتقدمۃ التی لا عھد لکثیر من العصریین بھا فی فنون فغیّرَ فیھا یسرًا و قدم واخر و نسبھا لنفسہ (بلکہ سیوطی نے بہت سی اچھی اور دوسری کتب ایسے متقدمین کی لیں، جو اہل زمانہ کو معلوم نہ تھیں اور ان میں تھوڑا بہت ردوبدل کر کے انہیں اپنی جانب منسوب کر لیا)۔ ایک یہ بھی الزام لگایا کہ سیوطی نے ایک کتاب تحریر المنطق کے بارے میں لکھی جو کہ ابن تیمیہ کی ایک تصنیف سے ماخوذ اور اس کی تسوید میں سخاوی سے اکثر اعانت حاصل کی گئی۔ دوسرا الزام یہ ہے کہ اس نے بہت سے شروح میں ابن حجر اور دوسرے مصنفوں کی کتابوں سے چوری کی ہے۔ فکل ھذہ تصانیف شیخنا (ابن حجر) ولیتہ لم یمسخھما (یہ سب ہمارے استاد ابن حجر کی تصانیف ہیں، کاش وہ انہیں مسخ نہ کرتا)۔ پھر لکھا ہے و فیھا مما ھو لغیرہ الکثیر۔ سیوطی کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی تصانیف تین سو سے زائد بتائی جاتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سی کتابوں کا حجم چند صفحوں سے بڑھنے نہیں پاتا۔ واما ماھو دون الکراسۃ فکثیر۔(۱)(اور جن کا حجم ایک کراسہ (کاپی) سے زیادہ نہیں ہے، ان کی تعداد زیادہ ہے)۔

سخاوی کی یہ کڑی تنقید محض کتابوں اور تحریروں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس کی تنقید سے سیوطی کی ذات بھی نہ بچ سکی۔ سخاوی کو سیوطی کی تحریروں میں حماقت کی بو آتی ہے اور اسے ہوا و ہوس کا بندہ سمجھتا ہے جو رفعت و بلندی کا بھوکا ہے۔ اس ضمن میں یہاں تک کہ: مزید الترفع حتی علی امہ(۲) (وہ اور رفعت و بلندی چاہتا ہے، یہاں تک کہ اپنے ماں پر بھی) ان دونوں میں اتنا بغض و عناد پیدا ہو چکا تھا کہ ایک

۱۔ الضوء اللامع، ۴: ۶۸

۲۔ الضوء اللامع، ۴: ۶۹

دوسرے کے وابستگان بھی ان کی زد سے نہ بچ سکے اور نفسیاتی اعتبار سے بھی یہ امر بعید نہیں۔ چنانچہ سیوطی کے ایک شاگرد عبدالجبار بن علی بن محمد الاخطابی کے بارے میں سخاوی لکھتا ہے: ولا یخلو من ھوس کشیخہ(۱) (وہ اپنے استاد کی طرح ہوس سے خالی نہیں)۔ جب کبھی سخاوی کو سیوطی کے خلاف لکھنے کا موقع ملتا ہے وہ اسے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا بلکہ اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ عبدالقادر بن حسین المعروف بن مغیزل (پیدائش ۸۶۵ھ) مختلف علما کے درسوں میں شامل رہنے کے بعد سیوطی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گیا۔ پہلے سیوطی اسے سبز باغ دکھاتا رہا کہ قاضی مقرر ہو جانے کے بعد وہ ابن مغیزل کے لیے یہ کرے گا' وہ کرے گا' لیکن بعد میں ان دونوں کے درمیان اختلاف رونما ہو گیا اور وہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ اس مقام پر سخاوی یوں رقمطراز تھے: ثم تنافرا و تشاققا لسوء عشرۃ نالک و ظہور مقدمات کذبہ(۲) (پھر دونوں میں باہم نفرت ہو گئی اور علیحدگی عمل میں آگئی السیوطی کی بد خلقی اور کذب بیانی کے باعث).

حقیقت یہ ہے کہ سخاوی کی رائے سیوطی کے بارے میں آخری اور قطعی قرار نہیں دی جا سکتی ہے اور نہ اس کے متعلق سیوطی کی رائے میں کوئی زیادہ صداقت پائی جاتی ہے۔ ان کی ایک دوسرے کے متعلق رائے تعصب اور عناد سے خالی نہیں۔ اگر سیوطی کا کوئی وقیع ادبی اور علمی کارنامہ نہ بھی ہوتا تو کیا آنے والی نسلوں پر وہ احسان کم ہے کہ اس نے اسلاف کی محنتوں کو زمانے کی دستبرد سے محفوظ کر کے ہم تک پہنچا دیا ہے۔ کہ الاتقان فی علوم القرآن' المزھر فی اصول اللغۃ' الاشباہ والنظائر اور حسن المحاضرہ وغیرہ اس کے حسن ذوق اور وسعت علم پر شاہد عادل نہیں ہیں؟ اسی طرح اس کے بارے میں سیوطی کی رائے بھی ذاتی عداوت پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ الضوء اللامع' ۴: ۳۶

۲۔ الضوء اللامع' ۴: ۳۶۴

وفات

سخاوی کی وفات بالاتفاق ۹۰۲ھ میں ہوئی' البتہ جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ اس کی وفات قاہرہ میں ہوئی(۱) جو قطعاً غلط ہے۔ اس کے سوا باقی سیرت نگار متفقہ طور پر مقام وفات مدینہ لکھتے ہیں۔ ابن العماد نے تاریخ یک شنبہ' ۲۸ شعبان لکھی ہے'(۲) لیکن ابن فہد نے بوقت عصر شنبہ' ۱۶ شعبان بیان کی ہے'(۳) میرا خیال ہے کہ ابن فہد کی روایت قابل ترجیح ہے۔ مصر کا یہ نامور ادیب و عالم دو شنبہ' صبح کے وقت جنت البقیع مشہد امام مالک کے پاس دفن کیا گیا۔(۴)

OOO

۱۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ' ۳: ۲۹۹

۲۔ شذرات الذہب' ۸: ۱۷

۳۔ البدر الطالع' ۲: ۱۸۶

۴۔ شذرات' ۸: ۱۷

Marfat.com

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ: اجتماعی اور تعلیمی خدمات کا جائزہ

شاہ ولی اللہ ایک ایسے جلیل المرتبت اور علم دوست خاندان کے چشم و چراغ ہیں' جس کی تعلیمی خدمات کی ایک دنیا احسان مند ہے' جس کی بہادری اور شجاعت کا سکہ ایک عالم پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کے علمی کارنامے سنہری حروف میں لکھے جانے کے لائق ہیں۔

شاہ عبدالرحیم کا سلسلہ نسب حضرت عمرفاروق خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ اس خاندان کے لیے شاہ کا لقب محض عزت و تکریم کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

آباؤ اجداد

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تیرھویں پشت میں جد امجد شیخ شمس الدین ہندوستان آئے اور دہلی سے تیس میل کے فاصلے پر قصبہ رہتک میں سکونت پذیر ہوئے۔ اس زمانے میں رہتک کا سارا علاقہ تہذیب و تمدن اور علم و ہنر سے بالکل عاری تھا۔ شیخ شمس الدین بڑے شب زندہ دار' عابد و زاہد اور متقی عالم تھے۔ انہوں نے رہتک میں ایک مدرسے کی بنیاد رکھ دی۔ دہلی کے گردو پیش میں اپنی قسم کا یہ پہلا مدرسہ تھا۔ تھوڑے عرصے میں شیخ شمس الدین کے علم و فضل اور زہد تقویٰ کی دھوم سارے علاقے میں پھیل گئی۔ شیخ موصوف کی کوششوں سے بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اسلام نے انہیں آغوش میں لیتے ہی علم کا نور بخشنا شروع کر دیا۔

غرضیکہ شیخ شمس الدین کے اردگرد مخلص اور عقیدت کیش لوگوں کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔ اس جماعت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ اور چند برسوں میں یہ جماعت اچھی

Marfat.com

خاصی جمعیت بن گئی۔ یہ سب لوگ شیخ شمس الدین کو اپنا روحانی پیشوا اور مذہبی رہنما تسلیم کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ اس دینی پیشوائی سے شیخ موصوف کو ایک گونہ حاکمانہ اقتدار حاصل ہو گیا۔ دینی اور دنیوی امور میں لوگ ان کے فیصلوں کو بڑی قدر و منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو باعث سعادت و فلاح سمجھتے۔ حاکمان شہر بھی بڑھ چڑھ کر ان کی تعظیم و تکریم اور عزت و حرمت کرتے اور انہیں مفتی کے لقب سے یاد کرتے۔ حاکمانہ اقتدار اور دینی پیشوائی کا یہ سلسلہ ان کے پڑپوتے شیخ عبدالملک تک جاری رہا۔ اس زمانے میں حکومت نے عہدہ قضا قائم کیا اور شیخ عبدالملک اس علاقے میں پہلے قاضی مقرر ہوئے۔ یہ عہدہ ان کے خاندان میں چوتھی نسل تک جاری رہا۔ اس منصب سے علیحدگی کی وجہ یہ ہوئی کہ شیخ محمود بن قوام الدین کے جذبۂ جہاد نے جوش مارا' سپاہیانہ زندگی کو علمی ماحول پر ترجیح دی۔ مسند درس و تدریس اور منصب قضا کو خیرباد کہہ کر اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ عمر بھر جنگوں میں شرکت کی' بڑے بڑے معرکے سر کیے اور عسکری عہدوں کی زمام سنبھالے رکھی۔ شیخ محمود کی اولاد چار پانچ نسلوں تک مجاہدانہ زندگی بسر کرتی رہی' یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ کے جد امجد شیخ وجیہ الدینؒ نے سلطان محی الدین عالمگیر اورنگ زیبؒ کے عہد میں جام شہادت نوش کر کے شہید کا لقب پایا۔

شیخ وجیہ الدین شہیدؒ کے تین لڑکے تھے' ابو رضا محمد' عبدالرحیم اور عبدالحکیم۔ تینوں چوٹی کے عالم تھے۔ شاہ عبدالرحیمؒ ۱۰۵۴ھ /۱۶۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید' صرف' نحو اور عقلی و نقلی علوم کی تکمیل کے لیے علامہ زماں' محقق دوران' فاضل اجل میر محمد زاہد ہروی کے سامنے زانوائے تلمذ تہ کیا۔ علامہ ہروی اپنے زمانے کے بہترین عالم اور صاحب طرز استاد ہونے کے علاوہ حکمت و فلسفہ میں یگانۂ روزگار سمجھے جاتے تھے۔ شاہ عبدالرحیم نے ان کی زیر تربیت تمام مروجہ علوم میں اتنا کمال حاصل کر لیا کہ عنفوان شباب میں تشنگان علم کا مرجع بن گئے۔ ان کے علم و فضل کا چرچا چار دانگ عالم میں ہونے لگا۔ طلبہ دور دراز علاقوں سے تحصیل علم کی خاطر حاضر ہونے شروع ہوئے۔ طلبہ کا ہجوم اور

Marfat.com

ان کے شوق کی فراوانی دیکھ کر شاہ عبدالرحیم نے دہلی میں "مدرسہ رحیمیہ" کے نام سے ایک درس گاہ کی داغ بیل ڈال دی۔

شاہ عبدالرحیم قرآن و حدیث اور فقہ و حکمت کے بڑے جید اور تبحر عالم ہونے کے علاوہ بڑے متواضع اور متقی بزرگ تھے۔ اپنے زہد و انکسار اور تصوف کی وجہ سے مقبول خاص و عام تھے۔ انہیں جمہور کے اعتماد کے علاوہ حکومت کے ہاں بھی رسوخ اور عزت و وقار حاصل تھا۔ سلطان عالمگیر اورنگ زیب نے فتاویٰ عالمگیریہ کی تنقیح اور اصلاح کا کام جن علما کو سونپ رکھا تھا۔ ان میں شاہ عبدالرحیم کا نام بھی مذکور ہے۔ آپ نے اس کام کو جس خوش اسلوبی اور حسن قابلیت سے سرانجام دیا۔ اس سے آپ کی ذہنی استعداد اور علمی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔

شاہ عبدالرحیم بہت بڑے مفکر تھے۔ ان کے متجسس اور انقلابی ذہن نے سوچ اور فکر کی نئی راہیں تلاش کیں۔ شریعت اور طریقت کی آمیزش سے نیا انداز فکر پیدا کیا۔ فقہی مسائل میں تجدد و تفکر کے دروازے کھول دیے۔ شاہ صاحب موصوف نے وقتی تقاضوں اور ضرورتوں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور حالات کے پیش نظر تعلیم و تدریس کے اصول کی ترمیم و تجدید کی۔

شاہ عبدالرحیم بڑے فراخ اور وسیع مشرب فقیہ تھے۔ حنفی مسلک کے پیرو اور نقشبندی تصوف پر کاربند ہونے کے باوجود بڑے حکیمانہ اور دانشورانہ زاویہ نگاہ کے مالک تھے۔ بعض اوقات حنفی فقہا کے استقلال کو چھوڑ کر غیر احناف اہل سنت علما کے اقوال ان کے نزدیک حدیث و سنت کی روشنی میں اور ملی مصلحتوں کے تقاضوں کے پیش نظر قابل ترجیح ہوتے تھے۔ شاہ صاحب تحقیق و نفقہ کے باب میں بڑے جدت پسند واقع ہوئے تھے۔ اور اس ضمن میں وہ اپنے پیش روائمہ مجتہدین پر ایک گونہ سبقت رکھتے ہیں۔

شاہ عبدالرحیم پہلے عالم ہیں جنہوں نے قرآن مجید کے متن کا درس بغیر تفسیری تفصیلات کے شروع کیا۔ ان کے اپنے تعلیمی نظریئے ہیں، مثلاً یہ کہ بچوں کے لیے بہترین جگہ مدرسہ بنایا جائے۔ لکھنا پڑھنا سکھانے سے پہلے بچوں کو روزمرہ کی چیزوں میں تربیت

Marfat.com

دی جائے۔ انہیں زندگی کی تگ و دود کے لیے تیار کیا جائے۔ زندگی بسر کرنے کی ترتیب کا دوسرا نام تعلیم ہے۔ بچوں میں صفائی اور پاکیزگی کا جذبہ عادت بنا دیا جائے۔ بہرحال ان کے تعلیمی خیالات کا اس امر سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے بچوں کو کس طریق اور نہج پر تعلیم دی۔

شاہ ولی اللہ

شاہ ولی اللہ بروز بدھ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۳ء کو دہلی میں پیدا ہوئے ان کے والد شاہ عبدالرحیم کو بیٹے کی پیدائش سے پہلے خوشخبری دی گئی تھی کہ تمہارے ہاں ایک ایسا نیک اور عالم دین لڑکا پیدا ہو گا جس کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل جائے گی۔ اس خوشخبری کی بنا پر باپ نے بیٹے کا نام قطب الدین احمد ولی اللہ رکھا۔ باپ نے بڑے شوق اور محنت سے خود تعلیم و تربیت دی اور چونکہ شاہ عبدالرحیم بڑے آسودہ حال اور فارغ البال بزرگ تھے اس لیے انہوں نے اپنے بیٹے کو بھی فکر معاش سے بے نیاز کر دیا اور اس کی تمام توجہات کو تحصیل علم اور شوق مطالعہ پر مرکوز کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

شاہ عبدالرحیم "مدرسۂ رحیمیہ" کے بانی تھے اور ان کا نظریہ یہ تھا کہ بچے کی تعلیم و تربیت میں سکول کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ اس لیے وہ بچے کو گھر پر تعلیم دینے کی بجائے مدرسہ بھیجنا قابل ترجیح سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب شاہ ولی اللہؒ پانچ برس کی عمر کو پہنچے تو انہیں مدرسے داخل کرا دیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہ عبدالرحیمؒ کے نزدیک بچے کو پانچ برس کی عمر میں سکول بھیج دینا ضروری تھا۔ سات برس کی عمر میں شاہ ولی اللہؒ نے نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ انہوں نے اس دو سال کے عرصے میں لکھنا پڑھنا سکھانے کے علاوہ بچوں کو ہاتھ منہ دھونا' دانت صاف کرنا' طہارت و پاکیزگی اور نماز روزہ کے آداب سے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ ہمارے ماہرین تعلیم نے علم اور زندگی کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر رکھا تھا' مگر ان کے نزدیک تعلیم اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ علم زندگی کے لیے ضروری ہے اور ایسا علم جسے زندگی سے کوئی تعلق اور لگاؤ نہ ہو' بیکار محض ہے۔ ان

Marfat.com

لوگوں کے ہاں تعلیم کا مفہوم یہ تھا کہ بچے کو زندگی کی دوڑ کے لیے تیار کیا جائے اور اسے اس لائق بنا دیا جائے کہ وہ اپنے ماحول میں اجنبی محسوس نہ کرے، بلکہ ماحول کے سانچے میں اپنی زندگی کو بآسانی ڈھال سکے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچے کی صحت کی طرف بھی اتنی توجہ دیتے تھے کہ بچہ ابتدا ہی سے ایسا صحت مند، توانا اور مضبوط بن جائے کہ روزہ رکھ کر دن بھر کی بھوک پیاس برداشت کر سکے۔ ان لوگوں کے ہاں زندگی کی قدریں کچھ اور تھیں۔ وہ اسلامی ماحول پیدا کر کے بچوں کو خالص اسلامی سانچوں میں ڈھال کر ایک خالص اسلامی معاشرہ بنانا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک زندگی تن آسانی کا نام نہ تھا بلکہ زندگی تعبیر تھی سخت کوشی سے۔

شاہ ولی اللہؒ نے ایک برس میں فارسی کی ابتدائی تعلیمات حاصل کر لیں، بعد ازاں عربی زبان اور ادب پڑھنا شروع کیا۔ دس برس کی عمر میں عربی زبان میں خوب دسترس حاصل کر لینے کے بعد تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ اور اصول وغیرہ علوم دینیہ و عقلیہ پڑھنے لگے۔ پندرہ سال کی عمر میں مقررہ نصاب تعلیم ختم کر کے درجۂ عالیہ کی سند حاصل کر لی۔ دوران تعلیم میں شاہ ولی اللہؒ نے زیادہ تر جن استادوں کے سامنے زانوئے تلمذ کیا، ان میں ایک تو ان کے والد تھے اور دوسرے شیخ محمد افضل سیالکوٹیؒ۔ پندرہ سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہو جانے کا یہ مطلب بھی تو ہے کہ شاہ عبدالرحیمؒ نے نصاب تعلیم اور طریق تدریس اس طرح تجویز کیا تھا کہ طالب علم دس گیارہ سال کی مدت میں اعلیٰ تعلیم سے فارغ ہو سکے۔

شاہ ولی اللہ چودہ برس کے تھے کہ والد نے نکاح کر دیا۔ اگرچہ بظاہر چودہ برس کی عمر میں نکاح کر کے متاہلانہ زندگی میں قدم رکھنا چنداں مستحسن معلوم نہیں ہوتا، لیکن پس منظر کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سماجی تقاضے جغرافیائی اثرات اور معاشرتی حالات ان بزرگوں کے اس اقدام کی تائید کرتے ہیں۔ ملک کی آب و ہوا ایسی ہے کہ لڑکے جلدی جوان ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ معاشرہ اخلاقی برائیوں کا ہمیشہ شکار رہا ہے۔ پھر شاہ عبدالرحیمؒ یہ بھی جانتے تھے کہ تعلیم و تربیت کا اثر ضروری ہے، لیکن اس کے

Marfat.com

باوجود ایک نوجوان بالخصوص صحت مند اور ذہین نوجوان کے لیے سماج اور معاشرے کی برائیوں سے بچنا بڑا مشکل ہے۔ جسم کو قید کر دینا تو ممکن ہے' لیکن جذبات اور خیالات کو بے راہ روی کا عادی بنا کر زنجیروں میں جکڑنا ممکن نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک نوجوان بڑی پارسائی سے زندگی بسر کرے' اسے اپنے جذبات پر پورا قابو حاصل ہو' اس کے خیالات بھی نہایت پاکیزہ ہوں' مگر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ زندگی بھر پھسلنے کے مواقع پیش نہیں آئیں گے؟ جب حالات یہ ہوں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ زندگی بھر نوجوانوں کو امتحان و آزمائش میں مبتلا کیا جائے۔ بہرحال وقت کی تمام اخلاقی اور معاشرتی برائیوں سے بچنے کی صرف ایک ہی فطری راہ ہے' جسے ازدواجی زندگی یا نکاح کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کا چودہ برس کی عمر میں ازدواجی زندگی شروع کر دینے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں ہمارے ماہرین تعلیم کس حد تک انسانی تقاضوں اور نوجوانوں کی نفسیات کو سمجھتے تھے۔ نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقی کمزوریوں اور معاشرتی برائیوں کا صحیح حل ان کے ذہن میں کیا تھا۔

۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء میں شاہ عبدالرحیم نے اس جہان فانی کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا۔ لائق باپ کی وفات کے بعد قابل ترین بیٹا مسند تعلیم و تدریس پر بیٹھا۔ شاہ ولی اللہ اپنے وقت کے سب سے بڑے مفکر اور متبحر عالم تھے۔ ان کی ذہنی استعداد' علمی قابلیت اور بلند فکر کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ شاہ عبدالرحیمؒ جیسے تجربہ کار استاد اور شہرۂ آفاق عالم کی مسند تدریس پر عین عنفوان شباب میں بیٹھ کر مسلسل بارہ برس تک تفسیر' حدیث' فقہ' اصول فقہ اور دیگر دینی اور عقلی علوم پڑھاتے رہے۔ ان علوم میں بالعموم اور قرآن و حدیث میں بالخصوص بڑا تبحر اور کمال حاصل کیا اور رموز شریعت اور اسرار دین میں اپنے لیے ایک امتیازی مقام پیدا کیا۔

شاہ ولی اللہ کی عمر بمشکل پانچ برس کی تھی کہ سلطان عالمگیر اورنگ زیبؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس پارسا بادشاہ کی وفات نے اسلامی معاشرے میں اتنا بڑا خلا پیدا کر دیا جو کبھی پر نہ ہو سکا۔ مسلمانوں کا قومی شیرازہ پریشان ہونے لگا' اخلاقی برائیوں اور سماجی عیوب

Marfat.com

نے ملت اسلامیہ کو گھن کی طرح کھانا شروع کر دیا۔ سیاسی حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے' معاشرتی نظام میں ایک انقلاب رونما ہو گیا۔ اونچ نیچ اور چھوٹے بڑے کی تمیز پیدا ہونے لگی۔ امتیاز بندۂ و آقا فسادِ آدمیت بن گیا۔ صنعت و حرفت اور ہنر و فن کا جاننا اور سیکھنا عیب سمجھا جانے لگا۔ ارادوں میں بلندی نہ رہی' ہمتوں میں پستی آگئی۔ یہ تمام جگر خراش حالات ایک ایک کر کے شاہ ولی اللہ کی آنکھوں کے سامنے پیدا ہو رہے تھے۔ سیاسی حالات اس سے بھی زیادہ زہرہ گداز اور المناک صورت اختیار کر رہے تھے۔ سلطنت کا قیام اور حکومت کا وجود معرض خطرہ میں پڑ گیا۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا بادشاہ سریر آرائے سلطنت ہوتا رہا' مگر استحکام و انتظام نام کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ شاہ ولی اللہؒ نے حسب ذیل دس بادشاہ دلی کے تخت پر آتے جاتے دیکھے:

(۱)عالمگیر اورنگ زیب؛ (۲)بہادر شاہ اول؛ (۳)معز الدین جہاندار شاہ؛ (۴)فرخ سیر؛ (۵)رفیع الدولہ؛ (۶)رفیع الدرجات؛ (۷)محمد شاہ؛ (۸)احمد شاہ؛ (۹)عالمگیر ثانی اور (۱۰)شاہ عالم ثانی۔

یہ تو تھی گھر کی حالت اور گھر سے باہر کے حالات اس سے کہیں زیادہ تشویشناک صورت اختیار کر رہے تھے۔ مرہٹوں کا اقتدار روز بروز بڑھ رہا تھا۔ پنجاب اور سرحد' افغانستان کی سرزمین پر سکھوں کا تسلط زیادہ خوفناک شکل میں رونما ہو رہا تھا۔ نادر شاہ کا حملہ اور یورپین اقوام کا اقتصادی تفوق بھی کچھ کم پریشان کن نہ تھا۔ اس کے ساتھ ایک بہت بڑی مصیبت "مذہبی بے حسی" کے رنگ میں رونما ہو رہی تھی۔ شاہ ولی اللہ نے تمام سیاسی' اجتماعی اور مذہبی حالات کا جائزہ لے کر اپنے لیے ایک متعین لائحہ عمل تجویز کر لیا۔

شاہ ولی اللہ اپنے زمانے میں ماہر اقتصادیات ہونے کے علاوہ بہترین سیاسی مبصر بھی تھے۔ دینی بصیرت اور ایمانی حمیت نے سیاسی اور اجتماعی مسائل کو سمجھنے کا صحیح ذوق آپ میں پیدا کر دیا تھا۔ آپ نے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے تفہیمات الٰہیہ میں ہر طبقے کے لوگوں سے خطاب کیا۔ آپ نے حکمرانوں' علما' صوفیا اور جمہور سب کو تلقین کی کہ وہ اپنی اقتصادی حالت درست کریں۔ آپ نے اس بات پر بڑا زور دیا کہ حکمران طبقہ

Marfat.com

اور عوام نہ صرف اپنے اخراجات اور آمدنی میں ایک توازن پیدا کریں' بلکہ کچھ رقم بچا کر غریبوں اور محتاجوں کو دیں۔ شاہ صاحب نے ملکی سیاست میں بڑی گرم جوشی سے حصہ لیا۔ آپ دیکھ رہے تھے کہ مغلوں کا نظام حکومت کھوکھلا ہو رہا ہے۔ آپ نے ایک طرف تو یہ کوشش کی کہ مغلوں کی سلطنت اس وقت تک قائم رہے جب تک کوئی بہتر قائم مقام نہیں ملتا۔ دوسری طرف آپ نے نواب نجیب الدولہ کو امیر مجاہدین اور سالار غازیان اسلام کے القاب سے یاد کر کے روہیلوں کی ہمت افزائی کی۔ خطوط اور پیغامات کے ذریعے شاہ صاحب نے نجیب الدولہؒ کو جاٹوں اور مرہٹوں کی چیرہ دستیوں کی طرف توجہ دلائی۔ شاہ صاحب کو نجیب الدولہؒ کے سیاسی تدبر سپاہیانہ بہادری اور جہانبانی کی صلاحیتوں پر اعتماد تھا۔ جب شاہ ولی اللہؒ نے دیکھا کہ مغربی قوتوں کی ریشہ دوانیاں مرہٹوں کی چیرہ دستیاں اور جاٹوں کے مظالم مسلمانوں کے لیے قیامت بن رہے ہیں تو آپ نے احمد شاہ ابدالی کو خط لکھ کر دعوت دی کہ وہ دہلی کی سلطنت کو آ کر سنبھالے اور مسلمان قوم کو اغیار کے پنجے سے نجات دلائے۔ شاہ صاحب نے نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی جیسی عظیم الشان شخصیتوں کو منتخب کرنے میں بڑی اصابت رائے' سیاسی بصیرت اور مردم شناسی کا ثبوت دیا۔ شاہ صاحب کی دعوت پر احمد شاہ ابدالی پانی پت کے تاریخی میدان میں آ دھمکا۔ شاہ صاحب کے ذرائع بڑے وسیع تھے۔ انہیں ابدالی فوجوں کی نقل و حرکت کی خبر رہتی تھی۔ نجیب الدولہ کو بھی شاہ صاحب پر پورا اعتماد تھا اور وہ شاہ صاحب سے مشورے لیتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ شاہ صاحب نے مغلوں کے سیاسی زوال اور اقتصادی زبوں حالی کے اسباب کی تعین و تشخیص میں جس مفکرانہ اور حکیمانہ ذہانت کا ثبوت دیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی

شاہ ولی اللہ بڑے شاہ دماغ اور بلا کے ذہین تھے۔ انہوں نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا اور پہچان لیا کہ ملت کی فلاح و بہبود بلکہ زندگی کا راز تحصیل علم میں مضمر ہے۔ تعلیم کی ترویج میں عوامی مدرسے کو بڑا دخل ہے۔ ان کے نزدیک تمام معاشرتی اور سماجی ادارے اصلاح اور معالجہ کی حیثیت رکھتے ہیں' لیکن مدارس اور تعلیمی اداروں کی حیثیت و اہمیت پیش بندی اور حفظ ماتقدم کے طور پر ہے۔ ان کے خیال میں ملت کی نجات کے لیے

Marfat.com

تعلیم ازبس ضروری ہے۔ زندگی کے فرائض اور معاشرے کی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تعلیم ایک ناگزیر امر ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ زندگی اور مدرسہ لازم و ملزوم ہیں۔ زندگی کو مدرسہ سے اور مدرسے کو زندگی سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر زندگی کو مدرسہ و سکول سے الگ کر دیا جائے تو علم کا دامن عمل سے بالکل تہی ہو جاتا ہے۔

دلی میں برابر بارہ سال تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد ۱۱۴۳ھ میں شاہ ولی اللہ نے حج بیت اللہ کی نیت سے رخصت سفر باندھا اور عازم مکہ ہوئے۔ ارض مقدسہ پہنچ کر وہاں کے مشہور و معروف علما سے رابطہ قائم کیا۔ اس دوران میں حرمین کے مشہور اساتذہ کرام کے درس میں شامل ہوتے رہے اور بالخصوص شیخ ابو طاہر مدنیؒ سے بہت استفادہ کیا۔ اثنائے سفر میں حرمین شریفین کے تعلیمی طریقوں اور اصولوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا۔ حج سے واپسی پر دلی میں اپنے والد کے قائم کردہ مدرسے "مدرسۂ رحیمیہ" میں پھر سلسلہ درس و تدریس جاری کر دیا۔ اور زندگی کے آخری سانس یعنی (۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۳ء) تک تعلیمی خدمات میں مصروف رہے۔

شاہ ولی اللہ بڑے بلند پایہ معاشرتی نقاد سیاسی مفکر اور واقف اسرار دین تھے۔ خواص اور عوام کی تمام برائیاں ان کی نگاہ میں تھیں۔ انہوں نے بڑی جسارت اور بڑی دلیری سے سماجی برائیوں کو بے نقاب کیا اور معاشرے کے ہر فرد کے عیوب برملا بتائے۔ عالم، صوفی، سپاہی، مزدور اور سرمایہ دار غرضیکہ ہر طبقہ اور ہر گروہ کے لوگ ان کی جرح و تنقید کے ہدف بنے۔ شاہ ولی اللہؒ نے معاشی بدنظمیوں اور سماجی طبقات پر کڑی تنقید کی اور تمیز بندۂ و آقا کو اسلامی نظام معاشرت کے منافی قرار دیتے ہوئے ایک بار پھر لوگوں کو اسلامی مساوات اور برابری سے روشناس کرایا۔ اس حکیم امت اور مجدد وقت نے اعلان کیا کہ عوام کی بھلائی اس میں ہے کہ تعلیم کو عام رواج دیا جائے اور تعلیم کی بڑی اہمیت یہ ہے کہ وہ انسانوں کے اخلاق بناتی ہے اور زندگی کا زاویۂ نگاہ بلند کرتی ہے۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ تعلیم کا اثر محض موجودہ نسلوں تک ہی محدود نہیں رہتا، بلکہ آئندہ نسلیں بالخصوص

Marfat.com

اور انسانیت بالعموم تعلیم سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

شاہ ولی اللہ کا ایک شاندار کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کو سمجھنے اور اس پر غور و فکر کرنے کو عام رواج دیا۔ آپ نے قرآن حکیم کو جمہور تک پہنچانے کے لیے ان کی زبان یعنی فارسی میں ترجمہ کیا۔ ذرا غور فرمایئے کہ ایک طرف تو اتنا بڑا انقلاب سوچا جا رہا تھا کہ جمہور کو پہلی مرتبہ موقع دیا جائے کہ وہ سوچیں اور غور کریں کہ اس مقدس کتاب میں کیا لکھا ہے اور دوسری طرف علما کا یہ حال تھا کہ وہ آنے والے انقلاب کو خوش آمدید اور مرحبا کی بجائے شاہ ولی اللہ کی جان کے دشمن بن گئے۔ اور اس ترجمے کی وجہ سے عوام کو اتنا بھڑکایا کہ وہ اس عالم ربانی کی جان تک لینے کو تیار ہو گئے۔

شاہ ولی اللہ کی دعوت کے مختلف پہلو ہیں وہ لوگوں میں غور و فکر کی عادت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ مذہب کے بارے میں عوام کو ذمہ دار افراد قرار دے کر انہیں براہ راست قرآن مجید کے نور سے مستنیر ہونے کا موقع دینے کی آرزو رکھتے ہیں۔ معاشرے میں اونچ نیچ اٹھا کر مساوات قائم کرنے کے متمنی ہیں اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ وہ تعلیم کو عام کر کے جہالت کے پردوں کو چاک کر دینے کے لیے بے چین نظر آتے ہیں۔ شاہ صاحب موصوف کی علمی تعلیمی' تصنیفی اور دینی خدمات اتنی گراں قدر ہیں کہ نواب صدیق حسن خان کو یہ کہنا پڑا کہ اگر شاہ ولی اللہ کسی پرانے زمانے میں ہوتے تو امام الائمہ اور تاج مجتہدین کے ناموں سے یاد کیے جاتے۔

تصانیف

ان کی تصانیف علوم اسلامیہ کے تقریباً ہر موضوع (قرآن حدیث' فقہ و اصول' کلام' تصوف' تاریخ' سیرت' اسرار شریعت وغیرہ) پر موجود ہیں۔ مختصر فہرست ذیل میں درج ہے:

علم حدیث: (ا) تفسیر فتح الرحمان بترجمۃ القرآن۔ یعنی قرآن حکیم کا فارسی ترجمہ' اس کے ساتھ ایک جامع مقدمہ ہے جس میں ترجمے کے اصول بیان فرمائے ہیں اور اس کی افادی حیثیت نمایاں کی ہے۔ یہ ترجمہ متعدد بار چھپ چکا ہے۔ بعض طباعتوں میں مقدمہ بھی شامل ہے۔ اس ترجمے سے قرآن مجید کے معانی و حقائق سمجھنے میں بڑی مدد ملی اور اردو تراجم کے لیے یہ ترجمہ اساس و

Marfat.com

بنیاد ٹھیرا۔ علما نے ہر زمانے میں اس سے استفادہ کیا ہے؛ (۲) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (فارسی)، اصول تفسیر میں مختصر، لیکن پر مغز رسالہ ہے۔ اس کا عربی ترجمہ پہلی بار ۱۲۹۵ھ میں قاہرہ سے شائع ہوا۔ حال میں اسے مکتبہ سلفیہ لاہور نے طبع کیا ہے؛ (۳) فتح الخبیر بمالابد من حفظہ فی علم التفسیر (عربی)، الفوزالکبیر کا ایک حصہ، جس کو موضوع کے منفرد ہونے کی وجہ سے الگ نام دے دیا ہے۔ اس میں قرآن مجید کے مشکل الفاظ کی تشریح کی گئی ہے؛ (۴) تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء والرسلین (عربی)، قرآن مجید میں انبیاے کرام کے قصوں پر اچھوتا تبصرہ، لطائف و نکات کے ساتھ اصول شرعیہ کا بیان بھی ہے۔ بعض بڑے قیمتی اور بلند پایہ علمی اور فقہی اشارات بھی ہیں۔ اسے شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد (پاکستان) نے شائع کیا ہے، انگریزی ترجمہ (لاہور ۱۹۷۳ء) از جی این جلبانی؛ (۵) المصفّٰی اور (۶) المسوی (عربی): شاہ صاحبؒ نے موطا امام مالک کے یحیی بن یحیی المصمودی کے نسخے کو از سر نو مرتب کیا۔ بعض جگہ نئے عنوان (ابواب) قائم کیے۔ مناسب ابواب پر موضوع سے متعلق قرآن مجید کی آیات درج کیں۔ متفردات امام مالک کو الگ کیا اور ان کا ترجمہ فارسی میں کرنے کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی میں مفید تشریحی نوٹ لکھے، فارسی میں اس پر ایک جامع مقدمہ لکھا۔ یہ دونوں ایک ساتھ پہلی دفعہ ۱۲۹۳ھ میں مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی کی کوشش سے دھلی میں طبع ہوے اور ۱۳۰۱ھ میں صرف المسوی مع تعریب مقدمہ فارسی از عبدالوھاب دھلوی مطبع سلفیہ مکہ مکرمہ نے شائع کیا۔ شاہ صاحب کے نزدیک موطا علم حدیث کی اصل ہے اور اس کا مطالعہ بڑے فیوض کا حامل ہے، (۷) حجتہ اللہ البالغہ، (عربی)، فقہ، اسرار شریعت اور تصوف کے علاوہ احادیث کے ایک اہم ذخیرے کی علمی و عقلی تشریح، فقہ و حدیث، عقائد و عبادات، معاملات و مناکحات، تدبیر منزل و مملکت، اخلاق و معاشرت اور تمدن و معیشت کے مباحث بھی شامل کتاب ہیں۔ پہلی بار مفتی محمد جمال الدین خان مرحوم مدار المہام ریاست بھوپال کی توجہ و اعانت سے مطبع صدیقی بریلی نے ۱۲۸۶ھ میں طبع کی، پھر پاک و ھند و عرب ممالک میں کئی بار طبع ہوئی۔ اس کے

Marfat.com

متعدد اردو ترجمے بھی چھپ چکے ہیں؛ (۸) شرح تراجم ابواب بخاری (عربی)' امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں احادیث پر جو عنوان قائم کیے ہیں' ان کا حل' اس ضمن میں بہت سے لطائف و اسرار بیان کیے گئے ہیں' اس کے علاوہ دیگر فوائد بھی ہیں۔ پہلی دفعہ ۱۳۲۳ھ میں دائرۃ المعارف حیدر آباد (دکن) سے طبع ہوئی؛ (۹) تراجم بخاری (عربی)' یہ بھی صحیح بخاری ہی کے عنوانوں (ابواب) پر ایک نہایت مختصر تبصرہ ہے جو اصولی طور پر ایسے قواعد کو حاوی ہے' جن سے تراجم بخاری کے حل میں بڑی مدد ملتی ہے؛ (۱۰) الارشاد الی مہمات علم الاسناد (عربی)' جس میں اپنے شیوخ و اساتذہ حجاز کا ذکر کیا ہے۔ محمد عبدہٗ الفلاح کی تصحیح و تعلیقات اور تعارفی مقدمے کے ساتھ ۱۳۷۹ھ-۱۹۶۰ء میں لاہور سے شائع ہوئی؛(۱۱) الاربعین (عربی)' حضرت علیؓ سے ایک ہی سند سے مروی ایسی چالیس حدیثیں جو جوامع الکلم کا مصداق ہیں۔ متعدد اردو ترجموں سمیت کئی بار طبع ہوچکی ہے؛ (۱۲) الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین (عربی) میں رسالہ جو حدیث سے متعلق ہے مسلسلات کے نام سے مشہور ہے' طبع ہوچکا ہے؛ (۱۳) النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر (عربی)' یہ رسالہ مسلسلات کے ساتھ طبع ہوچکا ہے؛ (۱۴) الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین (عربی)' یہ رسالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مبشرات (رویاء) پر مشتمل ہے' جو شاہ ولی اللہ کی ذات یا ان کے بزرگوں سے متعلق ہیں۔ مسلسلات اور النوادر کے ساتھ ۱۹۷۰ء میں سہارنپور (بھارت) سے شائع ہوا۔

اصول فقہ: (۱۵) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (عربی)' یہ رسالہ مصر' بیروت اور پاکستان و بھارت میں طبع ہوچکا ہے۔ اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے' بیروت کا مطبوعہ نسخہ بہترین ہے؛ (۱۶) عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید (عربی)' کئی مرتبہ طبع ہوچکی ہے۔

عقائد و کلام: (۱۷) ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفا (فارسی)' خلفائے راشدین کی خلافت کے اثبات پر مبسوط کتاب ہی۔ ضمناً اسلام کے اصول عمرانی و نظریہ سیاست پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ باریک خط کے چھ سو سے زائد صفحات

بڑی تقطیع پر یہ کتاب بھی پہلی بار بھوپال کے مدار المہام منشی محمد جمال الدین خان مرحوم کی اعانت سے ۱۲۸۶ھ میں بریلی سے پھر ۱۹۷۶ء میں لاہور سے چھپی۔ حجۃ اللہ البالغہ کے بعد یہ دوسرا علمی و تاریخی شاہکار ہے۔ کچھ حصے کا اردو ترجمہ بھی لکھنؤ سے شائع ہوا تھا؛ (۱۸) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (فارسی)' حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے افضل ہونے پر عقلاً و نقلاً بحث کی گئی ہے کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے؛ (۱۹) حسن العقیدہ (عربی) اسلام کے بنیادی عقیدے قرآن و سنت کی روشنی میں اہل السنت کے مسلک کے مطابق بیان کیے گئے ہیں۔ یہ رسالہ طبع ہوچکا ہے؛ (۲۰) تحفۃ الموحدین (فارسی)' عقیدہ توحید کی تشریح کی گئی ہے' متن مع اردو ترجمہ بھی شائع ہوچکا ہے۔

تصوف: (۲۱) الطاف القدس (فارسی)' تصوف کے بنیادی مسائل کی تشریح کی گئی ہے۔ کتاب طبع ہو چکی ہے۔ انگریزی ترجمہ از جی این جلبانی' لنڈن ۱۹۸۲ء؛ (۲۲) ہمعات (فارسی)' تصوف اور اہل تصوف کے کوائف و احوال اور اشغال و اوراد پر اہم اور ضخیم تصنیف جو طبع ہوچکی ہے' لاہور ۱۹۴۴ء؛ (۲۳) سطعات (فارسی)' "دربیان طلسم الٰہی کہ رابطہ است دربیان مجرد محض و عالم شہادت و بعض خواص و آثار آن"۔ اس ۲۴ صفحات کے رسالے میں شاہ ولی اللہؒ نے فلسفیانہ اور متصوفانہ اصطلاحات اور فلسفہ وحدت الوجود کی تعبیرات استعمال کی ہیں۔ مصنف نے "ربط الحادث بالقدیم" کے حصے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس رسالے میں طبی اصطلاحات اور حکمت طبیعیہ کے مباحث بھی شامل کیے گئے ہیں۔ بعض جگہ اپنی ذاتی تحقیق سے فلاسفہ اور متکلمین دونوں سے اختلاف کیا ہے۔ علاوہ ازیں ہدایت الٰہی اور بعثت انبیاء" نیز تجلیات الٰہیہ اور ان کے اقسام و مظاہر کے مضامین بھی زیر بحث آئے ہیں۔ یہ رسالہ بھارت اور پاکستان سے کئی مرتبہ شائع ہوچکا ہے۔ انگریزی ترجمہ از جی' این جلبانی' لاہور ۱۹۷۰ء؛ (۲۴) شرح رباعیتین (فارسی)؛ (۲۵) القول الجمیل فی سواء السبیل (عربی)' مطبوعہ ولی اللہ اکیڈمی' لاہور۔ بیعت' شرائط مرشد و مرید' طریقہ تعلیم و تربیت مرید وغیرہ قسم مباحث کے بعد سلسلہ قادریہ' چشتیہ' نقشبندیہ کے اوراد و

اشغال و مراقبات کا ذکر ہے؛ (۲۶) الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (فارسی) تاریخ سلاسل تصوف مع مختصر تذکرہ تعلیمات۔ ۱۳۱۱ھ میں مطبع احمدی سے اردو ترجمے کے ساتھ شائع ہوئی؛ (۲۷) فیوض الحرمین (عربی)' زمانہ قیام حجاز کے مشاہدات و تجربات نیز علم الکلام اور تصوف کے مباحث پر مشتمل ہے۔ اس لیے زبان و بیان مشکل ہے اور عوام کی سمجھ سے بالاتر۔ اردو ترجمہ از محمد سرور' بعنوان مشاہدات و معارف؛ (۲۸) ہوامع' شرح حزب البحر (فارسی)' مطبوعہ دھلی ۱۳۵۰ھ۔

تصوف و کلام: (۲۹) الخیر الکثیر (عربی)' ۱۳۵۲ء میں پہلی بار مجلس علمی ڈابھیل (سورت) نے شائع کی۔ یہ کتاب فلسفہ' طبیعیات' تصوف اور حکمت الاشراق کی مباحث پر مشتمل ہے۔ اس میں معرفت ذات' اسماے الٰہی کی حقیقت' حقیقت وحی وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے' نیز زمان و مکان' عرش و افلاک' عالم مثال' نبوت اور آخرت وغیرہ کی بحثیں بھی دلچسپ ہیں۔ انگریزی ترجمہ از جی این جلبانی' لاہور ۱۹۷۴ء؛ (۳۰) البدور البازغۃ (عربی) ۱۳۵۴ھ میں پہلی دفعہ مجلس علمی ڈابھیل (سورت) نے شائع کی۔ فلسفہ دینی اور اسرار شریعت کے بیان کے ضمن میں طبیعیات' اخلاقیات اور ارتفاقات کے مباحث بھی شامل کتاب ہیں۔ انگریزی ترجمہ از جے' ایم' ایس بلیان (لائڈن) زیر طبع ہے۔

سیرت و تاریخ: (۳۱) اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم (عربی)' شاہ ولی اللہ کے نعتیہ قصائد کا مجموعہ' جو ۱۳۰۸ھ میں دھلی سے شائع ہوا؛ (۳۲) سرور المحزون فی سیرت النبی المامون (فارسی)' در حقیقت یہ کتاب ابن سید الناس کی نور العیون (سیرت النبی) کا خلاصہ ہے' جو مرزا مظہر جان جاناں کی فرمائش پر تیار کیا اس کے کئی اردو ترجمے شائع ہو چکے ہیں؛ (۳۳) انفاس العارفین' یہ کتاب مندرجہ ذیل رسالوں پر مشتمل ہے: (الف) بوارق الولایہ (فارسی)' آپ کے والد شاہ عبدالرحیم کے سوانح حیات مع احوال و معارف؛ (ب) شوارق المعرفہ' آپ کے چچا شیخ ابوالرضاء محمد کے حالات مع احوال و معارف؛ (ج) الامداد فی ماثر الاجداد (مصنف کے خاندان کے حالات)' (د) النبذۃ الابریزیہ فی

Marfat.com

اللطیفۃ العزیزیہ مصنف کے جد اعلی شیخ عبدالعزیز دھلوی کے حالات؛ (ہ) العطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ' ان کے نانا شیخ محمد پھلتی کے حالات؛ (و) انسان العین فی مشائخ الحرمین' ان شیوخ کا ذکر جن سے شاہ ولی اللہؒ نے حرمین شریفین میں استفادہ کیا؛ (ز) الجزء اللطیف فی ترجمہ العبدالضعیف' شاہ ولی اللہ کے خود نوشت حالات' اس کا عربی ترجمہ مکتبہ سلفیہ لاہور نے شائع کیا ہے' ان میں سے بیشتر رسائل الگ الگ بھی شائع ہو چکے ہیں' انفاس العارفین کا اردو ترجمہ سید محمد فاروق نے لاہور سے شائع کیا۔ اس سے پہلے حافظ محمد بخش دھلوی مصنف حیات ولی نے اس کا ترجمہ شائع کیا تھا۔

متفرقات: (۳۴) التفہیمات الالہیہ (۲ جلدیں)' مصنف کے قلبی واردات اور وجدانی مضامین پر مشتمل ہے۔ زیادہ حصہ عربی میں ہے اور تھوڑا فارسی میں۔ کتاب کا مفید ترین حصہ وہ ہے جس میں مسلمانوں کے مختلف طبقات کو الگ الگ خطاب کیا ہے۔ پہلی دفعہ مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۵ھ میں شائع کی تھی' (۳۵) المقالہ الوضیہ فی النصیحہ والوصیہ' یہ وصیت نامہ التفہیمات (۲: ۲۴۰ تا ۲۴۷) میں بھی شامل ہے؛ (۳۶) رسالہ دانشمندی' طریق تدریس و مطالعہ پر پر مغز مختصر مقالہ' متن مع اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

مکاتیب: ان کے مکاتیب کی تعداد کافی ہے' لیکن سب طبع نہیں ہوئے۔ الگ الگ ناموں سے جو طبع ہوئے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:
(۳۷) مکتوب مدنی (ع)' یہ مکتوب التفہیمات میں بھی ہے (۲: ۲۱۶ تا ۲۳۶)۔ یہی مکتوب بعنوان فیصلہ وحدت الوجود والشہود الگ طبع ہوا ہے؛ (۳۸) مکتوب المعارف؛ (۳۹) مکتوبات مع مناقب امام بخاریؒ و ابن تیمیہؒ (فارسی) مطبوعہ دھلی؛ (۴۰) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات (فارسی)' خلیق احمد نظامی نے شائع کیے ہیں؛ (۴۱) کلمات طیبات میں بھی ان کے چند مکتوب طبع ہوئے ہیں۔

غیر مطبوعہ تصانیف: ذیل میں شاہ صاحب کی چند ایسی کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا ذکر (سوائے اول الذکر کے) شاہ صاحب کے سب سے قدیمی سوانح حیات حیات ولی میں ہے' مگر ان کے مخطوطوں کا پتہ نہیں چل سکا؛ (۴۲) اتحاف

Marfat.com

النبیہ فیمایحتاج الیہ المحدث والفقیہ (حدیث)' اس کتاب میں کتب صحاح ستہ کی سندیں درج کی گئی ہیں۔ ابتدا میں حدیث کی کتابوں کے درجات (طبقات) کی عمدہ تحقیق کی ہے۔ اس کے علاوہ بھی مفید معلومات ہیں؛ (۴۳) شفاء القلوب (تصوف فارسی)؛ (۴۴) زھراوین' سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کی تفسیر؛ (۴۵) المقدمہ النبیہ (عربی) حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ایک رسالے کا عربی ترجمہ جو شاہ ولی اللہ نے اپنے استاد شیخ ابوطاہر مدنی کی فرمائش پر ۱۱۴۴ھ میں کیا تھا' مطبوعہ دھلی؛ (۴۶) لمعات (فارسی)' اس کا موضوع بھی تصوف ہے انگریزی ترجمہ (لاہور ۱۹۷۰ء) از جی' این جلبانی؛ (۴۷) فتح الودود لمعرفۃ الجنود (عربی) اس کا موضوع بھی تصوف و اخلاق ہے؛ (۴۸) عوارف (عربی' تصوف)؛ (۴۹) فیض عام (متفرقات)۔

شاہ صاحب کا تعلیمی نظریہ

شاہ صاحب کی تعلیمی سکیم بذات خود اس درجہ اہم ہے کہ ایک مستقل مقالہ چاہتی ہے' لیکن اس مقالے میں اسے نظرانداز کر دینا بھی قرین دانش نہیں۔ اس سکیم کا اجمالی خاکہ پیش کئے دیتا ہوں تاکہ قارئین حضرات کو ایک گونا اس کا تصور ہو جائے۔

شاہ ولی اللہ کا ذہن بڑا جدت اور جدید قسم کا ہے ہم سے صدیوں پہلے ہونے کے باوجود ان کے نظریئے بالکل آج کل کے نظریوں سے ملتے جلتے ہیں۔ شاہ صاحب نے تعلیمی مسائل کے بارے میں دو مختصر رسالوں میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ "وصیت نامہ" میں تو یہ سکیم پیش کی ہے کہ نصاب تعلیم میں کن کن امور اور ضروریات کو پیش نظر رکھا جائے اور طلبہ کو کیا کچھ اور کتنا کچھ پڑھایا جائے اور "رسالہ دانشمندی" میں اصول تعلیم سے بحث کی ہے۔ وصیت نامہ یہ فرمایا:

طریق تعلیم: علم تجربہ سے ایسا ثابت ہوا ہے کہ پہلے صرف و نحو کے تین تین چار مختصر رسالے' جیسا کہ طالب علم کا ذہن ہو' پڑھائے جائیں' بعد ازاں تاریخ یا حکمت عملی کی کوئی کتاب' جو عربی زبان میں لکھی ہو' اس طرح پڑھائی جائے کہ لغت کے

مطابق اس کے الفاظ وغیرہ کی شکل حل کی جائے۔

پھر جب عربی زبان پر قدرت ہو جائے تو امام مالکؒ کی موطا بروایت یحیٰ بن یحیٰ معصودی پڑھائیں۔ اسے ہرگز نہ چھوڑیں کہ علم حدیث کی اصل وہی ہے۔ اس کے پڑھنے میں بہت فیض ہے اور ہمیں اس کا سماع مسلسل ہے۔ پھر قرآن مجید اس طرح پڑھائیں کہ صرف ترجمہ بغیر تفسیر کے، مگر جہاں باقاعدہ نحو میں اس کا سمجھنا مشکل ہو، وہاں ٹھہر جائیں اور بحث کریں۔ بعد اس کے تفسیر جلالین بقدر درس پڑھا دیں اس طریق میں بہت فیض ہے۔ اس کے بعد ایک وقت میں کتب حدیث پڑھائیں مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ اور کتب فقہ اور عقائد و سلوک اور دوسرے وقت کتب دانشمندی، مثلاً شرح ملا جامی اور قطبی وغیرہ انشاء اللہ اور جو ہو سکے ایک روز قرآن دوسرے روز شرح طیبی اس قدر پڑھیں بہت نفع ہو گا۔

(وصیت نامہ مطبوع مجتبائی دہلی ۱۹۱۸ء)

○○○

Marfat.com

شیخ علی المہائمی: ایک نامور محدّث وفقیہہ

مخدوم شیخ علی بن احمد بن علی المہائمی الہندی آٹھویں صدی ہجری کے آخری ربع اور نویں صدی کے پہلے نصف حصے میں بمبئی کے قرب و جوار میں مسند علم و فضل کی زینت بنے رہے اور علم و معرفت کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر دنیائے علم اور عالم تصوف کو گرماتے اور منور کرتے رہے۔

جس طرح یہ حقیقت ہے کہ مسلمان حکمران کبھی عرب سے آئے اور کبھی عجم سے۔ بالکل اسی طرح ہمارے علمائے کرام و صوفیائے عظام کچھ تو عرب سے آئے اور بیشتر عجمی علاقوں سے تشریف لائے۔ ان سب بزرگان دین کی آمد اور قیام کا مقصد وحید یہ تھا کہ شمع توحید کو فروزاں کر کے ظلمت کدۂ برصغیر کو اسلام و ایمان کی کرنوں سے منور کر دیا جائے۔ چنانچہ اس عظیم مقصد کی خاطر انہوں نے مخالف حالات کا بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا اور اکثر و بیشتر حالات میں سیاسی عدم استحکام سے۔ بے نیاز ہو کر ملکی نظم و نسق کی خرابیوں اور کمزوریوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے مشن کو جاری رکھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے اس برصغیر کی تاریخ ان بزرگوں کی اولوالعزمی' استقلال' بلند ہمتی اور بے مثال لگن سے کس طرح علمی اور نظریاتی دھارے بدلتی رہی۔

انہی بزرگوں میں ایک ہمارے موصوف بھی ہیں۔ مخدوم شیخ علی المہائمی ۷۷۶ھ / ۱۳۷۲ء میں بمبئی کے نواح میں شہر مہائم میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابو الحسن تھی اور لقب علاؤ الدین۔

قدیم تذکرہ نگاروں نے مہائم کو گجرات احمد آباد کی بندرگاہ قرار دیا ہے۔ مخدوم علی المہائمی دکن کے نوایت خاندان کے ممتاز اور نامور فرد تھے۔ اس خاندان کے بارے میں

Marfat.com

مشہور مؤرخ ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ وہ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں مدینہ منورہ سے آکر یہاں ساحل ہند کے ساتھ آباد ہو گیا تھا۔

شیخ المخدوم علی المھائمی کی زندگی میں کئی خاندان اور خانوادے اس برصغیر کے حکمران بنے۔ درحقیقت ان کی زندگی میں سیاسی استحکام کی کمی رہی اور ملکی حالات کوئی زیادہ پرسکون اور پرامن نظر نہیں آتے تھے۔

مخدوم موصوف فیروز شاہ کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے اور اسی کے عہد میں عہد شباب میں قدم رکھا۔ فیروز شاہ تغلق نے بنگال پر دوبارہ فوج کشی کی، مگر مقصود کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ سندھ کے بعض قبائل نے سرکشی اور بغاوت کی تو ان کے خلاف بھی لشکر کشی کرنا پڑی۔ اس تغلق حکمران کے عہد حکومت میں مغربی سرحدوں پر مغول چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔ فیروز شاہ کی انتظامی معاملات میں دلچسپی اور اصلاحات کے باوجود سیاسی استحکام ختم ہوتا چلا گیا اور ملک انتشار کا برابر شکار رہا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ۸۰۱ھ/۱۳۹۸ء میں سلطان تیمور نے حملہ کر دیا۔ تغلقوں کے بعد خاندان سادات حکمران بنا۔ سادات کا عہد حکومت بھی زیادہ تر بغاوتیں فرو کرنے میں گزر گیا۔

ایسے مخدوش اور ناسازگار حالات میں بھی ہمارے اکابر و اسلاف نے اپنے علمی اور تدریسی مشن میں سرمو فرق نہیں آنے دیا اور وہ تصنیف و تالیف اور علم کی نشر و اشاعت میں ہمہ تن مصروف رہے۔

مخدوم شیخ علی المھائمی بڑے متبحر عالم دین، بلند پایہ ادیب، صاحب ذوق و عرفان صوفی اور مایہ ناز مصنف تھے۔ آپ کا ایک خاص اسلوب نگارش ہے جس میں علم و ادب اور سلوک و معرفت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ مخدوم مھائمی کے خیالات پر شیخ محی الدین ابن العربی کے افکار کا بڑا اثر ہے۔ ان کی کئی تصانیف شیخ اکبر اندلسی کے افکار و آثار کی تشریح و توضیح سے متعلق ہیں اور اسی نسبت سے نواب صدیق حسن خان نے اپنی کتاب **الاکسیر فی اصول التفسیر** میں انہیں مثبت توحید وجودی و پیرو شیخ محی الدین ابن العربی کہا ہے اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے انہیں ابن العربی ثانی کا لقب دیا ہے۔

Marfat.com

مخدوم علی المہائمی قرآن مجید کے بلند پایہ عالم اور رموز و اسرار قرآن کے بڑے ماہر تھے۔ آپ نے قرآن مجید کی ایک نہایت عمدہ اور بے مثل تفسیر عربی زبان میں تحریر کی ہے جس کا نام تبصیر الرحمٰن بتیسیر المنان ہے۔ یہ کتاب بھوپال کے وزیر جمال الدین کے حکم سے ۱۲۹۵ھ میں قاہرہ سے دو جلدوں میں شائع ہوئی۔

یہ تفسیر اگرچہ بہت ضخیم نہیں ہے' لیکن معلومات اور معارف و نکات کا بے بہا خزانہ ہے۔ مصنف شان نزول سے بھی بحث کرتا ہے اور قرآن مجید کے قصص پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ حسن ایجاز کے ساتھ قرآنی اعجاز ثابت کیا ہے اور قرآن مجید کے آیات کا باہمی ربط نہایت دلنشین اور دلکش پیرائے میں بیان کیا ہے۔ ہر سورت کے نام کی توجیہ بیان کی ہے۔

اس معجز بیان تفسیر کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں صوفیانہ افکار اور تصوف کے حقائق کی طرف اشارات بکثرت موجود ہیں۔ اس تفسیر کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ ہر سورت سے پہلے جو بسم اللہ زینت عنوان ہے اس کی ہر جگہ الگ الگ تفسیر ایسے اسلوب و انداز میں کی گئی ہے کہ سورت متعلقہ کے مضمون کے ساتھ ایک خاص مناسبت پیدا ہو گئی ہے۔

مختصر یہ کہ قرآن مجید کے لطائف و معارف اور رموز و اسرار کا شوق اور ذوق رکھنے والے حضرات آج بھی اس کے مطالعہ سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور مصنف کے علم و فضل اور اسلوب و انداز کی داد دیتے ہیں۔

(۲) قرآن مجید سے متعلق مہائمی کی دوسری تصنیف ہے: الرسالة فی بیان وجوہ اعراب قوله تعالٰی الم ذٰلک الکتاب لا ریب فیه۔ یہ تصنیف بھی بڑی علمی اور ادبی خوبیوں اور معارف و معلومات کی حامل ہے۔

(۳) آپ کی تیسری کتاب کا عنوان زوارف العطائف فی شرح عوارف المعارف۔ اختصار اور سہولت کی خاطر اس کتاب کو زوارف شرح عوارف بھی کہتے ہیں۔ یہ کتاب شیخ شہاب سہروردی کی شہرۂ آفاق کتاب عوارف المعارف کی شرح ہے۔ برصغیر میں عوارف

Marfat.com

المعارف کی بے شمار شرحیں لکھی گئیں جن میں مخدوم المہائمی کی شرح کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

(۴) شیخ محی الدین ابن عربی کی شہرۂ آفاق کتاب فصوص الحکم اپنے اسلوب اور مطالب کے لحاظ سے مشکل ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ ہر دور کے اھل ذوق علما اور صوفیہ نے اس کی شروح قلمبند کی ہیں اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ ان شروح میں ایک شرح مخدوم علی المہائمی کی شرح بھی ہے۔ جس کا نام مصنف نے خصوص النعم فی شرح فصوص الحکم رکھا ہے۔

(۵) اس طرح شیخ علی المہائمی نے شیخ صدر الدین قونوی کی مشہور کتاب النصوص کی شرح لکھی ہے اور اس کا نام شرع الخصوص الی معانی النصوص رکھا۔

(۶) تصوف کی مشہور کتاب "جام جہاں نما" کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ اور اس کا نام مراۃ الحقائق رکھا۔

(۷) پھر خود ہی اس مراۃ الحقائق کی شرح اراء الدقائق کے نام سے تحریر کی۔

(۸) تصوف کے حقائق و معارف پر بھی چند شاندار کتابیں تصنیف کیں، جن میں النور الازہر فی کشف اسرار القضاء والقدر قابل ذکر ہے،

(۹) الضوء الاظہر فی شرح النور الازہر

(۱۰) اجلۃ التائید فی شرح اداره التوحید

(۱۱) رسالۃ الوجود فی شرح اسماء المعبود

(۱۲) امحاض النصیح

(۱۳) انعام کلمک العلام خاص طور قابل ذکر ہیں۔

(۱۴) فقہ مخدومی: یہ شافعی مسلک کے مطابق عبادات سے متعلق فقہی مسائل پر ایک عمدہ اور مفید چھوٹی سی کتاب ہے۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ اور اس کا اردو میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ تفسیر حقانی کے فاضل مصنف مولانا عبدالحق کی رائے میں عبادات کے بارے میں شافعی مذھب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ عمدہ کتاب ہے۔

Marfat.com

یہ ایسے بزرگ تھے جہاں بیٹھ جاتے تھے اپنی دنیا آباد کر لیتے تھے۔ ان کا ایک ایک لمحہ اصلاح معاشرہ اور خدمت خلق میں گزرتا تھا۔ ان کے شب روز عبادت الٰہی اور اس کے بعد مخلوق خدا کی اصطلاح اور تعلیم و تربیت میں بسر ہوتے تھے۔ علم و فضل کی گراں قدر خدمت کرنے اور تصنیف و تالیف کی بھرپور زندگی گزارنے کے بعد مخدوم شیخ علی بن احمد المہائمی مہائم ہی میں ۸۳۵ھ، ۱۴۳۲ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

○○○

Marfat.com

برصغیر پاک و ہند کی سیاسی اور معاشرتی تاریخ

Marfat.com

برصغیر پاک و ہند میں سرمایۂ علم حدیث

ہمارے قدیم طرز کے عربی دینی مدارس کے نصاب پر ایک نگاہ ڈالیے ـــــ ہر جگہ تھوڑا بہت حصہ حدیث ضرور نظر آتا ہے' لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ علم حدیث کی تعلیم و تدریس کو زیادہ رواج دیا جائے تاکہ ہم عہد نبوی کی ثقافت و دیانت سے زیادہ سے زیادہ روشناس ہو سکیں۔ یہ اہتمام بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے بڑے بڑے شہروں اور علمی مرکزوں مثلاً پشاور' راولپنڈی' لاہور' ملتان' بہاولپور اور کراچی اسی طرح بنگال کے مرکزوں میں حدیث کی تدریس کا خاص اہتمام کیا جائے اور تخصیص کے درجے کھولے جائیں۔ دینی' شرعی' ثقافتی اور تعلیمی فوائد کے علاوہ علم حدیث ہمارے ذہنوں کا زنگ دور کرتا ہے اور قلب و نظر کو جلا بخشے گا۔

۱ ـــ تصانیف فی الحدیث

مشارق الانوار: از امام حسن بن محمد بن حیدر صغانی لاہوری

مصباح الدجیٰ فی حدیث مصطفیٰ: از امام حسن بن محمد بن حیدر صغانی لاہوری

الشمس المنیرة: از امام حسن بن محمد بن حیدر صغانی لاہوری

کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال: از شیخ علاؤ الدین علی بن حسام الدین المتقی الہندی (م ۹۷۵ھ) اس میں مؤلف نے امام سیوطی کی جامع الاصول کی طرز پر احادیث جمع کی ہیں۔

منتخب العمال فی سنن الاقوال: از شیخ علاؤ الدین علی بن حسام الدین المتقی الہندی (م ۹۷۵ھ)

طریق الافادہ شرح سفر السعادة (بالفارسی) از شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔

ماثبت بالسنہ فی ایام السنة (بالعربی) از شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ (یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آداب و اخلاق پر لکھی گئی کتابوں میں سے بہترین کتاب ہے)۔

التقویم فی احادیث النبی الکریم از مولوی سخاوت علی جونپوری (یہ کتاب المنتقیٰ اور بلوغ

المرام کی طرح ہے)۔
العروۃ الوثقٰی لمتبع سنۃ سید الوریٰ از الشیخ عبداللہ صدیقی الہ آبادی (یہ فقہی ابواب پر حدیث کی کتاب ہے)۔
الروض الانضر فی الفقہ الاکبر از الشیخ عبداللہ صدیقی الہ آبادی (یہ کتاب ابواب صلوٰۃ پر صحیح اور موضوع و مستند احادیث کے ذکر و بیان پر مشتمل ہے)۔
خیر المواعظ (فی مجلدین) از شیخ ابو رجاء محمد زمان شاہجہانپوری۔ (یہ کتاب النووی کی ریاض الصالحین کی طرز پر ہے)۔
حاشیہ علی جامع البرکات مختصر از شیخ ابو رجاء محمد زمان شاہجہانپوری
شرح منتقی ابن الجارود از مفتی صبغۃ اللہ بن محمد غوث الشافعی المدراسی
نزل الابرار شرح منتقی الاخبار از نواب صدیق حسن قنوجی (الشوکانی کی نیل الاوطار کی تلخیص ہے)۔
الحطہ بذکر الصحاح الستہ از نواب صدیق حسن خان
انوار المشارق از سید نور الحسن بن صدیق حسن خان (یہ کتاب الصغانی کی مشارق الانوار کا انتخاب ہے اس میں مؤلف نے صرف ان روایات کا ذکر کیا ہے جن پر بخاری و مسلم دونوں کا اتفاق ہے)۔
التعلیق المغنی علی سنن دار قطنی از شمس الحق ڈیانوی
آثار السنن از شیخ ظہیر احسن بن سبحان علی نیموی
التعلیق الاحسن علی آثار السنن از شیخ ظہیر احسن، مذکور۔
تنویر العینین فی اثبات رفع یدین از شاہ اسمٰعیل شہید
قرۃ العین فی اثبات رفع یدین از علامہ ناصر الہ آبادی
عین الوفاء (الشفاء کا فارسی ترجمہ) از شیخ ابو بکر بن محمد بروچی گجراتی
اردو ترجمہ ریاض الصالحین للنووی از مولوی احد الدین بن شرف الدین
اردو ترجمہ المسند للامام ابی حنیفہ از مولوی حبیب الرحمن

Marfat.com

تلخیص الصحاح' اردو ترجمہ تفسیر الوصول از مولوی محی الدین خان دہلوی ثم حیدر آبادی
تلخیص الاخبار (صحاح ستہ کا انتخاب)' از عبدالحی لکھنوی بن فخرالدین
منتہی الافکار شرح تلخیص الاخبار از عبدالحی لکھنوی بن فخرالدین۔
المواھب اللطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ: از شیخ محمد عابد سندی۔

۲ ــــ شروح الموطا الامام مالک

المصفّٰی شرح الموطا: (بالعربی) از شیخ یعقوب ابو یوسف
المحلّی شرح الموطا (بالعربی) از شیخ اسلام اللہ بن شیخ السلام بخاری دہلوی
المسوّیٰ شرح الموطا (موطا کی فارسی شرح) از شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
ہدایۃ السالک الی موطا مالک: از مفتی صبغتہ اللہ بن محمد غوث الشافعی المدراسی
التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد: از مولوی عبدالحی بن الحلیم لکھنوی
کشف المغطا عن شرح الموطا (اردو شرح) از مولوی وحید الزمان حیدر آبادی

۳ ــــ شروح صحیح البخاری

شرح صحیح البخاری: از شیخ امام حسن بن محمد حیدر صغانی لاہوری
فیض الباری شرح صحیح البخاری: از سید عبدالاول بن علی بن العلم الحسینی (م ۹۶۸/ ۱۵۶۰ء)
شرح صحیح بخاری: از شیخ یعقوب بن حسن الصرفی الکشمیری' استاد شیخ مجدد الف ثانی (م ۱۰۰۳ھ)
غایۃ التوضیح للجامع الصحیح: از شیخ عثمان بن عیسیٰ بن ابراہیم سندی برہان پوری
شرح بخاری: از شیخ طاہر بن یوسف سندی برہانپوری (م ۱۰۰۴ھ)(جو العسقلانی کی شرح

بخاری سے ماخوذ ہے)۔

الخیر الجاری شرح صحیح البخاری: از شیخ یعقوب ابو یوسف لاہوری

تیسیر القاری (فارسی): مفتی نور الحق بن عبد الحق محدث دہلوی (چھ جلدیں)

فیض الباری: از شیخ محمد اعظم بن سیف الدین سرہندی

اس کی فارسی شرح: از شیخ الاسلام بن محب اللہ بخاری دہلوی

نور القاری (شرح البخاری): از شیخ نور الدین بن محمد صالح گجراتی

حل تراجم الابواب: از شیخ ولی اللہ دہلوی

عون الباری فی حل ادلۃ البخاری: از سید صدیق حسن خان نواب (یہ شیخ حسین بن مبارک الخیر بیدی کی التجرید الصریح کی شرح ہے)۔

تحصیل القاری: از مولوی وحید الزمان

فیض الباری (اردو): از شیخ فضل احمد انصاری

منح الباری (شرح فارسی) شیخ محمد احسن بن محمد صدیق پشاوری

الفیض الطاری شرح صحیح البخاری شیخ جعفر بن محمد گجراتی
(عربی، دو جلدیں)

۴ —— شروح صحیح مسلم

المعلم شرح صحیح مسلم: از شیخ یعقوب ابو یوسف البنانی لاہوری

المعلم الثجاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج: از مفتی ولی اللہ بن احمد علی فرخ آبادی

فارسی شرح مسلم: از شیخ فخر الدین بن محب اللہ دہلوی

فارسی شرح مسلم: از شیخ سراج احمد سرہندی

شرح مسلم: از مفتی صبغۃ اللہ بن محمد غوث شافعی مدراسی

السراج الوہاج من کشف مطالب مسلم بن الحجاج: از نواب صدیق حسن خان

Marfat.com

المعلم (اردو شرح): از مولوی وحید الزمان
شرح صحیح مسلم: از مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم

۵ — شرح جامع الترمذی

عربی شرح جامع ترمذی: از شیخ طیب بن الطیب سندی (م ۹۹۰ھ)
فارسی شرح جامع ترمذی: از شیخ سراج احمد سرہندی
شرح القول جامع ترمذی: از مفتی صبغۃ اللہ بن محمد غوث مدارسی شافعی
جائزۃ الشعوذی: از مولوی بدیع الزمان لکھنوی حیدر آبادی۔
شرح اردو جامع ترمذی: از مولوی فضل احمد انصاری
العرف الشذی فی شرح الترمذی تعلیق املائی: از مولانا سید انور شاہ مرحوم
تحفۃ الاحوذی: مولانا عبدالرحمن مبارکپوری مرحوم (مع مقدمہ ایک جلد)
الکواکب الدری تعلیقات علی الترمذی، از مولانا رشید احمد گنگوہی۔

۶ — شروح السنن لابی داؤد

غایۃ المقصود شرح کبیر: از مولوی شمس الحق ڈیانوی (غیر مکمل)
عون المعبود (اربع مجلدات): از مولوی شمس الحق ڈیانوی
التعلیق المحمود: از مولوی فخر الحسن گنگوہیؒ
الہدی المحمود (اردو) مولوی وحید الزمان لکھنوی
فتح الودود: از ابو الحسن السندی
بذل المجہود فی شرح ابی داؤد: از مولانا خلیل احمد سہارنپوری

Marfat.com

۷ —— شروح نسائی

تعلیقات علی السنن النسائی: از مولوی وصی احمد الحنفی کانپوری

روض العربی (اردو): از مولوی وحید الزمان لکھنوی

حاشیہ از مولوی عطاء اللہ حنیف

۸ —— شروح السنن لابن ماجہ

فارسی شرح از شیخ سراج احمد العمری سرہندی

انجاح الحاجہ (عربی شرح) از شیخ عبدالغنی بن ابی سعید العمری دہلوی

رفع الحاجہ (اردو) از مولوی وحید الزمان لکھنوی

مفتاح الحاجہ (عربی) از مولوی محمد عبداللہ العلوی

۹ —— شروح مشارق الانوار

شرح (صوفیانہ): از محمد بن یوسف حسینی دہلوی مدفون گلبرگہ

شرح از شیخ منور بن عبدالمجید لاہوری

فارسی شرح از سید احمد بن محمد حسینی الغریضی الکروی المشہور بہ محی الدین احمد

تحفۃ الاخیار (شرح اردو): از مولوی خرم علی بلہوری

۱۰ —— شروح مشکوۃ المصابیح

شرح بسیط: از شیخ عبدالعزیز الکلاتی السرہندی

شرح شیخ محمد سعید بن احمد العمری السرہندی

ذریعۃ النجاۃ شرح المشکوۃ: از شیخ عبدالنبی بن عبداللہ شطاری گجراتی

زینۃ النکات شرح المشکوۃ: از سید محمد بن جعفر الحسینی گجراتی

Marfat.com

شرح: از شیخ طیب بن ابی طیب سندی برہانپوری
شرح فارسی (چار جلدیں) از بعض علماے گجرات (شوال ۹۹۳ھ)
لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ: از شیخ عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی
اشعۃ اللمعات (شرح فارسی)
جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ
نجوم المشکوٰۃ (عربی): از شیخ محمد صدیق (ایک جلد)
شرح المشکوٰۃ: از شیخ محمد نعیم بن محمد فائض جونپوری
مظاہر الحق (اردو): از مولوی قطب الدین دہلوی
طریقۃ النجاۃ فی ترجمتہا لصحاح من المشکوٰۃ: از مولوی ابراہیم بن عبدالعلی آروی
شرح مشکوٰۃ: از مولانا محمد ادریس کاندھلوی
مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: از مولوی عبدالسلام مبارکپوری، ۳ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، پہلی جلد ۱۹۶۱ء لاہور مکتبہ سلفیہ

۱۱ — شروح شمائل ترمذی

الشمائل ترمذی کی عربی، فارسی اور اردو میں بہت سی شروح لکھی گئیں۔

۱۲ — شروح بلوغ المرام لابن حجر العسقلانی

مسک الختام شرح بلوغ المرام (فارسی): از نواب صدیق حسن خان
فتح العلوم (شرح عربی): از نواب صدیق حسن خان۔
شرح بلوغ المرام شیخ محمد عابد السندی، نیز بہت سے اردو تراجم کئی مرتبہ طبع ہو چکے ہیں۔
ریاض الصالحین للنووی کے کئی اردو تراجم اور حواشی طبع ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

اسی طرح اربعین للنووی کی بھی کئی شرحیں لکھی گئیں۔
غنیتہ الطالبین کی شروح بھی قلمبند کی گئیں۔ ملا عبدالحکم سیالکوٹی نے بھی ایک فارسی میں ترجمہ کیا۔
کتاب الآثار للامام محمد کی شرح اور حاشیے بھی لکھے گئے۔

۱۳ــــ غریب الحدیث

مجمع بحار الانوار شیخ محمد بن طاہر بن علی پٹنی گجراتی (یہ بڑی مفید اور مقبول کتاب ہے)۔

۱۴ــــ موضوعات

موضوعات پر دو رسالے شیخ حسن بن محمد حیدر صغانی لاہوری نے لکھے' اس کے علاوہ تذکرۃ الموضوعات: از شیخ محمد بن طاہری بن علی پٹنی (شوکانی اور علی قاری کی کتابوں سے زیادہ ضخیم ہے۔)
تنکرہ الاصفیاء بتصفیۃ الاحیاء: از شیخ عبدالحق بن فضل اللہ نیو تنی
تمییز الطیب من الخبیث مما تدور علی السنۃ الناس من الحدیث
السخاوی کی المقاصد الحسنہ کا خلاصہ
الآثار المرفوعہ فی الاحادیث الموضوعہ: از مولوی عبدالحق بن عبدالحلیم انصاری لکھنوی
الھدیۃ الشاجانۃ (عربی) شیخ شمس الدین بن قاضی بشیرالدین عثمانی قنوجی

۱۵ ــــ تخریج احادیث

تخریج پر بھی برصغیر میں کافی کام کیا گیا ہے اور کئی کتابیں لکھی گئیں مثلاً:

شرح نخبۃ الفکر کی حسب ذیل شروح لکھی گئیں۔
شرح شیخ وحید الدین علوی گجراتی۔
امعان النظر فی توضیح نخبۃ الفکر از شیخ محمد اکرم بن عبدالرحمٰن السندی
شرح از شیخ عبدالنبی بن عبداللہ شطاری گجراتی
شرح از مفتی عبداللہ بن صابر علی طوکی
(ٹونکی)
شرح فارسی مولوی محمد حسین اسرائیلی ہزاروی

۱۶ — اصول حدیث

المنہج از شیخ نظام الدین سیف الدین علوی کاکوری
مختصر (عربی) از شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلوی
مختصر از شیخ سلام اللہ بن شیخ الاسلام دہلوی
بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب از سید مرتضیٰ بن محمد حسین زبیدی
عجالۃ النافعہ (فارسی) از شیخ عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلوی
منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول (فارسی) از نواب صدیق حسن خان
عمدۃ الاصول فی احادیث الرسول از شیخ محمد شاہ دہلوی
ظفر الامانی شرح مختصر الجرجانی از شیخ عبدالحی بن عبدالعلیم حانی لکھنوی
الرفع و تکمیل فی الجرح والتعدیل از مولوی عبدالحی
استجلاء البصر ممن شرح شیخ عبدالعزیز بن عبدالسلام نخبۃ الفکر (اردو)

Marfat.com

۱۷ ــــ اسماء الرجال

المغنی از شیخ محمد بن طاہر پٹنی گجراتی

الاکمال فی اسماء الرجال از شیخ عبدالحق محدث دہلوی (مشکاۃ المصابیح کے اسماء رجال ورواۃ پر مبسوط کتاب ہے)۔

کتاب فی رجال صحیح مسلم از شیخ عبداللہ بن عبدالقادر الشافعی المدراسی

اکمل الوسائل فی رجال الشمائل از شیخ عبدالوہاب بن محمد غوث

کشف الاحوال عن نقد الرجال فی اسماء الضعفاء از شیخ عبدالوہاب بن محمد غوث

التقعیب حاشیۃ التقریب التہذیب از سید امیر علی لکھنوی

فہرس الاسماء المبہمۃ از شیخ احمد بن صبغۃ اللہ مدراسی

فہرس الاسماء المتشابہۃ از شیخ احمد بن صبغۃ اللہ مدراسی۔

القول المسدد فی رواۃ موطا الامام محمد از شیخ ادریس بن عبدالعلی نگرامی

ترجمۃ رجال الشمائل از سید امیر علی لکھنوی

تلخیص شرح اسماء الرجال: از شیخ طاہر بن یوسف سندی برہانپوری (م ۱۰۰۴ھ)

البخاری للکرمانی

کتاب اسماء الرجال البخاری از عبدالمطیع الحضرمی بن الحسن (۹۰۵ـ۹۸۹ء)

۱۸ ــــ فی الاسانید

رسالۃ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی

الارشاد فی مہمات الاسناد: از قاضی ارتضیٰ علی خان

مدراج الاسناد از قاضی ارتضیٰ علی خان

الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی از شیخ محسن بن یحییٰ ترہٹی

سلسلۃ العسجد (فارسی) نواب صدیق حسن خان

○○○

Marfat.com

برِّصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ حدیث

ہمارے حالات اور ہماری ضروریات کے پیش نظر علم حدیث کی نشرو اشاعت اور ترویج و خدمت کے تین اہم ذرائع ہیں:

(۱) درس و تدریس؛ (۲) تالیف و تصنیف و ترجمہ اور (۳) طباعت و اشاعت۔

برصغیر پاک و ہند میں ان تینوں طریقوں پر ایک مدت سے کام ہو رہا ہے۔

حدیث و سنت کی شرعی، دینی، علمی، ثقافتی اور تاریخی اہمیت اہل علم اور اصحاب بصیرت کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے۔ انہی وجوہ و اسباب کی بنا پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی سنت اور حدیث کی اشاعت و ترویج بدرجہ غایت محبوب و منظور تھی اور یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا **ترکت فیکم امرین: کتاب اللّٰہ و سنتی' لن تضلوا ما تمسکتم بھما** (میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی سنت' جب تک تم ان دونوں سے وابستگی رکھو گے' گمراہ نہ ہونے پاؤ گے)۔ ایک موقع پر یوں ارشاد فرمایا: **نضّر اللّٰہ وجہ امرء من سمع و وعا وبلغ** (اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو رونق و تابندگی عطا فرمائے۔ جس نے میری حدیث سنی اور یاد رکھی' پھر دوسروں تک پہنچائی) یہاں بھی سماعت و روایت حدیث کے سلسلے کو قائم کرنے اور جاری رکھنے والوں کے لئے دعا فرمائی گئی ہے۔ اس ضمن میں بعض دیگر روایات میں حزم و احتیاط کی تلقین فرماتے ہوئے مفتری اور کذاب کو عواقب سے خبردار کر دیا اور بتا دیا کہ روایت حدیث میں کذب بیانی اور افترا کی سزا دوزخ ہے۔

اسی مقدس مقصد کے پیش نظر کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو قلمبند کر کے محفوظ کر لیا کرتے تھے۔ اس نظریے کو سامنے

Marfat.com

رکھتے ہوئے صحابہ کرام کے بعد تابعین، تبع تابعین اور پھر بعد میں آنے والے ہر دور میں اہل علم و فضل نے احادیث کو اپنے اپنے حسن انتخاب اور ذوق نظر کو ملحوظ رکھ کر کتب احادیث کی تالیف و تدوین کی۔

جب کسی علم و فن کی نشر و اشاعت کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے تو اللہ غیب سے اس کے لیے سامان بھی مہیا کر دیتا ہے۔ مشیت الٰہی نے جب اس سرزمین کو خدمت حدیث اور اشاعت سنت کے لیے پسند فرمایا۔ تو ابتداءً ہی اس کے لئے مناسب و موزوں انتظام بھی فرما دیا۔ عہد خلافت راشدہ میں مسلمانوں نے اپنے قدم اس برصغیر کی سرزمین میں رکھے۔ حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کا ایک فوجی دستہ بمبئی کے ساحلی علاقے تھانہ میں پہنچا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک وفد سندھ کے کوائف و حالات معلوم کرنے کے لیے یہاں آیا۔ بعد میں مسلمان برابر اس برصغیر میں آتے جاتے رہے۔ رجال کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر قائدین لشکر، سپہ سالار اور ان کے کئی فوجی سپاہی رواۃ حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔ جب خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں محمد بن قاسم نے بلاد سندھ کی فتح کو ایک حد تک پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا تو ان کے ہمراہ اور بہت سے اتباع التابعین برصغیر، بالخصوص سندھ میں داخل ہوئے۔ بعد میں بہت سے اور حضرات بعض سیاسی اور دینی وجوہ کی بنا پر اس ملک میں آبسے اور اپنے ساتھ علم حدیث بھی سرزمین سندھ میں لائے۔

ان میں سے بعض نے تو حفظ و روایت میں شہرت پائی اور بعض نے تصنیف و تالیف میں نام پیدا کیا۔ اس مقدس گروہ کے نامور بزرگوں میں موسیٰ بن یعقوب الثقفیؒ، یزید بن ابی کبشہ بن المہلبؒ، ابو موسیٰؒ اسرائیل بن موسیٰ البصری، عمرو بن مسلم الباہلیؒ، منصور بن حاتم نحویؒ، ابراہیم بن محمد دیبلیؒ، احمد بن عبداللہ دیبلی، ابو العباس بن محمد المنصوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخر الذکر بزرگ منصورہ کے قاضی، مقتدر عالم دین اور صاحب تصنیف و تالیف بزرگ تھے اور بقول بعض تمسک بالحدیث اور عمل بالسنت کے باعث لوگ انہیں امام داؤد بن علی ظاہری کے مسلک فکر کا پیرو کار تصور کرتے تھے۔

Marfat.com

امتداد زمانہ سے حدیث کے چرچے کم ہو گئے۔ کتاب و سنت کے تبحر علما شاذ شاذ نظر آنے لگے۔ حدیث و سنت کے طلبہ کی تعداد بہت قلیل ہو گئی۔ سلاطین غزنویہ اور شاہان غوریہ کے عہد حکومت میں دیگر علوم نے زیادہ رواج پایا۔ طلبہ حدیث کا ذوق کم سے کم تر ہوتا چلا گیا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ لے دے کر صغانی کی مشارق الانور علمائے حدیث کا سرمایہ علم ٹھہری اور اگر کسی نے بڑی ہمت کی اور البغوی کی مصابیح السنة یا ولی الدین کی مشکوٰۃ المصابیح تک رسائی حاصل کر لی تو اس نے سمجھا کہ اسے محدث کا درجہ مل گیا ہے۔ اسی انداز فکر اور طریق عمل سے علم حدیث سے وابستگی کم ہو گئی۔ کتب صحاح ایسے اہم مصادر حدیث سے واقفیت نہ رہی۔ پھر یہ دور بھی آیا کہ مشکوٰۃ پڑھنے والے بھی اسے بطور تبرک پڑھتے۔ فہم و عمل کا جذبہ سرد پڑ گیا۔

جب علمائے کرام کی توجہ کتاب و سنت سے ہٹ کر دوسرے علوم کی طرف ہو گئی تو کتب حدیث کی جگہ کتب فقہ نے لے لی اور وہ بھی علمی اور اجتہادی انداز میں نہیں بلکہ تقلیدی اور تدریسی انداز میں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس برصغیر میں قرآن و حدیث کی بجائے کتب فتاوی پر اعتماد و انحصار ہونے لگا۔

بایں ہمہ سرزمین پنجاب میں شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ (م ۶۶۶ھ) اور ان کے جانشین شیخ جمال الدین محدثؒ اور شیخ رکن الدین بن شیخ صدر الدینؒ ملتان میں اور سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ (م ۷۸۵ھ) اچ میں حدیث و سنت کی شمعیں جلائے نظر آتے ہیں۔ ان بزرگوں نے اپنے اپنے حلقوں میں درس حدیث کو جاری رکھ کر سنت نبوی اور درس و تدریس حدیث کو زندہ رکھنے کی بڑی کوشش کی۔ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ نے مسنون دعاؤں کا ایک مجموعہ تالیف فرما کر ادعیہ ماثورہ کو رواج دیا۔

ان کی مساعی کے باوجود علم حدیث سے سرد مہری اور بے توجہی کی عام حالت نویں صدی ہجری کے آخر تک رہی۔ پھر اللہ تعالی نے حالات سازگار بنا دیے۔ کئی بزرگان دین حدیث و سنت کی شمعیں روشن کرنے کے لئے اس برصغیر میں تشریف لائے' لیکن انہوں نے احمد آباد کے علاقے کو اپنی مساعی کا مرکز بنایا۔

Marfat.com

ان بزرگوں میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

شیخ عبدالمعطی بن حسن بن عبداللہ باکثیرؒ (المتوفی با حمد آباد ۹۸۹ھ)' شیخ احمد بن بدر الدین المصریؒ (متوفی با حمد آباد' ۹۹۲ھ)' شیخ محمد بن احمد بن علی الفاکھی حنبلیؒ (متوفی باحمد آباد ۹۹۴ھ)' شیخ محمد بن عبدالرحمن المالکی المصری (متوفی با حمد آباد ۹۱۹ھ)' شیخ رفیع الدین چشتی شیرازی (متوفی با کبر آباد ۹۵۴ھ)' خواجہ میر کلاں ہروی (متوفی با کبر آباد ۹۸۱ھ)۔

بعض علمائے کرام نے حرمین شریفین جا کر علم حدیث حاصل کیا۔ پھر وطن واپس آکر اس مقدس علم کی نشرو اشاعت اور تعلیم و تدریس میں سرگرم رہے' مثلاً شیخ عبداللہ بن سعد اللہ سندیؒ اور شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ بن ابراہیم سندی نے حجاز جا کر تحصیل علم حدیث کیا۔ واپسی پر درس و تدریس میں مشغول ہوئے اور گجرات کاٹھیا واڑ کے علاقے میں مدت العمر درس حدیث کے بعد پھر حجاز کو ہجرت فرمائی۔ اس طرح شیخ یعقوب بن حسنؒ (م ۱۰۰۳ھ) کشمیر' شیخ جوہر کشمیریؒ (م ۱۰۲۶ھ)' شیخ عبداللہ بن شمس الدین سلطانپوری' شیخ قطب الدین عباسی گجراتیؒ' شیخ محمد بن طاہر پٹنیؒ اور سید عبدالاول بن الحسینیؒ اس بابرکت گروہ کے اکابر میں شمار ہوتے ہیں۔

شیخ محمد بن طاہر پٹنیؒ (م ۹۸۶ھ) بڑے بالغ نظر عالم اور فنون حدیث میں یگانۂ روزگار عالم تھے۔ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے سلسلے میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ غریب الحدیث میں مجمع البحار' اسماء الرجال میں المغنی اور موضوعات میں تذکرہ تصنیف فرمایا۔ ان کی ان تھک کوششوں سے علم حدیث کا پھر رواج ہوا اور علما نے اس اہم مصدر شریعت کی جانب پھر سے توجہ فرمائی۔

شیخ علی گجراتی (م ۹۷۵ھ) نے بھی قابل قدر اور لائق تحسین خدمات سرانجام دیں' لیکن ملک کے سیاسی حالات کے پیش نظر وہ حجاز میں جا بیٹھے اور وہیں خدمت حدیث میں مصروف رہے۔ آپ کی یادگار تالیف کنزالعمال ہے۔

اس طرح شیخ عبدالاول بن علی بن علاء الدین الحسینی (م ۹۶۸ھ) نے اپنے دادا شیخ

Marfat.com

علاء الدین ایسے فضیلت مآب محدث سے علم حدیث پڑھا اور پھر درس و تدریس کے ذریعے اس بابرکت علم کو رواج دیا۔ فیض الباری شرح صحیح البخاری اپنی یادگار چھوڑی۔ ان کے نامور تلامذہ میں شیخ طاہر بن یوسف سندیؒ (م ۱۰۰۴ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جنھوں نے برہان پور میں مدت العمر درس حدیث دیا اور علما کی کثیر تعداد نے ان سے استفادہ کیا۔

پھر شیخ عبدالحق سیف البخاری دھلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) کا دور شروع ہوا۔ انہوں نے دھلی میں مدت العمر درس حدیث دیا۔ تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کے ذریعے نشر و اشاعت حدیث کے سلسلے میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔

شیخ نور الحق (بن شیخ عبدالحق محدث دھلوی' م ۱۰۷۳ھ) شیخ الاسلام شارح بخاری اور شیخ سلام اللہ صاحب المحلی والکمالین نے بھی خدمات حدیث انجام دیں۔

شیخ احمد بن عبدالاحد سرھندی المعروف بہ شیخ مجدد الف ثانیؒ امام طریقہ مجددیہ بڑی گرانقدر شخصیت ہیں' بالخصوص ان کی اولاد میں فرخ شاہؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھیں ستر ہزار احادیث متن و اسناد جرح و تعدیل کے ساتھ حفظ تھیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے شیخ سراج الدین احمد سرہندی ثم رامپوری نے جامع الترمذی کی شرح لکھی۔ اسی طرح شیخ محمد اعظم بن سیف الدین معصومی سرہندیؒ نے صحیح بخاری کی شرح قلمبند کی۔

اس برصغیر میں اشاعت حدیث کے سربراہوں میں شیخ محمد افضل سیالکوٹیؒ بھی قابل ذکر ہیں' جو شیخ عبدالاحد بن محمد سعید سرہندی کے جلیل القدر رفقا اور تلامذہ میں سے تھے۔ ان سے حدیث پڑھنے کے بعد حجاز جا کر شیخ سالم بن عبداللہ البصری المکیؒ سے تحصیل حدیث کی اور وطن واپس آ کر دھلی میں اقامت اختیار کی اور تدریس حدیث کے لیے زندگی وقف کر دی۔

شیخ صفت اللہ رضوی خیر آبادیؒ نے حجاز پہنچ کر شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنیؒ سے علم حدیث حاصل کیا اور وطن واپس آ کر خیر آباد میں تدریس حدیث کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔ شیخ محمد فاخر بن یحییٰ العباس الہ آبادیؒ نے شیخ محمد حیات سندیؒ

المدنی سے علم حدیث حاصل کیا اور اس مقدس علم کی نشر و اشاعت کے لیے کمربستہ ہو کر معروف عمل ہو گئے۔

شیخ خیر الدین سورتی نے بھی شیخ محمد حیات سندیؒ کے سامنے زانوئے تلمذتہہ کیا اور تحصیل حدیث کے بعد اپنے شہر سورت میں برابر پچاس برس درس حدیث دیا۔ کثیر التعداد علما نے فیض پایا۔

پھر طائفہ اہل حدیث کے سرخیل اور برصغیر پاک و ہند کے محدثین کے زعیم' حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری دھلویؒ کا دور شروع ہوا۔ شاہ صاحب موصوف نے حجاز پہنچ کر استاذ الاساتذہ اور شیخ الشیوخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنیؒ اور دیگر ائمہ حدیث سے علم حدیث حاصل کیا۔ وطن واپس آکر دھلی میں مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے اور علم حدیث کی نشرو اشاعت میں شب و روز کوشاں رہے۔ درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کے ذریعے بھی خدمات حدیث بجالائے اور کتاب و سنت کے نور کو عام کیا او قرآن و حدیث کی روشنی میں فقہی امور میں تطبیق پیدا کی اور آج کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرچے انہی کے دم قدم کا نتیجہ ہیں۔ شاہ صاحبؒ کی اولاد میں سے شاہ عبدالعزیزؒ' شاہ عبدالقادرؒ' شاہ رفیع الدینؒ اور ان کے پوتے شاہ اسمٰعیلؒ نے علم حدیث کے پرچم کو چار دانگ ملک میں لہرایا اور سربلند کیا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نامور شاگردوں میں سے قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کو علم حدیث میں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ انہیں "بیہقی وقت" کہا کرتے تھے۔ انہوں نے علم حدیث کے موضوع پر متعدد کتابیں اور رسائل تصنیف کیے' جن میں تفسیر مظہری اور حدیث مظہری سب سے نمایاں ہیں۔

شاہ محمد اسحاق بن محمد افضل العمری سبط عبدالعزیز نے اپنے نانا شاہ عبدالعزیز سے علم حدیث حاصل کیا۔ درس و تدریس کے ذریعے خدمت حدیث کی اور کثیر التعداد علمانے موصوف سے استفادہ کیا۔ اپنے زمانے میں استاد شیوخ حدیث کہلائے۔

شیخ عبدالحق بن فضل اللہ عثمانی (م ۱۲۷۶ھ) نے دھلی میں خاندان ولی اللہ کے

Marfat.com

علاوہ صنعاء یمن میں جاکر سندلی' شوکانی اور عبداللہ اسماعیل الامیر سے علم حدیث حاصل کیا اور وطن واپس آکر درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔

شیخ عبدالغنی بن ابی سعید دھلوی مہاجر مدینہ منورہ (م۱۲۹۶ھ) نے شیخ اسحاق سے تحصیل علم کے بعد حجاز جاکر شیخ عابد سندی اور دیگر علما حدیث سے علم حدیث پڑھا اور واپسی پر تدریس حدیث کے لئے ہمہ تن معروف ہو گئے اور سنن ابن ماجہ کی تعلیقات قلمبند کیں۔

مفتی عبدالقیوم بن عبدالحی صدیقی برھانوی(م ۱۲۹۹ھ) نے شاہ محمد اسحٰق سے تحصیل علم حدیث کی اور تدریس کے ذریعے نشرو اشاعت میں معروف رہے۔

مولانا احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ) نے شیخ وجیہ الدین سہارنپوری اور شاہ اسحٰق سے علم حدیث پڑھا اور درس و تدریس میں مشغول رہے۔ کتب حدیث بالخصوص صحیح بخاری کی صحت کا اہتمام کیا اور اس پر بڑا مفید حاشیہ لکھا۔

قاری عبدالرحمٰن بن محمد انصاری پانی پتی (م ۱۳۱۴ھ) نے شیخ اسحاق موصوف سے اخذ علم کیا۔ مدت العمران کی صحبت میں رہے۔ درس و تدریس کے ذریعے حدیث کی بڑی خدمت کی۔

سید عالم علی نگینوی (م ۱۲۹۵ھ) بھی شاہ محمد اسحٰق کے شاگرد تھے۔ مراد آباد میں مدت العمر درس حدیث دیتے رہے۔

سید نذیر حسین دھلوی (م ۱۳۲۰ھ) المعروف بہ حضرت میاں صاحب سے عرب و عجم نے حدیث سیکھی۔ اور اپنے عہد میں اقلیم حدیث کے تاجدار ٹھہرے۔

سید حسن شاہ رامپوری (م ۱۳۱۲ھ) نے سید عالم علی سے تحصیل حدیث کی اور رامپور میں درس دیتے رہے۔ کثیر التعداد علما نے استفادہ کیا۔

مولانا قاضی محمد بن عبدالعزیز جعفری مچھلی شہری (م ۱۳۲۰ھ) نے مولانا عبدالغنی بن ابی سعید دھلویؒ سے اور شیخ عبدالحق بن فضل اللہؒ اور دیگر ائمہ حدیث سے تحصیل علم کیا اور خلق کثیر نے ان سے استفادہ کیا۔

مولانا شیخ رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) شیخ عبدالحقؒ مذکور سے اخذ علم کے بعد تیں سال تک درس و تدریس میں مصروف رہے۔ وہ صحاح ستہ کو ایک سال میں ختم کراتے تھے۔ تدبر و اتقان اور ضبط و تحقیق میں ان کا درس بے نظیر ہوتا تھا۔ (دارالعلوم دیوبند اس کی ہزاروں شاخوں کے ذریعے مولانا گنگوہی کا فیضان حدیث آج بھی جاری و ساری ہے)۔

سید نواب صدیق حسن خان حسینی بخاری قنوجیؒ (م ۱۳۱۷ھ) نے تصنیف و تالیف کے ذریعے علم و حدیث کو عام کیا۔ انہوں نے کتب حدیث کو نشر کرنے میں بے مثال خدمات انجام دیں۔ فتح الباری' نیل الاوطار اور بہت سی دیگر کتب حدیث شائع کیں۔ نواب صاحب مرحوم کے احسانات سے امت عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔

مولانا شمس الحق بن امیر علی ڈیانویؒ شاگرد حضرت میاں صاحب نے عون المعبود شرح سنن ابی داؤد التعلیق' المغنی علی سنن الدار قطنیؒ اور دیگر کتب کے ذریعے اشاعت حدیث میں بڑا حصہ لیا۔

مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادیؒ (م ۱۳۳۴ھ) شاگرد حضرت میاں صاحب وزیر آباد میں مدت العمر درس حدیث دیتے رہے۔ اور بے شمار علما نے فیض پایا۔

مولانا سید امیر حسین سسوانیؒ (م ۱۲۹۱ھ)' حافظ عبداللہ غازی پوریؒ (۱۳۳۷ھ) شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندیؒ (م ۱۳۳۹ھ)' علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ' مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ' حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ مصنف بذل المجہود شرح ابی داؤد علمبرداران سنت و حدیث کے نامور قافلہ سالاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ دراصل چودھویں صدی ہجری کے علمائے حدیث کی خدمات بھی بڑی گرانقدر اور تفصیلات کی محتاج ہیں اسے کسی دوسری فرصت پر اٹھار کھا جاتا ہے۔

OOO

Marfat.com

برصغیر پاک و ہند میں ۱۸۵۸ء سے ۱۹۷۲ء تک کا دورِ علمی و فکری سرگرمیاں

برصغیر میں ملت اسلامیہ کے زوال و انحطاط کا آغاز تو ۱۷۰۷ء ہی سے ہو چکا تھا' لیکن جس طرح ایک پختہ عمارت کے گرنے میں وقت لگتا ہے اسی طرح پاک و ہند کے اسلامی معاشرے کی عظیم الشان عمارت بھی یکے بعد دیگرے مختلف رخنوں کے باعث آہستہ آہستہ گرتی رہی۔ پہلے اخلاقی اور معاشرتی برائیوں نے جنم لیا' عیش پرستی و تن آسانی کی رغبت عام ہوئی' پھر تفرقہ بازی' منافرت اور منافقت پیدا ہوئی اور بالآخر مسلمانوں کا سیاسی زوال شروع ہو گیا۔ مغلوں کی عظیم سلطنت کے ساتھ اسلامی ہند کا مسلم معاشرہ بھی خلفشار و انتشار کا شکار ہو گیا اور ہر دن پستی کا سامان لے کر نمودار ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی دور رس نگاہ نے آنے والے خطرات کو بھانپ کر ملت کے تمام ذمہ دار اور بیرون ہند اسلامی عناصر کو ان سے خبردار کر دیا تھا' مگر وہ پوری طرح سنبھل نہ سکے۔ شاہ صاحب کے ایما پر احمد شاہ ابدالی نے مسلمانوں کے خلاف سرکشی اور بغاوت کرنے والی طاغوتی طاقتوں کو پانی پت کے میدان میں خوب مزہ چکھایا' مگر اپنوں کی کوتاہ اندیشی سے مدت کی ڈگمگاتی ہوئی سیاسی کشتی بھنور سے نہ نکل سکی اور ۱۷۹۹ء میں سکھوں نے پنجاب پر قبضہ کی جو کوشش کی تھی اس میں کامیابی کے بعد انہوں نے ملتان' کشمیر اور پشاور بھی مسلمانوں سے چھین لیے۔ سید احمد شہیدؒ اور ان کے ساتھیوں نے اس یورش کو روکنے کی کوشش کی اور جہاد میں جام شہادت نوش کیا۔ مسلمانوں کی دیگر ریاستوں کو بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر نگیں آنا پڑا۔ اس طرح صدیوں تک حکمران رہنے والی قوم غلامی کے گڑھے کے کنارے پر جا کھڑی ہوئی۔ ملت اسلامیہ کو اس کا شدت سے احساس ہوا۔ اگرچہ اب وقت گزر چکا تھا' تاہم انہوں نے سنبھلنے کی ایک پر

Marfat.com

عزم کوشش کی اور ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کا اعلان کر دیا' لیکن بکھری ہوئی طاقت مجتمع نہ ہو سکی اور یہ کوشش بھی ناکام ہو گئی اور اس طرح برصغیر میں ملت اسلامیہ کی تاریخ ایک خطرناک موڑ مڑ گئی اور ذلت و پستی اور زوال و انحطاط کا آخری مرحلہ آگیا اور مسلمان قوم غلامی کی زنجیروں میں جکڑی گئی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے نتائج ملت اسلامیہ کے لیے بڑے مہلک اور خطرناک ثابت ہوئے۔ ایک طرف تو دہلی کی سلطنت کے خاتمے کے ساتھ مسلمانوں کی برائے نام سیاسی سیادت بھی ختم ہو گئی اور دوسری طرف نئی حکمران قوم نے پرانی حکمران قوم کو ہر اعتبار سے کچل دینے کا عزم کر لیا اور وہ ہر مسلمان کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے۔ ہندوؤں کے لیے یہ صورت حال نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی اور صدیوں کا غلام ہندو اپنے پرانے آقاؤں سے انتقام لینے پر تل گیا۔ ایک طرف تو ہندو نے نئی حکمران قوم سے بھرپور تعاون کیا' فائدے اور منافع حاصل کیے' عہدوں اور منصبوں پر قبضہ کیا اور دوسری طرف مسلمانوں کے خلاف زہر پھیلایا اور انگریز کو ان کے خلاف اکسانے اور بدگمان کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا۔ چنانچہ ولیم ہنٹر نے جب لارڈ میو کے حکم سے کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" لکھی تو اس میں صاف صاف اعتراف کیا کہ انگریز حکومت نے تمام عہدوں اور منصبوں کے دروازے مسلمانوں کے لیے بند کر دیئے ہیں۔ برطانوی حکمرانوں نے جو نیا نظام تعلیم نافذ کیا ہے اس میں مسلمان قوم کے مفادات کو نظر انداز کر دیا۔ صدیوں تک جو خاندان عدالتوں میں منصف اور قاضی کے عہدوں پر فائز رہے تھے وہ نئے عدالتی نظام سے یکسر بیکار اور محتاج ہو کر رہ گئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کے اوقاف کی آمدنی' جو صرف انہی کی فلاح و تعلیم پر صرف ہونی چاہیے تھی' وہ بھی غلط مصارف پر خرچ ہو رہی تھی(۱)' اس طرح گویا برصغیر کی حکمران

۱۔ موج کوثر' ص ۴۷' بحوالہ: Our Indian Mussalmans: William Hunter

Marfat.com

قوت سیاسی' اقتصادی اور معاشرتی طور پر مفلوج کر دی گئی۔ عزت والے ذلت و رسوائی کی انتہائی پستیوں میں جا پہنچے۔ پاک و ہند میں ایک نئے معاشرے نے جنم لیا' جس میں عزت والے ذلیل ہو گئے اور محکومی اور خوشامدی کی زندگی بسر کرنے والے ہندو حکومت کی نظر میں شریف اور معزز قرار پائے۔ مسلمان ان کے مقابلے میں ناقابل اعتبار اور بدمعاش قرار دیئے گئے اور نہ صرف انہیں شک و شبہ کی نظر سے دیکھا گیا بلکہ انہیں ذلیل کرنے کے تمام حربے استعمال کیے گئے۔

انگریز نے جو نیا نظام تعلیم رائج کیا تھا اس میں مسلمانوں کی قدیم سرکاری زبان عربی و فارسی کو یک قلم موقوف کر دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کی فقہی علوم کو ازکار رفتہ قرار دے کر اسلامی علوم کی ان درسگاہوں کو جو کبھی قاضی القضاۃ' سپہ سالاران لشکر اور وزرائے سلطنت کو جنم دیتی تھیں اب بالکل بیکار کر دیا گیا۔ اب ان عظیم درسگاہوں میں صرف مساجد کے ائمہ تیار ہونے لگے۔ جن مدارس میں عربی زبان اور اسلامی علوم کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے ہجوم ہوتے تھے اب وہ ویران ہو گئے۔ مسلمان اول تو انگریزی مدارس میں داخل ہونے سے ہچکچاتے تھے اور جو داخل ہو کر تعلیم پاتے تھے وہ کوئی باعزت مقام حاصل کرنے کے قابل نہ سمجھے جاتے تھے اور ہمیشہ انگریز کی نظر میں مشکوک اور ہندو کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے' چنانچہ تمام عہدے صرف ہندو کے لیے مختص ہو کر رہ گئے تھے۔(۱)

انگریز کی عملداری اور رو کی مکاری سے ملت اسلامیہ کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا تھا۔ بقول مولانا حالی(۲) "اس وقت ہندوستان میں اسلام تین خطروں میں گھرا ہوا تھا' ایک طرف یورپ سے عیسائی پادریوں کا جو سیلاب امڈ آیا تھا وہ ہر جگہ ملت اسلامیہ کی گھات میں لگا ہوا تھا اور یہ مال و دولت کی تحریص اور عزت و رزگار اور لالچ دے کر

۱۔ موج کوثر' ص ۴۷' بعد۔

۲۔ حیات جاوید' ص ۲۰۲۔

Marfat.com

یا آئندہ کے خطرات سے ڈرا کر مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں پوری قوت صرف کر رہا تھا۔ ساتھ ہی ان پادریوں نے اسلام اور اس کی تعلیمات پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی' بانی اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع واقسام کی نکتہ چینیاں شروع کر دیں اور مسلمانوں کو اپنے ماضی سے برگشتہ کرنے لگے اور جہالت و افلاس کے شکار مسلمان ان کے دام میں پھنسنے لگے۔(۱) اس موقع پر بلاشبہ علمائے اسلام نے عیسائیت کے مقابلے کی پوری کوشش کی' پادریوں کے جواب میں کتابیں لکھیں' ان سے علمی مناظرے کر کے انہیں لاجواب کیا اور مسلمانوں میں اپنے دین سے واقفیت اور محبت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان علما میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی' "مولوی آل حسن' ڈاکٹر وزیر آغا خاں اور مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔(۲)

دوسرا خطرہ سیاست سے تعلق رکھتا ہے۔ مسلمان چونکہ اس حکمران قوم سے تعلق رکھتے تھے جس سے انگریز نے حکومت چھینی تھی' اس لیے وہ انہیں قابل اعتماد نہیں سمجھتے تھے بلکہ انہیں اپنا حریف خیال کرتے تھے' اس کے علاوہ انگریزوں کے دلوں میں صلیبی جنگوں کے زمانے میں عیسائی پادریوں کے غلط پراپیگنڈے سے بھی اسلام اور مسلمانوں کے متعلق غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی اور وہ اسلام کو سرکشی' بغاوت اور فساد پر اکسانے والا دین خیال کرتے تھے۔(۳)

تیسرا خطرہ اسلام کو انگریزی تعلیم کی طرف سے تھا' کیونکہ یہ تعلیم پادریوں کے طریقہ وعظ و تبلیغ سے زیادہ خطرناک اور مہلک تھی۔ اس لیے کہ ایک طرف تو انگریزی تعلیم سے مسلمانوں کے لیے کوئی مفر نہ تھا اور دوسری جانب یہی تعلیم مسلمانوں کو مذہب سے بیگانہ اور انہیں ان کے ماضی سے متنفر کرنے کا باعث بن رہی تھی۔

۱۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۴۶۵' حیات جاوید' ص ۲۰۲۔

۲۔ حیات جاوید' ص ۲۰۲۔

۳۔ ایضاً' ص ۲۰۳۔

الغرض یہ تھے وہ حالات جن سے ملت اسلامیہ دوچار تھی اور یہ تھے وہ خطرات جن میں اسلام گھرا ہوا تھا۔ ایسے موقع پر ایک طرف تو علما کی کوشش کام آئی' جنہوں نے ہر حالت میں عربی زبان اور اسلامی علوم کی حفاظت و ترقی کو اپنا مشغلہ بنایا اور دوسری طرف سرسید احمد خاں اور ان کے رفقائے کار کی سرگرمیوں نے ایک تحریک کی شکل میں مسلمان قوم کو بیدار کیا اور نئی نسل کو جدید علوم سے بہرہ ور ہونے کی ترغیب دلائی اور ساتھ ہی حکمران قوم کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کی کوشش کی۔(۱)

برطانوی سامراج اور ہندو کی سازش نے مسلمانوں کو دو باتوں پر مجبور کر دیا۔ ایک طرف تو انہیں یہ یقین ہو گیا کہ ہندوؤں کے ساتھ مل جل کر وہ زندگی نہیں گزار سکیں گے اور اگر وہ ان سے الگ نہ ہوئے تو نہ صرف یہ کہ انہیں چین کی زندگی نصیب نہ ہو گی بلکہ ان کا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ اس خیال نے انہیں ایک الگ اور مستقل وطن کے مطالبہ پر مجبور کر دیا جو بالآخر پاکستان کی شکل میں پورا ہوا۔

دوسری بات یہ تھی کہ مسلمانوں نے اس حقیقت کو بھانپ لیا تھا کہ جب تک عالم اسلام ایک متحدہ طاقت نہیں بن جاتا اس وقت تک نہ صرف برصغیر کی ملت اسلامیہ بلکہ دنیا کا کوئی بھی اسلامی ملک غیروں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ جمال الدین افغانی کی تعلیمات نے جو گہرا اثر مسلمانان برصغیر پر ڈالا' اتنا شاید ہی کسی اور اسلامی خطے نے قبول کیا ہو اور عالمی اتحاد اسلامی کی تحریک کو علامہ اقبال ایسے مفکر کی شکل میں جو مؤید و محرک یہاں سے ملے' کسی اور اسلامی ملک سے نہ مل سکے۔

اب ہم اختصار کے ساتھ ان اہل علم و دانش کی کوششوں کا ایک جائزہ لیتے ہیں جنہوں نے اس کٹھن دور میں مسلمانوں کی فکری قیادت کا فریضہ انجام دیا۔ تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سرسید احمد خاں: اسباب بغاوت ہند اور حیات جاوید ص ۳۲۲ بعد۔

Marfat.com

مولانا فضل حق خیرآبادی

مولانا فضل حق خیرآبادی بن فضل امام خیرآبادی اپنے علمی خانوادے کی ممتاز صاحب علم و فضل ہستی تھے۔ انہوں نے علوم متداولہ اپنے والد مولانا فضل امام سے پڑھے۔ حدیث کی سند مولانا شیخ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ سے لی اور شاہ دھومن دہلوی کے مرید ہوئے۔ علوم عقلیہ میں کمال پیدا کیا۔ عربی میں اچھے شعر کہتے تھے:

ان لم تصب نظرة من اعین نعس
فمن نفی النوم من عینیک فی الغلس

من استنام الیها سہرته و کم
ممن انامته من یقظان محترس

ترجمہ:

۱۔ اگر تجھ پر مست آنکھوں نے نظر کا وار نہیں کیا تو پھر رات کو تیری آنکھوں سے نیند کس نے دور کی ہے؟

۲۔ ان مست آنکھوں سے جس نے خمار حاصل کیا اسے انہوں نے شب بیدار بنا دیا اور کتنے ہی بیدار و آگاہ ہوں گے جنہیں ان آنکھوں نے سلا دیا!

سلبن و سنه فاز دون فی سنه
وغصنه فترا فازداد فی الهوس(۱)

ترجمہ:

ان مست آنکھوں نے اس کی نیند چھین لی مگر خود نیند کی مستی میں اور بھی بڑھ گئیں اور اسے تسکین پہنچائی، مگر اس کی طلب کو اور بھی بڑھا دیا!

مولانا کا عربی میں ایک قصیدہ بھی مشہور ہے جو غالباً ان کے رسالہ "الثورة الهندیه" میں موجود ہے۔ یہ رسالہ انقلاب آزادی ۱۸۵۷ء کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

۱۔ نزهة الخواطر، ۷: ۳۷۴۔

ان کے قصیدہ کا ذکر جناب فضل قدیر (مدیر ماہ نو کراچی) جو مولانا فضل حق کے خاندان میں سے ہیں' اپنے اواخر اگست ۱۹۷۱ء میں اپنے مکتوب میں ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"رسالہ کہیں کھو گیا۔ مرحوم مولانا رئیس احمد جعفری نے یہ قصیدہ مع قصاید "فتنۃ الہند" اپنی کتاب بہادر شاہ اور ان کا عہد میں درج کیا ہے۔"

مولانا فضل حق خیر آبادی کمشنر دہلی کے دفتر میں پیشکار کا کام کرتے رہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انہوں نے بھرپور حصہ لیا' دہلی میں جنرل بخت خاں کے شریک رہے' لکھنؤ میں حضرت محل کے دربار کے رکن بھی رہے' گرفتاری کے بعد جلاوطنی' بہ عبور دریائے شور کی سزا پائی' ۱۸۶۱ء / ۱۲۷۸ھ میں جزیرہ انڈمان میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔(۱)

مولانا کی تصانیف یہ ہیں:

الجنس الغالی فی شرح الجواہر العالی (فلسفہ میں)' تاریخ فتنۃ الہند" (۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی عربی میں تاریخ ہے)" الہدیۃ السعیدیہ' الروض المجود فی حقیقۃ الوجود" اور کئی ایک رسائل و کتب متداولہ کے حواشی۔

مولانا فضل حق خیر آبادی کی ان تصانیف میں سے تاریخ فتنۃ الہند' الہدیۃ السعیدیہ خصوصی نظر کی مستحق ہیں۔ اول الذکر کتاب دراصل مولانا کی ذاتی ڈائری ہے جس میں انہوں نے اسلامیان ہند کی غاصب انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کے واقعات و مشاہدات کو درج کیا ہے' وہ چونکہ خود اس جنگ میں شریک و شامل تھے اس لیے انہوں نے جن اپنے چشم دید واقعات اور مجاہدین آزادی کے حالات اور جنگ کے نتائج و اسباب پر روشنی ڈالی ہے وہ تاریخی مواد کے اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح الہدیۃ السعیدیۃ فی الحکمۃ الطبیعیہ' فلسفہ و حکمت کے موضوع پر ایک عمدہ اور مستند تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور تین فنون پر مشتمل

۱۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۳۸۲' نزہۃ الخواطر ۷: ۳۷۷' آثار الصنادید' ص ۶۲' ابجد العلوم' ص ۹۱۵' حدائق الحنفیہ' ص ۴۸۰۔

ہے اور نواب محمد سعید خاں رام پوری کے نام سے معنون ہے اور انہی کی خاطر تالیف ہوئی۔

شاہ عبدالغنی دہلوی

برصغیر میں روایت حدیث کی سند اور استاذ العلما والمحدثین مولانا شاہ عبدالغنی دہلوی ۱۲۳۵ھ / ۱۸۱۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ مجدد الف ثانیؒ کی نسل سے ہیں۔ حفظ قرآن کے بعد علوم متداولہ اور حدیث کی سند اپنے والد مولانا شاہ ابو سعید مجددی' مولانا مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین دہلوی' مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی' دختر زادہ مولانا شاہ عبدالعزیز' شیخ محمد عابد سندھی اور شیخ ابو زاہد اسماعیل الرومی سے حاصل کی۔ بقول مولانا عبدالحی لکھنوی علم و عمل' زہد و حلم' خوداری و راستی' امانت و عفت' تقوی و اعتدال اور اخلاص و رجوع الی اللہ کی امامت ان پر ختم ہو گئی۔(۱) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد حرمین کو ہجرت کر گئے۔ جہاں ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء میں مدینہ میں وفات پائی۔(۲) آپ نے کتاب "سنن ابن ماجہ" کا ایک ذیل لکھا ہے جس کا نام انجاح الحاجہ رکھا۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی

لکھنؤ کے مدرسہ فرنگی محل نے جو نامور اہل علم پیدا کئے ان میں سے ایک مولانا ابوالحسنات عبدالحی عبدالحلیم انصاری لکھنوی بھی ہیں' جنہیں مولانا سید عبدالحی لکھنوی صاحب "نزھۃالخواطر" سے ممتاز کرنے کے لیے "عبدالحی فرنگی محلی" کہا جاتا ہے۔ شیخ قطب الدین شہید سہالوی کی اولاد میں متعدد نامور عالم پیدا ہوئے' مگر ان سب میں دو بہت ممتاز ہیں۔ ان میں سے ایک تو ملا عبدالعلی بحر العلوم بن ملا نظام الدین

۱۔ نزھۃ الخواطر ۷: ۲۸۹۔

۲۔ ابجد العلوم ص ۹۲۹' نزھۃ الخواطر ۷: ۲۹' تذکرہ علمائے ہند' ص ۳۱۰۔

سہالوی (م ۱۳۲۵ھ/۱۸۱۹ء) ہیں اور دوسرے مولانا عبدالحی فرنگی محلی جو ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور مفتی نعمت اللہ لکھنوی سے علوم متداولہ پڑھے۔ زیارت حرمین کے دوران شیخ احمد دحلان کی، مفتی محمد بن عبداللہ حنبلی، شیخ محمد الغربی اور شیخ عبدالغنی دہلوی سے سند حدیث لی۔ آپ نے عمر کا اکثر حصہ تصنیف و تالیف اور تدریس میں گزارا، جس کا اندازہ آپ کے ہزاروں نامور اور فاضل تلامذہ(۱) اور سو سے متجاوز تصانیف کی فہرست سے ہو سکتا ہے۔ آپ کی وفات ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء میں ہوئی۔

مولانا عبدالحی برصغیر کے ایک مستند حنفی فقیہ تھے اور فقہ حنفی کے اصول اور فروغ کی تائید و حمایت اور چھان پھٹک میں تمام عمر صرف کر دی، لیکن آپ نے ہمیشہ راہ اعتدال اختیار کی۔ وہ ایک جگہ اپنے اوپر اللہ کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ومن منحه انه جعلنى سالكا بين الافراط والتفريط لا تاتى مسئلة معركة الاراء بين يدى الا الهمت الطريق الوسط فيها"

(مجھ پر اللہ کے عطیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے مجھے افراط و تفریط کے درمیان چلنے کی توفیق بخشی ہے۔ جب بھی کوئی معرکہ الاراء مسئلہ میرے سامنے آتا ہے مجھے راہ اعتدال بذریعہ الہام سمجھا دی جاتی ہے۔)(۲)

مولانا عبدالحی "کثیرالتصانیف" عالم تھے۔ آپ کی بے شمار چھوٹی بڑی تصانیف میں سے بعض یہ ہیں: "**التبیان شرح المیزان**" (علم الصرف کے موضوع پر)، **هداية الورى الى سواء الهدى** (منطق میں)، **المعارف لما فى حواشى شرح المواقف** (علم الکلام)، **الفوائد البهيه فى تراجم الحنفيه** (جو حنفی فقہا و علما کا تذکرہ ہے) **التعليقات السنيه على الفوائد البهيه** (جو مذکورہ تذکرے پر حواشی ہیں)،

۱۔ نزہۃ الخواطر ۸: ۲۳۴، تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۹۰۔

۲۔ نزہۃ الخواطر ۸: ۲۳۵۔

Marfat.com

خیر العمل بذکر تراجم علما فرنگی محل (مدرسہ فرنگی محل کے علما کا نامکمل تذکرہ)' عمدۃ الرعایۃ (جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب شرح وقایہ کے بہترین حواشی ہیں)' احکام القنطرۃ فی البسملہ (بسم اللہ کے احکام کے بارے میں)' مقدمۃ الھدایہ (علامہ مرغینانی کی مشہور کتاب فقہ کا مقدمہ ہے) مذیلۃ الدرایۃ لمقدمۃ الھدایہ اور الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ (جو موضوع احادیث کے بارے میں ایک مفید کتاب ہے۔

شیخ برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر الفرغانی (م ۵۹۳ھ / ۱۱۹۶ء) کی کتاب الھدایہ جو چار جلدوں میں ہے فقہ حنفی کی مقبول ترین' مفید اور جامع کتاب ہے۔ مولانا عبدالحی نے ان چاروں جلدوں پر بڑے مفید حواشی لکھے ہیں' مقدمۃ الھدایہ (جو ہدایہ اخیرین کے شروع میں منسلک ہے) میں انہوں نے مصنف ہدایہ کے حالات زندگی' ان کے اسلوب بیان' بعض کوتاہیوں' مشہور حنفی اصطلاحات "ظاہر الروایہ کی تشریح' ہدایہ میں مذکور علما کے تراجم اور ہدایہ کے سلسلۂ سند پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے مذیلۃ الدرایہ کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جو ہدایہ اولین کے ساتھ طبع ہوا ہے' اس میں بھی بعض اسماء رجال اور تراجم ہیں۔

مولانا عبدالحی لکھنوی کی دوسری اہم تصنیف "الفوائد البہیہ" ہے (جیساکہ اوپر گزر چکا ہے کہ یہ حنفی علما کا تذکرہ ہے' مقدمے میں انہوں نے سبب تصنیف یہ بیان کیا ہے کہ "تذکرہ نگاروں نے حنفی فقہا و علما کی ساتھ انصاف نہیں کیا۔ نیز یہ تذکرے برصغیر میں متداول نہیں' اس لیے میں نے یہ کتاب مرتب کی ہے تاکہ دینی مدارس کے لوگ حنفی فقہاء کے حالات سے واقف ہو سکیں" اس تذکرے کے سلسلے میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ صاحب "نزھۃ الخواطر" کے برعکس مولانا فرنگی محلی نے اپنے تذکرے میں متقدمین حنفی فقہا کے ذکر پر زور دیا' لیکن خود برصغیر کے حنفی علما کو اکثر فراموش ہی کیا ہے۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری

مولانا فیض الحسن سہارنپوری برصغیر میں عربی زبان و ادب کے ممتاز علما میں سے

Marfat.com

ہیں' ۱۸۲۶ء میں سہارنپور میں پیدا ہوئے' مفتی صدر الدین آزردہ اور مولانا فضل حق خیر آبادی جیسے فضلا سے علوم متداولہ کی سند لی' فن شعر میں مولانا صہبائی کے شاگرد تھے' مولانا کے شاگردوں میں سرسید احمد خاں' علامہ شبلی' مولانا حالی' مولانا وحید الدین سلیم' مولوی عبداللہ ٹونکی اور مولوی محمد اسماعیل میرٹھی جیسے فاضل اور یگانہ روزگار علما شامل ہیں۔(۱)

مولانا فیض الحسن سہارنپوری ایک جلیل القدر عالم' ادیب' شاعر اور مصنف تھے۔ کبھی فیض اور کبھی خیال تخلص کرتے تھے' عربی' فارسی اور اردو کے باکمال ادیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔(۲) آپ کی عربی تصانیف میں ایک دیوان شعر کے علاوہ تعلیق علی الجلالین' التحفۃ الصدیقیہ اور شرح السبع المعلقات وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اردو میں فیضیہ شرح دیوان الحماسۃ' مثنوی صبح امید اور گلزار فیض (اردو دیوان) قابل ذکر ہیں۔ آپ نے ایک مدت تک اورینٹل کالج لاہور میں عربی کی تدریس کی اور ۷۱ برس کی عمر میں ۱۸۸۷ء میں فوت ہو گئے۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی یہ تمام تصانیف اپنے اپنے موضوع میں ایک ممتاز مقام کی حامل ہیں اور خصوصی توجہ کی مستحق' لیکن تفصیل سے اعراض کرتے ہوئے اجمال کی خاطر ان کی ایک اہم تصنیف "شرح السبع المعلقات" جسے انہوں نے "ریاض الفیض" کے نام سے موسوم کیا ہے' پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ "معلقات" دور جاہلی کے فحول شعرا کے منتخب قصائد کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کی برصغیر اور بیرون برصغیر میں مختلف شروح لکھی گئی ہیں' برصغیر میں لکھی جانے والی شروح میں مولانا کی شرح کو ممتاز مقام حاصل ہے اور اس کے بہت سے اسباب ہیں ایک تو یہ کہ مولانا نے ہر شعر کی تین زبانوں (عربی' فارسی اور اردو) میں تشریح' ترکیب نحوی کے اہم نکات' شعر کے ہر لفظ کی تشریح میں مختلف شعرا عرب کے کلام سے استشہاد' قدیم شارحین معلقات کی

۱۔ نقوش لاہور نمبر' فروری ۸۷' ۸۸۔ لاہور۔ تاریخ اورینٹل کالج' ص ۱۲۸۔
۲۔ نقوش لاہور فروری ۱۹۶۲ء

Marfat.com

کوتاہیوں کی نشاندہی ' ہر شاعر کے حالات زندگی اور ہر قصیدے کے پس منظر پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا نے اپنی شرح کا تعارف و اہمیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"لما کانت السبع المعلقات کالسبع الشداد ولم یسلک شارح من شراحها مسلک السداد و قد تناولها المولعون بفنون الادب و تداولها المغرمون بلسان العرب اردت ان اشرحها شرحا وافیا و اکشف عنها کشفا کافیا"

(چونکہ السبع المعلقات ادب کے سات محکم آسمانوں کی مانند ہیں اور اس کے شارحین میں سے کوئی بھی راہ محکم پر نہیں چلا' حالانکہ فنون ادب سے دلچسپی رکھنے والوں اور عربی زبان سے لگاؤ رکھنے والوں نے ان قصائد کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے' اس لیے میں نے یہ عزم کیا کہ اس کی ایک تسلی بخش شرح لکھوں اور اس کے رازوں کو کافی حد تک عیاں کر دوں۔)

نواب سید صدیق حسن خان بہادر قنوجی

عربی اور اسلامی علوم کی تاریخ نواب سید صدیق حسن خان بہادر بن سید آل حسن قنوجی ثم بھوپالی کے تذکرے کے بغیر نامکمل رہے گی۔ آپ ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے' علوم متداولہ صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی سے حاصل کیے اور اپنے زمانے کے جلیل القدر علما سے حدیث کی سند لی' جن میں شیخ محمد یعقوب دہلوی' شیخ محمد اسحاق دہلوی' شیخ عبدالحق بن فضل اللہ ہندی اور قاضی حسین بن محسن انصاری یمانی کے نام بھی شامل ہیں۔ آپ ایک مدت تک مختلف شہروں میں علوم اور کسب معاش کی خاطر سرگرداں رہے۔ بالآخر ۱۲۸۸ھ /۱۸۷۱ء میں نواب شاہ جہاں بیگم ملکہ بھوپال سے شادی ہوئی اور وہ ریاست کے مدار الہام قرار پائے۔ آپ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء میں فوت ہوئے

Marfat.com

اور بھوپال میں دفن ہیں۔(۱)

نواب صاحب خود ایک جلیل القدر عالم تھے اور علما دوست و علم پرور بھی تھے۔ آپ کے عہد میں ریاست کے خزانے اہل علم کی خدمت اور علوم اسلامیہ کی اشاعت کے لیے وقف تھے۔ آپ نے خود بھی اردو فارسی اور عربی میں درجنوں تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔

آپ کی تصانیف کی فہرست بہت طویل ہے(۲) مگر بعض اہم یہ ہیں: **ابجد العلوم** (عربی میں علم اور علما کا تذکرہ ہے)' **التاج المکلل** (عربی میں علما حدیث کے تراجم ہیں)' **اتحاف النبلاء** (فارسی میں حدیث و علما کا تذکرہ)' **فتح البیان فی مقاصد القران**(دس جلدوں میں قرآن کی عربی تفسیر)' **عون الباری** (صحیح بخاری کی شرح)' **الحطۃ بذکر الصحاح الستہ** (چھ کتب حدیث یعنی صحاح ستہ کا تذکرہ) اور **البلغۃ الی اصول اللغۃ** وغیرہ۔

علامہ سید صدیق حسن قنوجی کی ان تصانیف میں سے دو پر خصوصی نظر ضروری ہے' ان میں سے ایک تو ان کی تفسیر ہے' جس کا نام فتح البیان فی مقاصد القرآن ہے۔ اس کا بہترین اور جدید ترین ایڈیشن ۱۹۶۵ء میں قاہرہ سے دس جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ یہ تفسیر نہ صرف یہ کہ چودھویں صدی ہجری (بیسویں صدی عیسوی) کے اہل علم کی تفاسیر میں ایک خاص مقام رکھتی ہے' بلکہ برصغیر میں لکھی جانے والی عربی تفاسیر میں بھی ایک نہایت ممتاز مقام کی حامل ہے۔ شروع میں نواب صاحب نے اصول تفسیر اور تاریخ تفسیر کے بارے میں ایک مفید مقدمہ بھی لکھا ہے' یہ بات دیگر مفسرین کے ہاں اکثر نہیں دیکھی گئی' وہ علم تفسیر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ نزهۃ الخواطر ۸: ۱۸۷' تذکرہ علمائے ہند' ص ۲۵۰۔

۲۔ ایضاً' (۸: ۱۴۳) نے ان کی تعداد دو سو بائیس بتائی ہے۔

Marfat.com

"ھو علم باحث عن نظم نصوص القران وآیات سور الفرقان
بحسب الطاقۃ البشریہ و بوفق ما تقتضیہ القواعد العربیہ

(یعنی تفسیر وہ علم ہے جس میں بشری طاقت اور قواعد عربیہ کے مطابق نصوص و آیات قرآنی کی تشریح سے بحث کی جاتی ہے)۔(۱)

نواب صاحب کے نزدیک قرآن کی متصوفانہ تفاسیر کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ کہتے ہیں:

واما کلام الصوفیہ فی القران فلیس بتفسیر

(قرآن کے بارے میں صوفیانہ باتیں تفسیر کی حیثیت نہیں رکھتیں)' غالباً ان کے سامنے ہندی علما مثلاً" محب اللہ الہ آبادی وغیرہ کی متصوفانہ تفاسیر ہوں گی! نواب صاحب نے اپنی تفسیر میں قدما کی تفاسیر سے فائدہ اٹھایا ہے اور ہر جگہ ان کے اقوال بالصراحت نقل کیے ہیں' الفاظ قرآن کی لغوی بحث' نحوی ترکیب(۲) پر بحث اور بلاغت و اعجاز قرآن کے مسائل کے علاوہ انہوں نے سورتوں کے اسما' پس منظر یا شان نزول' فضائل اور اہم مضامین کی بھی پوری نشاندہی کی ہے۔

نواب صاحب کی دوسری اہم اور مفید کتاب **ابجد العلوم** ہے' یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے اور ہر حصہ دراصل ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء میں تصنیف کی اور ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں پہلی بار طبع ہوئی۔ کتاب کا پہلا حصہ' جسے **"الوشی المرقوم"** کا نام دیا گیا ہے' علم کی تاریخ' فضیلت اور تدوین کے بارے میں ہے۔ دوسرا حصہ جسے **السحاب المرکوم الممطر بانواع الفنون و اصناف العلوم** کا نام دیا گیا ہے۔ علوم کے اسماء تاریخ اور ہر علم کے فضائل و اہمیت کے بیان میں ہے۔ تیسرا اور آخری حصہ جسے **"الرحیق المختوم**

۱۔ مقدمہ فتح البیان ۱: ۷۔
۲۔ کتاب مذکور: ۱۲۔

Marfat.com

من تراجم ائمۃ العلوم" کے نام سے موسوم کیا گیا مختلف علوم و فنون کے علما کا تذکرہ ہے۔ اس حصے کے آخر میں نواب شاہ جہاں بیگم (والیہ بھوپال) کے سوانح اور علم پروری کا بھی ذکر موجود ہے۔

مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی

نامور محدث مولانا سید نذیر حسین دہلوی ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ضلع سورج گڑھ صوبہ بہار کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے مولانا سید احمد بریلوی کے وعظ سے متاثر ہو کر دہلیؒ کا رخ کیا اور شاہ محمد اسحاق دہلویؒ سے حدیث کی اجازت لی۔ اس کے علاوہ مولوی عبدالخالق دہلویؒ' اخوند شیر محمد قندھاریؒ' مولوی جلال الدین ہرویؒ اور مولوی کرامت علی اسرائیلیؒ بھی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ۱۸۹۷ء میں آپ کو شمس العلما کا خطاب ملا۔ مولانا کی وفات ۱۹۰۲ء میں دہلی میں ہوئی۔(۱)

مولانا کی تصانیف میں ایک کتاب **معیار الحق** کا ذکر ملتا ہے' لیکن مولانا کی اصل شہرت ان کے فیض علم سے ہے۔ جس سے ایک خلق مستفیض ہوئی اور پچاس برس تک دہلی کی مسجد اورنگ آبادی میں وہ حدیث و تفسیر کا درس دیتے رہے۔ حتیٰ کہ شمالی ہند کے اکثر علمائے حدیث کا سلسلہ اسناد آپ تک پہنچتا ہے اور آپ کو سب شیخ الکل کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

مولوی (ڈپٹی) نذیر احمد دہلوی

مولوی نذیر احمد بھی اس دور کے جید علما میں سے ہیں۔ ۱۸۳۶ء میں ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ پنجاب اور حیدر آباد دکن میں ملازمت کی۔ ۱۸۹۰ء میں ایڈنبرا

۱۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۵۹' موج کوثر' ص ۶۸' الحیاۃ بعد المماۃ از فضل حسین۔

Marfat.com

یونیورسٹی سے ایل۔ ایل۔ ڈی اور پھر پنجاب یونیورسٹی سے ڈی۔ او۔ ایل کی اعزازی ڈگری ملی۔ ۳ مئی ۱۹۱۲ء کو دہلی میں انتقال ہوا۔ مولانا عبدالعزیز میمن آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اردو تصانیف (مراۃ العروس' ابن الوقت' بنات النعش اور توبۃ النصوح' (۱)) کے علاوہ قرآن مجید کا اردو ترجمہ لغات الحقوق والفرائض قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمود حسن بن ذوالفقار علی دیوبندی

آپ ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کو دارالعلوم دیوبند کا پہلا طالب علم ہونے کا شرف حاصل ہے۔ صحاح ستہ وغیرہ کی سند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے حاصل کی۔ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء میں دارالعلوم کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ جنگ آزادی کے صف اول کے قائدین میں سے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی' مولانا انور شاہ کشمیری' مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا شبیر احمد عثمانی آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء میں فوت ہوئے۔(۲) آپ کی تصانیف میں سے "حاشیہ ابوداؤد' ابواب و تراجم بخاری اور ایضاح الادلہ' قابل ذکر ہیں۔

مفتی محمد عبداللہ ٹونکی

مفتی محمد عبداللہ بھی عربی و اسلامی علوم کے ماہر تھے۔ وہ ۳۴ سال تک پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج میں عربی کے استاد رہے۔ دارالعلوم ندوہ اور مدرسہ عالیہ کلکتہ میں بھی مدرس رہے۔ ۱۹۲۰ء میں بعارضۂ فالج بھوپال میں ستر سال کی عمر میں انتقال ہوا۔(۳)

۱۔ نقوش لاہور شخصیات نمبر۔

۲۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۴۲۶ 'علمائے حق' ص ۱۰۷؛ تذکرہ مشائخ دیوبند' ص ۲۲۵ بعد۔

۳۔ تاریخ اورینٹل کالج لاہور' ص ۳۴۔

Marfat.com

عجالۃ الراکب' التعلیقات علی شرح سلم العلوم' فتاویٰ صابریہ' تحریر اقلیدس اور الانوار والزاھیہ فی دیوان ابی العتاھیہ آپ کی یادگار ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی

آپ ایک بہت بڑے مناظر اور نامور عالم تھے۔ ۱۲۷۲ھ /۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ معقولات و منقولات میں یکساں درک رکھتے تھے۔ علوم متداولہ اپنے والد مولانا نقی علی خاں سے اور حدیث کی سند سید احمد دحلان مکی اور عبدالرحمٰن السراج مکی سے لی۔ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء میں فوت ہوئے۔(۱)

مولانا کثیر التصانیف علما میں سے ہیں۔ **تجلی الیقین' سلطنۃ المصفی' النجوم النواقب فی تخریج احادیث الکواکب' الدولۃ المکیہ اور الجد الممتاز فی شرح ردالمحتار** خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مولانا عبدالحی لکھنوی بن الشریف فخرالدین بن عبدالعلی حسنی طالبی

آپ ایک جلیل القدر محقق' مؤرخ اور عربی کے مایہ ناز ادیب تھے۔ ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد بغداد سے آئے تھے۔ آپ کے بزرگوں میں سے شیخ قطب الدین' دہلی میں شیخ الاسلام مقرر ہوئے۔ لکھنؤ میں تعلیم کا آغاز کیا اور پھر بھوپال میں طب' حدیث اور ادب کی تعلیم حاصل کی' ندوۃ العلما کے معتمد بھی رہے' آپ کی وفات ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء میں ہوئی۔(۲)

مولانا کا عظیم الشان علمی کارنامہ علمائے ہند کے تراجم پر ایک مفصل اور مبسوط کتاب ہے جو **نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع و النواظر** کے نام سے سات جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ آپ کا دوسرا کارنامہ برصغیر میں عربی و اسلامی علوم کی ایک مختصر مگر

۱۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۹۸' بعد؛ حیات اعلیٰ حضرت از ظفرالدین بہاری' مکتبہ رضویہ کراچی ۱۹۵۵ء۔
۲۔ الاعلام ۴ / ۳' نزہۃ الخواطر ۱۸۱۲۔

Marfat.com

جامع تاریخ کی تدوین ہے۔ جس کا نام **معارف العوارف فی انواع العلوم والعوارف یا الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند** ہے۔ اس کے علاوہ **جنۃ المشرق و مطلع النور المشرق** اور **تلخیص الاخبار** بھی آپ کی تصانیف ہیں۔

نزہۃ الخواطر مولانا سید عبدالحی لکھنوی کا نہایت قابل فخر اور عظیم الشان کارنامہ ہے برصغیر پاک و ہند میں اہل علم و فضل کا اتنا جامع و مفصل تذکرہ پہلے کسی نے مرتب نہیں کیا۔ اس کتاب کی آٹھ جلدیں ہیں جن میں سے سات جلدیں مولانا خود مرتب کر کے گئے تھے (اور ان کا اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے)' آٹھویں جلد آپ ادھوری چھوڑ گئے تھے جسے آپ کے نامور فرزند مولانا سید ابوالحسن ندوی نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور یہ آخری اور آٹھویں جلد ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء میں دکن سے پہلی بار شائع ہوئی ہے۔ جبکہ پہلی جلد دکن ہی سے ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء میں طبع ہوئی تھی۔ پہلی جلد کا مقدمہ (جس میں برصغیر کے علمی کارناموں اور ہر فن کے ممتاز اہل فضل کے طائرانہ جائزے کے علاوہ مصنف کے مفصل سوانح درج ہیں)۔

آپ کے دوسرے نامور فرزند ڈاکٹر حکیم مولانا محمد عبدالعلی نے مرتب کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کے عربی دان علما کا مفصل' جامع اور مکمل تذکرہ اور کہیں نہیں مل سکتا' اس لحاظ سے یہ مولانا کا برصغیر کی ملت اسلامیہ پر بہت بڑا احسان ہے۔

علامہ سید انور شاہ کشمیری

دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز علما میں سے علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری بھی قابل ذکر ہیں۔ جو ذہانت و فطانت' قوت حافظہ' تقویٰ و زہد اور وسعت علم کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ مولانا ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے' دارالعلوم دیوبند میں علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا رشید احمد گنگوہی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ مصر کے مشہور عالم علامہ رشید رضا جب دیوبند آئے تو ان سے بہت متاثر ہوئے۔ ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء میں آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الہند کے جانشین مقرر ہوئے۔ ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۴ء میں ڈابھیل میں فوت ہوئے۔(۱)

۱۔ بیس بڑے مسلمان' ص ۳۰۷' ببعد' حیات انور از محمد اظہر شاہ نفحۃ العنبر از مولانا یوسف بنوری طبع مجلس علمی کراچی۔

شاہ صاحب کی تصانیف میں سے "فیض الباری شرح البخاری" شرح ترمذی' ضرب الخاتم' عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام اور التصریح بما تواتر فی نزول المسیح قابل ذکر ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی ایک نادر تصنیف "خزائن الاسرار" بھی ہے جو دراصل علامہ دمیری کی "حیاۃ الحیوان" کا نچوڑ ہے۔ سید انور شاہ صاحب کی یہ عادت تھی کہ وہ متقدمین کی ضخیم و مبسوط تصانیف' جنہیں اپنے اپنے فن میں امہات الکتب کی حیثیت حاصل ہے' کا مطالعہ کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ان کی مفید معلومات کو جمع کرتے جاتے تھے' بلکہ ان کی صحت و عدم صحت اور افادیت کے بارے میں اپنی قیمتی آرا بھی ضبط تحریر میں لاتے جاتے تھے۔ خزائن الاسرار اس قسم کی ایک مثال ہے۔ اس کتاب میں جو ادعیہ ماثورہ اور وظائف درج ہوئے ہیں۔ ان کا شاہ صاحب نے انتخاب کیا ہے اور کتب سیرو حدیث سے اپنے انتخاب کا استناد مع تبصرہ پیش کیا ہے۔

مولانا ابو عبداللہ محمد سورتی

آپ بھی عربی زبان کے زبردست عالم تھے۔ قوت حافظہ اور ذہانت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء میں وفات پائی۔ مولانا نے کتاب الجمھرۃ کو تصحیح اور حواشی کے ساتھ شائع کیا۔

مولانا اشرف علی تھانوی

اپنے عہد کے بہت بڑے عالم' مفسر' متقی اور متشرع صوفی تھے۔ ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۴ء میں تھانہ بھون میں پیدا ہوئے اور ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء میں وفات پائی۔(۱)

۱۔ تذکرہ مشائخ دیوبند' ص ۳۸۵۔

Marfat.com

مولانا تھانوی بھی کثیر التصانیف علما میں سے تھے۔ چار سو سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ مولانا محمد یعقوب دیوبندی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن آپ کے استاد تھے۔ مولانا تمام عمر اصلاح و تلقین اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔"بیان القرآن" تفسیر "رحمۃ القلوس' بہجۃ النفوس فی لحادیث التصوف"' وغیرہ آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

مولانا محمد الیاس کاندھلوی بن مولانا محمد اسماعیل

آپ ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارنپوریؒ کے چچا اور تبلیغی جماعت کے بانی ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں جب مولوی الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہ اکرامؓ یاد آجاتے ہیں۔ اپنے بڑے بھائی محمد یحیٰ اور شیخ الہند سے علم حاصل کیا۔ آپ کا عظیم کارنامہ ریاست الور اور میوات کے مسلمانوں کی اصلاح ہے۔ ۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء کو فوت ہوئے۔ شرح معانی الاثار للطبی آپ کی یادگار ہے۔(۱)

مولانا شبیر احمد عثمانی

مولانا شبیر احمد عثمانی دارالعلوم دیوبند کے مشاہیر میں سے ہیں اور پاکستان کی تحریک میں آپ نے زور و شور سے حصہ لیا۔ آپ دیوبند کے عثمانی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ دارالعلوم میں تعلیم پائی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن' مولانا برکت اللہ بھوپالی اور مولانا عبیداللہ سندھی قابل ذکر ہیں۔ مولانا عثمانی عربی زبان کے بہت بڑے عالم اور ادیب تھے۔ فقہ' تفسیر اور حدیث پر عبور رکھتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور جامع اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان کی دستور یہ کے رکن اور شیخ الاسلام بنائے گئے۔ ۱۹۴۹ء میں فوت ہوئے۔(۲)

۱۔ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت: از ابو الحسن ندوی' برقی پریس دہلی۔

۲۔ بیس بڑے مسلمان۔ ص ۵۴' حیات شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی از فیض انبالوی۔

Marfat.com

علامہ شبیر احمد عثمانی نے شیخ الہند کے ادھورے ترجمہ و تفسیر قرآن کو مکمل کیا اور اردو میں مختلف کتابیں لکھیں۔ فتح الملہم شرح مسلم' آپ کی بلند پایہ تصنیف ہے جو عربی زبان میں صحیح مسلم کی شرح ہے اور تین جلدوں میں حیدر آباد دکن سے چھپ چکی ہے۔

مولانا اصغر علی روحی

مولانا اصغر علی روحی اسلامیہ کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر رہے۔ مولانا عربی زبان و ادب کے فاضل اور اسلامی علوم کے ماہر تھے۔ ۱۹۵۴ء میں فوت ہوئے۔ دبیر عجم' العروض والقوافی اور مانی الاسلام ان کی محققانہ تصانیف ہیں۔ مولانا نے ۱۹۰۳ء میں لاہور سے ایک ماہنامہ "الہدیٰ" بھی جاری کیا تھا جو عرصہ تک شائع ہوتا رہا۔(۱)

مولانا اعزاز علی دیوبندی

مولانا اعزاز علی بن منشی معراج علی ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء میں قصبہ امروہہ ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ مختلف مدارس میں ابتدائی فارسی و عربی کتب متداولہ کی تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور علوم کی تکمیل کی اور مولانا انور شاہ کشمیری سے طویل استفادہ کا موقع ملا۔ مولانا ۱۹۵۷ء میں فوت ہوئے۔

مولانا ایک مدت تک دیوبند میں صدر مفتی اور شیخ الادب کے مناصب پر فائز رہے۔ حاشیہ نور الایضاح' حاشیہ کنز الدقائق' شرح حماسہ' شرح متنبی' حاشیہ شرح وقایہ اور نفحۃ العرب آپ کی اہم تصانیف ہیں۔(۲)

۱۔ نقوش لاہور فروری ۱۹۶۲ء۔

۲۔ تذکرۃ الاعزاز از محمد انظر شاہ کشمیری' شاہ منزل دیوبند۔

Marfat.com

مولانا حسین احمد مدنی

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی برصغیر کے ممتاز عالم دین اور محدث تھے۔ ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء میں ضلع فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا سید حبیب اللہ ایک نیک مشرب صوفی تھے۔ ابتدائی تعلیم بھی انہی سے حاصل کی اور علوم کی تکمیل اپنے بھائی مولانا صدیق احمد اور شیخ الہند محمود حسن سے دارالعلوم دیوبند میں کی۔ آپ ایک مدت تک حرم نبویؐ میں اور دارالعلوم دیوبند میں حدیث کی تعلیم دیتے رہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرید تھے۔ ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء میں وفات پائی۔(۱)

تصانیف میں خود نوشت سوانح جو نقش حیات کے نام سے موسوم ہے اور شہاب الثاقب قابل ذکر ہیں۔ مولانا کی حقیقی شہرت ایک متقی عالم' مدرس اور محدث کی حیثیت سے زیادہ تھی۔

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع

پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے نامور اساتذہ میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ مولوی صاحب ۱۸۸۳ء میں قصور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں ایم اے انگلش اور ۱۹۱۳ء میں ایم اے عربی کیا۔ اپنی علمی زندگی کا آغاز نارمل سکول لاہور کے سیکنڈ ماسٹر کی حیثیت سے کیا۔ ۱۹۱۹ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور میں عربی کے پروفیسر اور ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۲ء تک یونیورسٹی اورینٹل کالج کے پرنسپل رہے۔ ۱۹۵۰ء میں جب اردو دائرہ معارف اسلامیہ قائم ہوا تو مولوی صاحب اس کے چیئرمین مقرر ہوئے اور اسی حیثیت میں ۱۹۶۳ء میں وفات پائی۔(۲)

۱۔ تذکرہ مشائخ' دیوبند' ص ۲۵۱ ببعد' بیس بڑے مسلمان' ص ۴۶۰؛ حیات شیخ الاسلام از محمد میاں' مطبوعہ اسلامی کتاب گھر دیوبند۔

۲۔ تاریخ اورینٹل کالج' ص ۱۵۵۔

Marfat.com

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب نے متعدد مقالات و مضامین کے علاوہ فہارس العقد الفرید لابن عبدربہ' مبخانہ عبدالغنی فخر الزمانی قزوینی' تتمہ صوان الحکمۃ لعلی بن زید البیہقی' درۃ الاخبار' مطلع سعدین' مکاتبات رشیدی اور مثنوی وامق و عذرا کی تحقیق و تحشیہ وغیرہ اپنی علمی یادگار چھوڑی ہیں۔

مولانا محمد یوسف دہلوی

مولانا محمد یوسف بن مولانا محمد الیاس کاندھلوی ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ متقی' عالم با عمل اور فاضل انسان تھے۔ اپنے والد کے تبلیغی مشن کے لیے زندگی وقف تھی اور اشاعت اسلام کی تحریک کو نواح عالم میں پھیلایا۔ ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۵ء میں فوت ہوئے۔(۱)

مولانا نے دینی موضوعات پر قابل قدر ذخیرہ چھوڑا ہے۔ سیر الصحابہ اور امانی الاخبار شرح معانی الآثار للطحاوی آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

مولانا عبدالعزیز میمن

برصغیر کے علماے عربیہ میں مولانا عبدالعزیز میمن خصوصی تذکرے کے مستحق ہیں جو عربی علوم و ادب کے بہت بڑے عالم' بے حد ذہین اور محنتی آدمی تھے۔ آپ کا حافظہ بہت قوی تھا' ہزاروں اشعار یاد تھے اور عربی زبان و ادب کے ہر موضوع پر بے تکان علمی گفتگو کر سکتے تھے۔ مولانا ۱۸۸۹ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ مولوی ڈپٹی نذیر احمد کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اپنی خداداد قابلیت اور محنت سے عربی علوم کی تاریخ پر عبور حاصل کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کیا۔ اسلامیہ کالج پشاور اور اورینٹل کالج لاہور میں لیکچرار رہے پھر علی گڑھ میں ریڈر اور بعد میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے' جہاں سے ۱۹۴۹ء میں سبکدوش ہوئے۔ بعد ازاں کراچی یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر رہے۔

۱۔ تذکرہ مشائخ دیوبند' ص ۳۹۹' تذکرہ حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی' مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۶۷ء۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے اور اس کی لائبریری کو عربی و اسلامی علوم کے ذخائر سے بھر دیا۔ پھر پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر اور صدر شعبہ عربی بنے۔ جہاں سے ۱۹۶۶ء میں سبکدوش ہوئے۔ پھر کراچی میں مقیم ہوئے اور وہیں پر انتقال فرمایا۔

مولانا میمن عربی زبان کے مسلم عالم و محقق ہیں۔ عرب دنیا کے علما اور یورپ کے مستشرقین بھی ان کے علم و فضل کے معترف ہیں۔ بلاد عرب اور اسلامی دنیا کے کئی سفر کیے اور دنیا بھر کے قدیم عربی کتب خانوں کا علم رکھتے تھے۔ دو درجن سے زائد عربی کتب کو زندہ کیا ہے۔ جن میں سمط اللآلی ایک معرکتہ الاراء اور شاندار علمی کارنامہ ہے۔ ایک مدت تک عربی زبان کے مختلف رسالوں میں علمی تحقیقی مقالات لکھتے رہے۔ "ابوالعلاء وما الیہ" آپ کی یادگار تصنیف ہے جو آپ نے ۱۹۳۳ء میں لکھی اور قاہرہ سے چھپی۔ ما اتفق لفظہ واختلف معناہ من القران للمبرد' الفاضل للمبرد' نسب عدنان و قحطان للمبرد' الوحشیات لابی تمام' دیوان حمید بن ثور الہلالی' دیوان سحیم العبد' کتاب التنبیہات لابن حمزہ وغیرہ کو آپ نے ایڈٹ کیا۔

مولانا نے تحقیق کے میدان میں جو نیا اسلوب اور عمدہ معیار پیش کیا ہے اس کی حقیقت و افادیت کا عرب دنیا کے فضلا کے علاوہ مستشرقین نے بھی اعتراف کیا ہے۔ مولانا کے علمی کارناموں میں سے صرف دو پر خصوصی نظر ضروری ہے جن میں ایک تو ان کا وہ تحقیقی کارنامہ ہے جو انہوں نے سمط اللآلی کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر کے خراج تحسین حاصل کیا۔ ابن خلدون کے نزدیک جو چار کتابیں عربی ادب کے ستون کی حیثیت رکھتی ہیں ان میں سے ایک ابو علی اسماعیل بن القاسم القالی (م ۳۵۶ھ / ۹۶۶ء) کی کتاب الامالی ہے۔ اس کتاب کی ایک تنقیدی شرح ابوعبیداللہ بن عبدالعزیز البکری م ۴۸۷ھ / ۱۰۹۴ء نے لکھی تھی جو اللآلی فی شرح امالی القالی' کے نام سے موسوم تھی' میمن صاحب نے اس کتاب کو زندہ کر کے نہ صرف یہ کہ میدان تحقیق میں ایک شاندار کارنامہ انجام دیا ہے بلکہ عربی میں انہوں نے جو نئی راہ نکالی ہے وہ خصوصیت کے ساتھ قابل تعریف ہے۔

Marfat.com

یہ کتاب مولانا نے اس وقت ایڈٹ کی جب آپ علی گڑھ یونیورسٹی میں صدر شعبہ عربی تھے۔ یہ کتاب ۱۹۳۶ء میں مصر سے چھپی۔

مولانا کی دوسری معرکتہ الارا تصنیف **ابوالعلا و ما الیہ** ہے جو عربی کے شہرہ آفاق فلسفی ابوالعلا المعری کا مفصل اور جامع تذکرہ ہے' ابوالعلاء معری پر قدیم زمانوں کی طرح جدید دور میں بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ جدید دور کے فضلا میں سے برطانوی مستشرق مارگولیتھ اور ڈاکٹر طہ حسین کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ میمن صاحب نے یہ کتاب شعبان ۱۹۲۴ء / ۱۳۴۳ء میں اس وقت مکمل کی جب آپ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں عربی مدرس تھے۔ اس سے پہلے مارگولیتھ اور ڈاکٹر طہ حسین معری پر اپنی علمی تحقیق پیش کر کے خراج تحسین حاصل کر چکے تھے' لیکن مولانا نے نہ صرف یہ کہ ابوالعلاء معری کے بارے میں مزید معلومات مہیا کیں' بلکہ ان ہر دو فضلا کی بہت سی اغلاط کی بھی نشاندھی کی' خصوصیت کے ساتھ اسلامی اندلس میں معری کی مقبولیت اور اس کے دینی عقیدے پر مفصل معلومات سب سے پہلے مولانا ہی نے اپنی کتاب میں فراہم کیں۔ اس کتاب کی وجہ سے ایک تو مولانا عربی دنیا اور مستشرقین کے علمی حلقوں میں متعارف ہوئے اور دوسرے اس کتاب نے مصر کے ادبی حلقوں میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ یہ کتاب ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء میں مصر میں شائع ہوئی اور اس وقت کے ادب نے اس کتاب کے مخالف و موافق اپنی آراء کا اظہار کیا جن میں خود ڈاکٹر طہ حسین بھی شامل ہیں۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی

برصغیر پاک و ہند سے عربی و اسلامی علوم کی تاریخ لکھتے وقت ان مایہ ناز اور بلند ہستیوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا' جنہوں نے اردو اور انگریزی کے ذریعہ عربی علوم و ادب کی خدمت انجام دی۔ اردو کے ذریعہ عربی و اسلامی علوم کی جن لوگوں نے خدمت کی ان میں مولانا قاسم نانوتوی کا نام سرفہرست ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۳ء میں ہوئی۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے بانی اور سرسید احمد خاں کے ہم جماعت اور استاد بھائی

تھے۔ آپ نے مولانا مملوک علی نانوتوی سے مروجہ درسی کتابیں پڑھیں اور شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ آپ نے ہندو پنڈتوں اور عیسائی پادریوں کے ساتھ مناظرے کر کے اسلام کی برتری ثابت کی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ تحذیر الناس' آب حیات' تقریر دلپذیر' انتباہ المومنین' مباحثہ شاہ جہان پور' ہدایۃ الشیعہ' اور قبلہ نما' آپ کی اہم تصانیف ہیں۔(۱)

سرسید احمد خاں

برصغیر پاک و ہند سے ملت اسلامیہ کی عظیم ترین اور عہد آفرین شخصیت جس نے زوال پذیر اسلامی معاشرے اور ہر لحاظ سے پستی کی طرف جانے والی مسلم قوم کو سنبھلنے کے لیے خبردار کیا اور رہنما خطوط مہیا کرنے کے علاوہ ایک زبردست اسلامی تحریک کو جنم دیا جو آگے چل کر دولت خداداد پاکستان کے قیام کے لیے نقش اول ثابت ہوئی' وہ مولانا سرسید احمد خاں کی ذات گرامی ہے۔ وہ ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۷ء کو دلی میں پیدا ہوئے اور عربی و فارسی کے متداول علوم کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولوی حمید الدین اور مولانا مملوک علی نانوتوی بھی شامل ہیں۔(۲) ۱۸۳۸ء میں سرسید احمد خاں انگریزی حکومت کے میر منشی مقرر ہوئے اور اس کے بعد ۱۸۷۷ء تک مختلف مقامات پر سرکاری مناصب پر فائز ہوتے رہے۔ ۱۸۷۷ء میں آپ نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ قائم کیا' جس نے آگے چل کر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی شکل اختیار کر لی۔

تقریباً" ۳۵ سال کی ملازمت کے بعد ۱۸۷۸ء سے لے کر ۱۸۹۸ء میں اپنی وفات تک سرسید ہمہ تن اصلاح قوم کے کام میں مشغول رہے۔ ملازمت کے دوران

۱۔ نقوش (اکتوبر ۱۹۵۶ء) لاہور' ص ۱۲۶۷۔

۲۔ حیات جاوید' ص ۳۴' بیعد' موج کوثر' ص ۸۰۔

Marfat.com

بھی وہ جہاں گئے اصلاح قوم کی مہم کو جاری رکھا۔ کہیں مدارس قائم کیے، کہیں علمی انجمنیں بنائیں اور کہیں بحث و تحقیق کے کارنامے انجام دیئے۔ سرسید نے تفسیر احمدی' کے نام سے قرآن کریم کی ایک جدید تفسیر لکھی ہے۔ خطبات احمدیہ (جو سر ولیم میور کی کتاب لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتراضات کے جواب میں ہے)' اسباب بغاوت ہند' انتخاب الاخوین' یعنی قواعد دیوانی کا خلاصہ' قول متین در ابطال زمین' تسھیل فی جرالثقیل' آثار الصنادید اور تذکرہ اہل دہلی' ان کی تصانیف ہیں۔ مؤخرالذکر کتاب اس لحاظ سے خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں سرسید نے اپنے عہد کے ان تمام اہل علم و ہنر کا تذکرہ کیا ہے جو دہلی میں تھے۔ عربی زبان و ادب کے علما کے تذکروں کے ضمن میں ان کے ایسے نادر نثری نمونے اور شاہ کار عربی قصائد بھی جمع کر دیئے ہیں جو اور کہیں دستیاب نہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہی

مولانا رشید احمد گنگوہی جو مفتی صدر الدین آزردہ' مولانا مملوک علی نانوتوی' شاہ عبدالغنی دہلوی کے ارشد تلامذہ اور دارالعلوم دیوبند کے بانیوں اور سرپرستوں میں سے تھے' اپنے عہد کے ایک عالم باعمل اور صوفی تھے۔ آپ نے عربی و اسلامی علوم پر اردو میں بہت کام کیا ہے۔ ۱۹۰۵ء میں آپ کی وفات ہوئی اور الکوکب الدری' براہین قاطعہ' ہدایہ المبتدی اور سبیل الرشاد وغیرہ آپ کی اہم مؤلفات ہیں۔(۱)

مولانا شبلی نعمانی

برصغیر میں عربی زبان و ادب کی تاریخ لکھتے وقت مولانا محمد شبلی نعمانی (م۔ ۱۹۱۴ء) کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ عربی زبان و ادب کے ماہر تھے۔ آپ

۱۔ پاکستان کا معمار اول سرسید' ص "ج"۔

نے دارالمصنفین اعظم گڑھ کا ادارہ قائم کر کے عربی و اسلامی علوم کے متعلق تحقیق کی راہیں کھول دیں۔ آپ کی تمام تصانیف اردو زبان میں ہیں' لیکن سیرت اور علم کلام کے متعلق آپ کی تمام تصانیف کے ماخذ عربی زبان میں متقدمین کی متعلقہ تصانیف ہیں۔ آپ کی تصنیف سیرت النبیؐ ایک عظیم کارنامہ ہے جس کا ترجمہ عربی میں ہو چکا ہے۔

علامہ عنایت اللہ خان مشرقی

جہاں تک عربی زبان میں تصنیف کا تعلق ہے پاکستان بننے سے پہلے علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی نے اپنی مشہور تالیف "تذکرہ" کا مبسوط مقدمہ عربی زبان میں تحریر کیا جس میں انہوں نے قرآن مجید کے اسلوب کی پیروی کرنے کی کوشش کی۔ مقدمہ میں علامہ موصوف نے بنیادی طور پر یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کو فرقہ وارانہ اختلافات ترک کر کے متحد ہو جانا چاہیئے اور ملی بقا کے لیے ہمیشہ سرکفت رہنا چاہیے۔ تذکرہ در اصل ان کی خاکسار تحریک کے نظریہ عمل کی تشریح پر مشتمل ہے۔ جس کا مقصد خدمت خلق کے ذریعے احیائے ملت ہے۔

دیگر اہل علم

اس کے علاوہ اس عہد میں مندرہ ذیل فضلا نے عربی زبان و ادب کی بڑی خدمات انجام دی ہیں:

۱۔ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی صاحب کشف الغطاء عن الموطا۔

۲۔ مولانا ابو الوفا افغانی' جو ایک عالم' فقیہ اور محدث ہیں اور کتاب الآثار امام ابو یوسف' مختصر الطحاوی اور اصول السرخسی کو ایڈٹ کیا ہے۔

۳۔ مولانا امجد علی' ایک عالم اور فقیہ' آپ نے الطحاوی کی شرح لکھی ہے۔

۴۔ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی' انہوں نے مسند الحمیدی اور مصنف ابن ابی شیبہ کو ایڈٹ کیا ہے۔

۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ' دور حاضر کے عظیم مسلمان محقق اور عربی و فرانسیسی کے

Marfat.com

ماہر عالم۔ انہوں نے کئی عربی کتابوں کو زندہ کیا ہے جن میں صحیفہ ہمام بن منبہ' انساب الاشراف للبلاذری اور کتاب البنات لابی حنیفہ دینوری بھی شامل ہیں۔

۶۔ سید دیدار علی شاہ' عربی کے عالم' محدث اور فقیہ۔ میزان الادیان' آپ کی تصنیف ہے۔

۷۔ پروفیسر زاہد علی جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں عربی کے پروفیسر۔ انہوں نے دیوان ابن ھا کو ایڈٹ کیا ہے۔

۸۔ مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی' برادر مولانا شبیر احمد عثمانی ایک بزرگ عالم دین اور عربی زبان کے شاعر اور ادیب۔ اعلاء السنن اور احکلم القران آپ کی تصانیف ہیں۔

۹۔ مولانا سید ظفر الدین بہاری' عالم معقولات و منقولات اور ممتاز محدث و فقیہ۔ کئی کتابون کے مصنف ہیں۔

۱۰۔ ڈاکٹر عبدالحق مدراسی' عربی کے عالم و ادیب۔ انہوں نے دیوان ابن سناء الملک کو ایڈٹ کیا ہے۔

۱۱۔ مولانا عبدالصمد بھونڈی (بمبئی)۔ ایک ممتاز عالم اور محدث۔ انہوں نے الرد المنطقیین اور تحفۃ الاشراف کو ایڈٹ کیا ہے۔

عربی و اسلامی علوم کی خدمات کے سلسلے میں چند ایک اور نام بھی قابل ذکر ہیں۔

۱۲۔ عبداللہ شاہ حیدر آبادی' مصحح و مرتب زجاج المصابیح۔

۱۳۔ سید ابو الحسن علی ندوی' عربی کے مایہ ناز ادیب و انشا پرداز' عربی میں کئی ایک بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں' جیسے موقف العالم الاسلامی' القادیانیہ اور روائع اقبال۔

۱۴۔ فضل احمد حیدر آبادی جو ایک متقی عالم دین اور ادیب ہیں اور حدیث و تفسیر کے ممتاز عالم۔ التطبیق الصبیح آپ کی اہم تصنیف ہے۔

Marfat.com

۱۵۔ قاضی محمد اطہر مبارک پوری' مصنف رجال السند والسند اور ایڈیٹر البلاغ بمبئی۔

۱۶۔ مولانا محمد زکریا سہارنپوری شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور' اوجز المسالک شرح موطا الامام مالک کے مصنف۔

۱۷۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی' ایک جید عالم اور فقیہ و محدث ہیں اور معارف القرآن' التصریح اور ہدایہ المبتدی وغیرہ متعدد تصانیف کے مصنف ہیں۔

۱۸۔ محمد حسین خاں ٹونکی مصنف معجم المصنفین اور معارف القرآن وغیرہ بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱۹۔ ڈاکٹر معظم حسین آف ڈھاکہ مصحح معرفۃ علوم الحدیث الحاکم۔

۲۰۔ مفتی مہدی حسن دیوبندی ایک ممتاز عالم اور فقیہ اور کتاب الحجہ کی شرح کے مؤلف۔

۲۱۔ مولانا میرک شاہ کشمیری جو عربی زبان کے ادیب اور ممتاز عالم اور عقیدہ المحدثین اور شرح القوالی کے مصنف ہیں۔

۲۲۔ وحید الدین عالی حیدر آبادی اردو فارسی اور عربی کے ماہر ادیب اور شاعر۔ اور کئی ایسے ہی دیگر علماء کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

○

قیام پاکستان کے بعد کی صورت حال

قیام پاکستان کے بعد عربی زبان اور علوم اسلامیہ کی جو ترقی ہونی چاہیے تھی وہ تو نہیں ہو سکی تاہم پاکستان میں مقدور بھر کوشش جاری رہی اور جاری ہے۔ حکومت پاکستان نے علوم اسلامیہ اور عربی زبان و ادب کی ترقی کے لیے دو رسائل "البشیر" اور "الوعی" جاری کیے جن میں قیمتی مواد اور قابل قدر مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی قائم کیا جو شروع میں کراچی میں تھا' مگر بعد میں اسلام آباد میں منتقل ہو گیا ہے۔ یہ ادارہ تین پرچے نکالتا ہے جن میں سے ایک انگریزی' دوسرا اردو

Marfat.com

اور تیسرا عربی میں علمی و تحقیقی مقالات شائع کرتا ہے۔ عربی کا رسالہ الدراسات الاسلامیہ کے نام سے سہ ماہی شائع ہوتا ہے۔ یہ ادارہ کئی ایک مفید کتابیں تحقیق کے بعد شائع کر چکا ہے۔ اس ادارے کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی ابتدائی تنظیم میں مولانا عبدالعزیز میمن کا بہت بڑا ہاتھ ہے اور ڈاکٹر طہٰ حسین معصومی جیسے فضلا بھی اس ادارے سے وابستہ رہے ہیں جو فاضل دیوبند ہونے کے ساتھ ساتھ مروجہ تعلیم کے مراحل سے بھی گزرے ہیں اور اپنی بلند پایہ علمی ابحاث اور تحقیق کی بنیاد پر مجمع اللغتہ العربیہ دمشق کے عضو مراسل منتخب ہوئے ہیں۔

حکومت پاکستان کی دوسری کوشش جامعہ اسلامیہ بہاول پور کا قیام ہے اس یونیورسٹی کے مقاصد میں سرفہرست عربی اور اسلامی علوم کی اشاعت اور ترقی ہے اور جامعہ ازہر مصر کی طرز پر اسے ایک بین الاقوامی ادارہ بنانا بھی اس مقصد میں شامل ہے۔

مولانا محمد یوسف بنوری

عربی زبان کے مایہ ناز فاضل تھے۔ آپ نے کراچی میں مجلس علمی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس کا مقصد عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم کی اشاعت ہے۔ یہ ادارہ اب تک کئی ایک اہم اور مفید علمی خدمات انجام دے چکا ہے، جس میں سے ایک نفحۃ العنبر کی اشاعت ہے۔ یہ کتاب اصل میں مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کا مفصل اور جامع تذکرہ ہے جو مولانا یوسف بنوری نے شستہ اور فصیح عربی زبان میں مرتب کیا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے عربی دان عالم کا عربی زبان میں یہ سب سے پہلا اور ضخیم تذکرہ ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

جدید دور میں اسلام اور ملت سلامیہ کی بے لوث اور بے بہا خدمت کے ساتھ عربی و اسلامی علوم کی جو خدمت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے کی ہے وہ ناقابل فراموش ہے اور خصوصی تذکرے کی متقاضی ہے۔ مولانا ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء کو اورنگ آباد ریاست حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ صحافتی زندگی کا آغاز اٹھارہ سال کی عمر میں جمعیت علمائے ہند

Marfat.com

کے اخبار الجمعیہ کی ایڈیٹری سے کیا اور اسی دور میں **الجہاد فی الاسلام** لکھ کر علمی دنیا سے متعارف ہوئے۔ ۱۹۳۲ء میں حیدر آباد دکن سے ترجمان القرآن جاری کیا جو وفات تک آپ کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۴۱ میں جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۵۳ء میں مارشل لاء کے تحت سزائے موت کا حکم ہوا' مگر بعد میں رہا کر دیئے گئے اور مولانا اپنی وفات تک سیاست کے ساتھ علم کی خدمت بھی کرتے رہے ہیں۔

مولانا جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور رابطہ اسلامی مکہ مکرمہ کے تاسیسی ارکان میں سے تھے۔ رباط میں مؤتمر عالم اسلامی میں ایک مبصر کی حیثیت سے شریک کیے گئے۔ وہ بلاشبہ اس دور کے مفکر اسلام اور بین الاقوامی شہرت کے عالم اور رہنما تھے۔ مولانا کی تصانیف میں قرآن کریم کی تفسیر تفہیم القرآن' الجہاد فی الاسلام' سود' پردہ' تنقیحات' تفہیمات' مسئلہ قومیت اور مسئلہ جبر و قدر اہم ہیں۔ آپ کی بہت سی تصانیف کا عربی میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔

اس عہد کے دیگر علما

جن علما کا اب ذکر ہو رہا ہے اردو ذریعہ اظہار ہو جانے کے باعث انہوں نے عربی زبان میں کوئی تصنیفات نہیں چھوڑیں' لیکن عربی اور اسلامی علوم میں ان کی مہارت غیر معمولی تھی۔

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) پٹنہ کالج میں عربی اور فارسی کے استاد رہے۔مولانا شبلی نعمانی کی تصنیف سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل آپ کے ہاتھوں ہوئی۔ ۱۹۵۰ء میں کراچی چلے آئے تھے اور یہیں فوت ہوئے۔

(۲) مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) مشہور صاحب طرز ادیب' سیاست دان' متعدد تصانیف کے مؤلف و مفسر قرآن تھے۔

(۳) مولانا عبدالسلام ندوی (م ۱۹۵۶ء) نے بھی اسلامی علوم اور تاریخ کے موضوع پر ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔

(۴) مولانا سید رئیس احمد جعفری (م۔ ۱۹۶۹ء) بھی بہت بڑے عالم تھے اور کئی

حیثیتوں سے عربی و اسلامی علوم کی خدمت کرتے رہے۔

(۵) ندوۃ کے ایک فاضل مولانا ابو ظفر ندوی ہیں جو اسلام اور عربی تمدن' حکما اسلام' اور تبع تابعین کے علاوہ کئی ایک بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ بہت اچھا لکھتے ہیں اور عربی و اسلامی علوم پر گہری نظر ہے۔

(۶) مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم فاضل دیوبند بھی عربی و اسلامی علوم کے جلیل القدر علما میں سے تھے۔ آپ کا رسالہ برہان (دہلی) ایک عمدہ معیاری علمی و تحقیقی ماہنامہ ہے۔ جس نے اسلامی علوم کی بڑی خدمت کی ہے۔ مولانا ایک عرصہ تک مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل بھی رہے۔(۱) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے وابستہ رہے۔ کراچی میں انتقال فرمایا۔ فہم القرآن' غلامان اسلام' صدیق اکبر اور وحی الٰہی آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

ان بزرگوں کے علاوہ کئی اور علماء نے بھی اردو زبان میں عربی ادب اور علوم کی نشرو اشاعت اور ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ جن میں حسب ذیل اہم ہیں:

(۷) سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی صاحب تیسیر القران ہیں۔

(۸) مفتی احمد یار خاں بدایونی' ثم گجراتی مصنف تفسیر نعیمی۔

(۹) مولانا اسلم جیراجپوری' تاریخ الامت اور محجوب الارث کے مصنف۔

(۱۰) مولانا بدر عالم میرٹھی ایک بلند پایہ عالم' محدث اور مفسر اور "ترجمان السنہ" کے مصنف۔

(۱۱) مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ایک جلیل القدر عالم' مسلم محقق' مشہور صاحب قلم اور قصص القرآن کے مصنف۔

(۱۲) ڈاکٹر خورشید احمد فاروقی علی گڑھ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل اور مولانا عبدالعزیز میمن کے شاگرد خاص اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط پر خوب داد تحقیق دی ہے۔

۱۔ تاریخ دیوبند' ص۔ ۱۰۳

Marfat.com

(۱۳) قاضی زین العابدین میرٹھی ایک مسلم عالم اور مؤرخ۔ بیان اللسان اور تاریخ ملت' آپ کی قابل ذکر تصانیف ہیں۔

(۱۴) مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن عربی زبان و اسلامی علوم کے مستند فاضل اور مؤرخ۔ بزم صوفیہ' بزم مملوکیہ اور بزم تیموریہ کے مصنف۔

(۱۵) مولانا عبدالحق حقانی' جو ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سرپرستوں میں سے تھے اور تفسیر حقانی کے مصنف ہیں اور اصول تفسیر کے موضوع پر ایک جامع رسالہ لکھ کر مقدمے کے طور پر اپنی تفسیر کے شروع میں شامل کیا ہے۔

(۱۶) مولانا عبدالدائم الجلالی رامپوری جو ایک بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے مترجم بھی تھے۔ "تفسیر مظہری" "فتوح الغیب" اور بعض کتب حدیث وغیرہ کا عربی سے اردو میں ترجمہ کر کے علمی حلقوں سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔

(۱۷) مولانا عبدالرشید نعمانی جنھوں نے تفسیر اور حدیث کے میدان میں اچھی علمی خدمات انجام دی ہیں۔ "لغات القرآن" "علم حدیث" اور "شرح ابن ماجہ وغیرہ آپ کی تصانیف ہیں۔

(۱۸) عبدالقدیر صدیقی' حیدر آباد دکن کے نامور فضلا میں سے ہیں۔ آپ کو تصوف اور فلسفہ سے گہری دلچسپی ہے۔ ایک نامور عالم اور مصنف کی حیثیت سے مسلم ہیں۔ محی الدین ابن العربی کی کتاب "فصوص الحکم" کا اردو ترجمہ کر چکے ہیں۔

(۱۹) علامہ عبداللہ العمادی۔ عربی فارسی اور اردو شاعری پر عبور رکھتے تھے اور عربی ادب' لغت' نحو اور عروض کے ماہر تھے۔ آپ نے "طبقات ابن سعد" کا اردو ترجمہ کیا اور ایک عرصہ تک دارالترجمہ و تالیف کا کام کرتے رہے اور یہیں ۲۱ ستمبر ۱۹۴۷ء میں انتقال ہوا۔(۱)

۱۔ نقوش لاہور ۱۹۵۰ء۔ فروری ۱۹۶۱ء۔

Marfat.com

(۲۰) مولانا عبدالواسع فلسفہ اور منطق کے ماہر تھے اور رسالہ "بدر" مرتب کیا۔

(۲۱) مولانا غلام قادر بھیروی' جنہوں نے اسلام کی پہلی کتاب اور اسلام کی دوسری کتاب کے عنوان سے مسلمان بچوں کے لیے بہترین نصابی سلسلہ مرتب کیا۔

(۲۲) مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی' جمعیۃ العلماء ہند کے سرگرم رہنما اور جنگ آزادی کے ایک مجاہد تھے۔ آپ نے تعلیم الاسلام کے نام سے ایک مفید نصابی سلسلہ مرتب کیا جو سوالاً" جواباً" ہونے کے باعث بڑا عام فہم اور دل نشین ہے۔ اس مکمل سلسلے کا انگریزی میں بھی ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

(۲۳) مولانا محمد طیب قاری دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم' جو ایک نامور فاضل اجل اور عالم معقولات و منقولات تھے اور اسلام کی فلسفیانہ تشریح پر بڑی قدرت رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے سائنس اور اسلام' التشبہ فی الاسلام' شان رسالت' علم غیب' معجزہ کیا ہے اور الاجتہاد والتقلید وغیرہ اہم ہیں۔

(۲۴) مولانا محمد منظور نعمانی' اس دور کے جلیل القدر عالم اور نامور مصنف ہیں۔ آپ کا رسالہ "الفرقان" ایک مدت سے عربی و اسلامی علوم کی شاندار خدمات انجام دے رہا ہے۔ اسی رسالے میں آپ نے معارف الحدیث کا سلسلہ شروع کیا جو بعد ازاں کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ آپ کی دیگر تصانیف میں سے "نماز کی حقیقت" اور قرآن آپ سے کیا کہتا ہے اور دین و شریعت قابل ذکر ہیں۔

(۲۵) مولانا شاہ معین الدین ندوی: آپ ایک مدت سے دارالمصنفین اعظم گڑھ سے منسلک اور بحث و تحقیق میں مشغول رہے۔ آپ کی تصانیف میں سے مہاجرین' دین رحمت' خلفائے راشدین' سیر الصحابہ اور تاریخ اسلام وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر کتاب کئی جلدوں میں ہے اور اسلام کی مستند تاریخ سمجھی جاتی ہے اور کئی ایک جامعات کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔

(۲۶) مولانا سید مناظر احسن گیلانی: آپ دارالعلوم دیوبند کے فضلا میں سے ہیں اور تمام عمر عربی و اسلامی علوم کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھی۔

Marfat.com

آپ کی تصانیف یہ ہیں: امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی' ابو ذر غفاری' اسلامی معاشیات' کائنات روحانی' النبی الخاتم' ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت' تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ' تدوین قرآن اور تدوین حدیث۔

(۲۷) مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی ایک جلیل القدر عالم دین اور نامور فاضل تھے۔ ہزاروں لوگ آپ کے فیض سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ نے "خزائن العرفان" کے نام سے قرآن کریم کی ایک عمدہ تفسیر لکھی۔

(۲۸) مولانا وحید الزمان خان شہید۔ مولانا نے غریب الحدیث کے موضوع پر اردو میں ایک بیش بہا ذخیرے کا اضافہ کیا ہے۔ آپ نے "سنن ابی ماجہ" اور "سنن ابی داؤد" کا اردو میں ترجمہ و تشریح کی۔ اسی طرح "صحیح بخاری" کا اردو میں ترجمۂ و تشریح' جو "تیسیر الباری" کے نام سے مشہور ہے' بہت پسندیدہ ہے اور مقبول شروح بخاری میں سے ایک ہے۔ اس کے علاوہ "انوار اللغات" یا "وحید اللغات" "لغات الحدیث" "کشف المغطاعن "کتاب الموطا تبویب القرآن بضبط مضامین القرآن" اور "لغات القرآن" بھی آپ کی قابل ذکر تصانیف ہیں۔

○

انگریزی میں علوم عربی سے متعلق تصانیف

برصغیر پاک و ہند میں چونکہ ایک طویل مدت تک انگریزی زبان سرکاری زبان کی حیثیت سے مروج و متداول رہی ہے' اس لیے علمائے اسلام میں سے بعض نے ملت اسلامیہ کی جدید تعلیم یافتہ نسل کو اسلام کے قریب لانے اور قرآن اور اس سے متعلقہ علوم سے فائدہ اٹھانے کے لیے جہاں قرآن کریم اور بعض کتب حدیث کا انگریزی میں ترجمہ کیا' وہاں اسلام کے بنیادی اصولوں عقائد و عبادات اور تاریخ اسلام پر انگریزی میں مفید کتابیں لکھی ہیں۔ اس لیے ان کا اجمالاً تذکرہ بھی ضروری اور مفید ہو گا۔ ان میں سرفہرست حکیم الامت علامہ محمد اقبال (۱۸۷۳ء۔ ۱۹۳۸ء) ہیں۔ آپ کو عربی و اسلامی علوم سے گہرا شغف تھا۔ انہوں نے جا بجا آیات طیبہ' احادیث مبارکہ ائمہ و علمائے عرب کے

اقوال اور عرب شعراء کے بعض مصرعوں کو اپنے کلام کی زینت بنایا ہے۔ آپ کے معرکہ الاراء خطبات Reconstruction of religious Thought in Islam کا تجدید فی الاسلام کے نام سے عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس طرح آپ کے اردو اور فارسی کلام کا بھی الفکو الدینی کے نام سے عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اقبال کے سب سے زیادہ تراجم ڈاکٹر عبدالوہاب عزام (م ۱۹۵۹ء) ' عباس محمود العقاد (م ۱۹۶۴ء) اور شیخ محمد صادی شعلان الازہری نے کیے ہیں۔

سید امیر علی نے سپرٹ آف اسلام اور ہسٹری آف سارا سین لکھی۔ مولوی محمد علی لاہوری نے انگریزی میں قرآن کی تفسیر اور The Religion of Islam وغیرہ ”لکھیں۔ مولانا عبدالماجد دریابادی عربی و اسلامی علوم کے تبحر عالم تھے۔ آپ نے اردو کے علاوہ انگریزی میں قرآن کا ترجمہ اور تفسیر لکھی۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی الہ آباد یونیورسٹی نے جرمنی زبان میں عربی کے دخیل الفاظ پر عالمانہ تحقیق پیش کی ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے اسلامی موضوعات پر کئی کتابیں لکھی ہیں' جن میں The Ideology of Islam اس سلسلے کی ممتاز خدمت ہے۔ ڈاکٹر برکت علی مرحوم' سابق پروفیسر شعبہ عربی اور پرنسپل اورینٹل کالج لاہور نے State and Culture as Veined by Ibn Khaldun کے نام سے ایک عالمانہ تحقیق اپنی یادگار چھوڑی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ سابق پروفیسر عربی اورینٹل کالج لاہور نے کئی ایک قابل قدر کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں ان کی کتاب Why we learn the Arabic Language خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ اس سلسلے میں خصوصی تذکرہ کی مستحق دو شخصیات ہیں: ان میں ایک ڈاکٹر زبید احمد استاد عربی الہ آباد یونیورسٹی ہیں' جن کا پراز معلومات اور عالمانہ مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی بعنوان The Contribution of India to Arabic Literature طبع ہو کر خراج تحسین وصول کر چکا ہے اور دوسری شخصیت ڈاکٹر محمد اسحاق' استاد عربی و اسلامیات

Marfat.com

ڈھاکہ یونیورسٹی کی ہے جنہوں نے India's contribution to the study of Hadith Literature کے نام سے ایک تحقیقی مقالہ پیش کیا ہے جو ۱۹۵۵ء میں ڈھاکہ سے طبع ہو چکا ہے۔

○

عرب زبان و ادب کی درسگاہوں میں تدریسی اور تحقیقی کام

عربی زبان و ادب کی تاریخ لکھتے وقت ان تعلیمی درسگاہوں، تحقیقی اداروں اور نشر و طباعت کا کام کرنے والے کتب خانوں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، جنہیں برصغیر پاک و ہند میں عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم و معارف کو عام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان درسگاہوں اور اداروں میں سے بعض تقسیم کے بعد ہندوستان میں رہ گئے۔ اور کچھ پاکستان میں ہیں۔ ان درسگاہوں کی وجہ سے عربی زبان و ادب اور علوم سے متعلق بڑا تحقیقی کام ہوا ہے۔ ہندوستان میں عربی و اسلامی علوم کی درسگاہوں میں سب سے اول الذکر فرنگی محل کا مدرسہ ہے، جو اورنگ زیب عالمگیر کی عطا کردہ زمین میں ملا نظام الدین نے قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ کے نصاب تعلیم میں قواعد زبان یعنی صرف و نحو کے ساتھ ساتھ عقلی علوم، مثلاً" منطق، فلسفہ، بلاغت، ریاضی، اصول فقہ، علم الکلام پر بڑا زور دیا گیا تھا، لیکن نقلی علوم نہ ہونے کے برابر تھے، مثلاً" زبان و ادب کے لیے تو اس میں گنجائش ہی نہ تھی۔ تفسیر وحدیث بھی برائے نام شامل نصاب کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس درسگاہ نے بڑے بڑے فقیہ، منطق اور یونانی فلسفہ کے ماہر تو پیدا کیے، مگر کوئی ادیب، مفسر یا محدث شاذ و نادر ہی پیدا ہوا۔(۱) فرنگی محل نے جو مشہور زمانہ علما و فضلا پیدا کیے ان میں بحرالعلوم مولانا عبدالعلی بن ملا نظام الدین سہالوی، مولانا عبدالحی لکھنوی صاحب الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔(۲)

۱۔ رود کوثر، ص ۲۰۷۔

۲۔ ایضاً۔

Marfat.com

برصغیر پاک و ہند کا دوسرا مدرسہ عربیہ مظاہر العلوم سہارنپور ہے۔ اس درسگاہ کی بنیاد ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۶ء کے ماہ رجب میں پڑی۔ اس درسگاہ نے علم دین، اسلام کی اشاعت اور ہند کی ملت اسلامیہ کی خدمت کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ علم حدیث کی خدمت کے سلسلے میں اس درسگاہ کے علما پیش پیش رہے۔ مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کی شرح ابوداؤد جو "بذل المجهود" کے نام سے مشہور ہے اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوری کی شرح موطا امام مالک موسوم بہ "**اوجز المسالک**" علم حدیث کے عظیم شاہکار ہیں۔(۱)

تیسری مشہور درسگاہ دارالعلوم دیوبند ہے۔ اس کا نصاب تعلیم مدرسہ فرنگی محل سے اس لحاظ سے بہت مختلف ہے کہ اس میں جہاں منطق و فلسفہ کی جگہ تفسیر، حدیث اور دیگر دینی علوم کو فوقیت دی گئی ہے وہاں عربی ادب پر بھی قابل قدر توجہ دی گئی ہے۔ اور نظم و نثر کے معیاری نمونے داخل نصاب ہوئے ہیں۔ اس درسگاہ سے مولوی ذوالفقار علی دیوبندی اور مولانا اعزاز علی جیسے ادیب، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا عبید اللہ سندھی ایسے مجاہد قائدین اور مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی ایسے تبحر عالم اور محدث اور مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایسے صاحب قلم پیدا ہوئے۔

اس ضمن میں ندوۃ العلما لکھنؤ کا ذکر ضروری ہے جس کا قیام ۱۸۹۴ء میں عمل میں آیا۔ اس کے محرک مولوی عبدالغفور ڈپٹی کلکٹر تھے، مگر اس کی تکمیل مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری کے ہاتھوں انجام پائی۔ مولانا شبلی اور مولوی عبدالحق دہلوی صاحب تفسیر حقانی نے قواعد و ضوابط مرتب کیے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے قدیم علما اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے جدیدیت پسند علما کے بین بین کام کرنے والی ایک جماعت اہل علم تیار ہو جو جدید و قدیم کا حسین امتزاج ہو۔ ندوۃ العلما کے

۱۔ موج کوثر ص ۱۸۹۔ ۱۹۱۔

Marfat.com

مقاصد میں دینی علوم کے نصاب کی اصلاح' اختلافی و نزاعی مسائل میں اتفاق کی کوشش اور اصلاح امت اسلامیہ ہے۔ اس کے ناظمین میں علامہ شبلی کے علاوہ مولانا عبدالحی لکھنوی صاحب نزھۃ الخواطر' نواب صدیق حسن خاں کے صاحبزادے نواب حسن علی خاں اور ڈاکٹر سید عبدالعلی بن عبدالحی شامل ہیں۔ اس درسگاہ نے عربی زبان و ادب کی ترقی کے سلسلے میں نمایاں کام کیا اور سید سلیمان ندوی' سید نجیب اشرف' مولانا عبدالسلام اور مولوی ابو ظفر ندوی ایسے جید علما اور مصنف پیدا کیے۔(۱)

○

لاہور کی عربی زبان اور علوم اسلامیہ کی درسگاہیں

لاہور کی قدیم درسگاہوں میں "دارالعلوم نعمانیہ" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ۱۳۰۵ھ / ۱۸۷۸ء میں مولوی خلیفہ تاج الدین' حکیم سلیم اللہ اور منشی سراج الدین وغیرہ نے انجمن نعمانیہ قائم کی' جس کا مقصد عربی و اسلامی علوم کی نشرواشاعت تھا۔ اس انجمن کے پاس عربی کتابوں کا ایک بہترین کتب خانہ ہے۔ اس درسگاہ سے شیخ الحدیث علامہ مفتی معین الدین اجمیری' مفتی محمد عبداللہ ٹونکی اور مولانا غلام مرشد جیسی ہستیاں پیدا ہوئیں۔ اس کے علاوہ دہلی دروازے میں دارالعلوم "حزب الاحناف" گڑھی شاہو میں جامعہ نعیمیہ' مفتی محمد حسن مرحوم کا "جامعہ اشرفیہ" اور "جامعہ مدنیہ" اسلامی اور عربی علوم کی اشاعت میں مصروف ہیں اور ان کی وجہ سے تصنیفات بھی ہو رہی ہیں۔ اسی طرح کراچی میں مولانا محمد یوسف بنوری کا دارالعلوم اور ان کی قائم کردہ مجلس علمی بہت اہم اور مفید کام انجام دے رہی ہیں۔

○

۱۔ موج کوثر' ص ۱۸۹ و ۱۹۱۔

Marfat.com

پاکستان کی یونیورسٹیوں میں تحقیقی کام

پنجاب یونیورسٹی، جو پاکستان کی سب سے بڑی اور قدیم ترین یونیورسٹی ہے، نے بھی کئی ایک علمی خدمات سرانجام دی ہیں۔ "لسان العرب" کے قوانی اور شعرا کی فہرست مرتب کر کے شائع کی جا چکی ہے۔ پشاور یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر میرولی خاں نے صوفی بایزید کی کتاب "مقصود المومنین" کو ایڈٹ کیا ہے اور پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ابو الولید الوقشی اندلسی اور ابن السید البطلیوسی نے "الکامل للمبرد" پر جو تنقید و شرح کی تھی اسے مؤخر الذکر کے ایک شاگرد ابوالحسن ابن سعد الخیر انصاری نے کتاب "القرط علی الکامل" کے نام سے یک جا جمع کر دیا تھا۔ یہ کتاب بھی ایڈٹ ہونے کے بعد طبع ہو چکی ہے۔ اسی طرح شیخ محمد بیگ بن یار محمد نقشبندی برہانپوری کی کتاب "ملحق خلاصۃ السیر" بھی اورینٹل کالج لاہور کے مجلّہ "انجمن عربی فارسی" میں شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک کا مقالہ "ابن القیم" اور ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کا مقالہ "کتاب القرط علی الکامل تخریج و تحشیہ" اس سلسلہ کی قابل قدر کڑیاں ہیں۔

کراچی یونیورسٹی میں ڈاکٹر سید محمد یوسف نے "حماسۃ الظرفاء یا الاشباہ والنظائر" کو عالمانہ تحقیق کے ساتھ شائع کیا ہے۔ یہ کتاب حال ہی میں دو جلدوں میں قاہرہ سے المعارف والوں نے شائع کی ہے۔ ڈاکٹر یوسف صاحب نے ایک اور کتاب "اندلس کی تاریخ و ادب" اردو میں شائع کی ہے، جو اندلس کی سیاسی اور ادبی تاریخ ہے۔ کراچی یونیورسٹی ہی میں ایک اور کتاب ایڈٹ ہوئی وہ ہے محمد العبد الکافی کی "حماسۃ الظرفاء من اشعار المحدثین والقدماء"۔

سندھ یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے صدر پروفیسر غلام حسین جلبانی نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علمی کارناموں اور دینی افکار پر ایک تحقیقی کتاب شائع کی ہے جس کا نام "شاہ ولی اللہ کی تعلیم" ہے۔ پشاور یونیورسٹی میں بھی عربی زبان کی تدریس و اشاعت پر خاص توجہ دی جا رہی ہے۔ جہاں شعبہ عربی و شعبہ اسلامیات میں تعلیم و تدریس کے لیے مصری علما موجود ہیں۔ توقع کی جاتی ہے کہ اس کوشش سے تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں بھی مفید

Marfat.com

نتائج نکلیں گے۔ حال ہی میں قائم ہونے والی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں عربی زبان کی تدریس و تحقیق عالمی معیار کی حامل ہے۔ یونیورسٹی کے اساتذہ میں غیر ملکی اساتذہ کی موجودگی سے نظام تعلیم پر مثبت اثر پڑا ہے۔

اداروں کا تحقیقی اور طباعتی کام

عربی زبان و ادب کی تحقیق اور ترویج کے سلسلہ میں بعض اداروں نے بھی بڑا کام کیا ہے۔ ہندوستان میں دائرہ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن' اس سلسلے میں سرفہرست ہے' جو ۱۳۱۰ء میں قائم ہوا اور نواب وقار الامراء مدارالمہام اور ملا عبدالقیوم اس کے معتمد مقرر ہوئے۔(۱) اس ادارے نے عربی زبان کے نادر مخطوطات اور ان کی عکسی نقول منگوانے اور تحقیق کے بعد شائع کرنے پر پانی کی طرح روپیہ بہایا ہے اور اس وقت تک بڑی ضخیم اور قیمتی کتب چھاپ چکا ہے۔(۱)

اہم عربی کتابوں کے تراجم' اسلامی و عربی علوم کو اردو میں پیش کرنے اور انہیں عام کرنے میں دارالمصنفین اعظم گڑھ نے بڑا کام کیا ہے جو علامہ شبلی نے قائم کیا تھا اور جس میں دارالعلوم ندوۃ العلما کے فارغ التحصیل علما نے تصنیف و تالیف کے میدان میں نام پیدا کیا۔ اسی طرح ندوۃ المصنفین دہلی نے بھی عربی و اسلامی علوم کو اردو میں پیش کر کے بڑی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس کے ناظم اعلیٰ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی تھے۔

اس کے علاوہ پاکستان میں اس قسم کے نشر و اشاعت کے اداروں میں مکتبہ جلال الدین الٰہی بخش لاہور' جس نے "شرح معانی الاثار" "منتہی الادب" اور "مشکوۃ" چھاپی ہیں۔

۱۔بستان آصفیہ' ص ۶۸۰۔

۲۔ایضاً۔ حیدر آباد۔ جو کبھی تھا' ص ۴۸۸۔

مکتبہ ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور، جس نے "النبراس" کی طباعت کی، "المکتبہ السلفیہ لاہور ملتان، جس نے "کتاب المصنف لابن ابی شیبہ" وغیرہ چھاپی ہیں۔ مکتبہ امدادیہ ملتان جس نے "المرقاۃ شرح المشکوۃ" چھاپی، مکتبہ سواد اعظم لاہور، جس نے شیخ عبدالحق محدث دہلی کی کتاب "ماثبت بالسنۃ" شائع کی اور اصح المطابع کراچی جس نے کئی ایک اہم کتب تفسیر و حدیث کے اردو تراجم کے علاوہ مدارس نظامیہ کی نصابی کتابیں اور صحاح ستہ خصوصاً "صحیح بخاری" "صحیح مسلم" اور "مشکوٰۃ المصابیح" کو عمدہ طریقے پر طبع کیا ہے، کے نام قابل ذکر ہیں۔ المکتبہ العلمیہ لاہور کے مالک مولانا عبیدالحق ندوی عربی و اسلامی علوم کی بڑ خدمت کر رہے ہیں اور انہوں نے اس وقت تک کئی ایک کتابیں چھاپی ہیں۔

○○○

Marfat.com

پاکستان کا نصابِ تعلیم (ایک جائزہ)

تعلیم کو عام کرنے اور جہالت کے خلاف جہاد کرنے سے کون انکار کر سکتا ہے' لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس معاملے میں ہم بڑے ہی سست رفتار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام کوششوں کے باوجود ہمارے ملک میں جہالت عام ہے اور تعلیم کے چرچے جتنے ہونے چاہییں نہیں ہیں۔ حکومت کا تو فرض ہے' لیکن معاشرے کے کھاتے پیتے لوگ بھی کچھ کم ذمہ دار نہیں۔ یہ پوری قوم کی ذمہ داری ہے اور دولت مندوں کو اس معاملے میں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔

نظام تعلیم کا ایک مسئلہ نصاب کی کتابوں کی تعداد بھی ہے۔ پرائمری جماعتوں میں کتب نصاب کی کثرت نے بچوں کی کمر توڑ دی ہے۔ اہل فکر و دانش کو اس معاملے پر غور کرنا چاہیے۔ پرائمری جماعتوں کی تدریس کا ماحول بھی علم و دانش کے لیے دعوت فکر ہے۔

ایک زمانہ تھا جب میٹرک کی جماعتوں میں حساب' الجبرا' جیومیٹری' جغرافیہ' تاریخ اور سائنس کی تدریس انگریزی میں ہوتی تھی۔ اب جبکہ ذریعہ تعلیم اردو ہے تو کوئی صورت جواز نہیں کہ میٹرک پورے دس سال میں کیا جائے۔ اگر دانشوران قوم' قومی نقطہ نظر سے سوچیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ہر بچے کا کم از کم ایک سال بچ سکتا ہے۔

انگریزی کی تدریس کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ پرائمری سطح پر ذریعۂ تعلیم اردو کو قرار دے کر اس کی طرف تدریجاً قدم بڑھتا رہے۔ البتہ انگریزی بحیثیت زبان ان طلبہ کے لیے لازمی قرار دے دی جائے جو سائنسی علوم پڑھنے کے شوقین ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے طلبہ کو بھی اختیار دیا جائے کہ وہ

Marfat.com

انگریزی کو بحیثیت زبان پڑھ سکیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ انگریزی زبان کی تدریس میں اور اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دینے میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ مثلاً پنجاب یونیورسٹی میں اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دے دیا جائے تو اس کے ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں ہوں گے کہ انگریزی کا شعبہ ختم کر دیا جائے۔ انگریزی بحیثیت ایک بین الاقوامی زبان کے بڑی اہمیت رکھتی ہے اور یہ بات بھی ہے کہ انگریزی زبان جدید علوم و فنون کی حامل ہے اور سائنسی علوم' بالخصوص میڈیکل اور انجینئرنگ کے طلبہ کے لیے انگریزی کتب کا مطالعہ ناگزیر ہے' بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہو گا کہ صرف انگریزی ہی کیا' فرانسیسی اور جرمنی زبانوں سے آشنائی بھی باعث فخر ہے۔

جھگڑا اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انگریزی کو پرائمری سطح پر ذریعہ تعلیم برقرار رکھنے پر ناروا زور دیا جاتا ہے۔

گذشتہ چند برسوں سے ایک خطرناک رجحان پیدا ہو رہا ہے اور وہ ہے عربی علم وادب سے بے اعتنائی۔ اگر اس رجحان کو روکنے کے لیے کوئی کامیاب کوشش نہ کی گئی تو ہم اپنی شاندار اور قابل صد فخر علمی وراثت سے محروم ہو جائیں گے۔ یونیورسٹیوں میں عربی کے سکالرشپ موجود ہیں ان کے لیے موزوں افراد تلاش کر کے انہیں تحقیق کے میدان میں تربیت دینا بھی ایک اہم قومی تقاضے کو پورا کرنا ہے۔

ہمارے نظام تعلیم میں ایک شعبہ ایسا بھی ہے جس کی طرف ہم ایسے لوگوں کی توجہ کم ہی مبذول ہوتی ہے۔ میری مراد ان دینی مدارس سے ہے جو ہزاروں کی تعداد میں ہمارے ملک کی شہری اور دیہاتی آبادی میں موجود ہیں۔ یہ درس گاہیں ہمارے دینی قائدین پیدا کرتی ہیں اور قوم کے کروڑوں روپے ان دینی درسگاہوں پر صرف ہوتے ہیں۔ یہ وہ درس گاہیں ہیں جہاں عوام پیسہ خرچ کر کے خدا کی خوشنودی اور اخروی سرخروئی کا یقین رکھتے ہیں۔ ان درس گاہوں کا نصاب تعلیم' ان کی فلاح و بہبود اور ان کا مستقبل بھی ہماری توجہ اور غور و فکر کا مستحق ہے۔

آخر میں ایک اور ہلکی سی گذارش ہے کہ نصاب سازی کے ساتھ کتب سازی بھی

Marfat.com

کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی۔ کتب نصاب کی تالیف و تدوین اور اشاعت و فروخت کا موجودہ طریق کار بھی کوئی سود مند اور کامیاب ثابت نہیں ہوا' بلکہ اس سے چور بازاری' ذخیرہ اندوزی اور اسی قسم کے دوسرے جرائم نے جنم لیا ہے اور کتابیں بھی کوئی مثالی مقام حاصل نہیں کر سکی ہیں۔ اگر بار خاطر نہ ہو تو میں یہ عرض کروں گا کہ سابقہ دور میں پرائمری کے بچوں کے لیے نسخ ٹائپ کی جو شکل و صورت اختیار کی گئی تھی وہ کسی طرح بھی مناسب نہیں' بلکہ تعلیمی نفسیات کے سراسر منافی تھی۔ اتنا باریک ٹائپ' پھر اتنا قریب قریب کہ بچے کے لیے اس کا پڑھنا اور پہچاننا بڑا ہی مشکل ہو جاتا تھا اور پھر کاغذ ایسا کہ ایک صفحے کے حروف کا عکس دوسرے صفحے پر پہنچ جاتا تھا جس سے پڑھنا اور مشکل ہو جاتا ہے۔ گذارش کا مقصد یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی نظام تعلیم میں بڑا قابل غور ہے۔ (اور اس قسم کے تجربات سے ملک اور قوم کی آزمائش نہ کی جائے)۔

○○○

مسلمان طلبہ اور تحریکِ آزادی

ہندوستان کے مسلمانوں نے آزادی اور حریت کا جھنڈا اس وقت بلند کیا جب ہندو اور سکھ آزادی کے مفہوم سے نا آشنا تھے۔ مسلمان طلبہ نے استخلاص وطن کے لئے اس وقت سے کوششیں شروع کیں جب غیر مسلم خواب خرگوش میں محو تھے اور جب کہ آزادی کا نام لینا سب سے بڑا جرم سمجھا جاتا تھا۔ مسلمان طالب علموں نے اس وقت آزادی کا نعرہ لگایا جب انگریزی سامراج کے استبداد اور ظلم و جور کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور جب کہ انگریز کے خلاف ایک لفظ بھی کہنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے بعد ہمارے علما دو گروہوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ نے انگریز کو اللہ کا سایہ قرار دے کر اس کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھایا۔ دوسرے گروہ نے وطن اور مذہب کے نام پر انگریز دشمنی کا حلف اٹھایا۔ زمانہ گزرتا گیا اور ہر ایک گروہ اپنے متعین نصب العین کی طرف آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا چلا گیا۔ اس ست رفتاری میں انیسویں صدی ختم ہو گئی۔

پس منظر

بیسویں صدی کے ابھی گیارہ سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ جنگ طرابلس کے شعلوں نے مسلمانوں کو خوب گرمایا۔ ایک طرف دارالعلوم دیوبند کے طلبہ اور دوسری طرف علی گڑھ کے طلبہ میں طرابلس کے مسلمانوں سے ہمدردی کے جذبات موجزن ہوئے۔ پنجاب کب پیچھے رہنے والا تھا۔ یہاں بھی مولانا ظفر علی خان اور مولانا ابو الکلام آزاد کی آتش بیانی اور شعلہ مقالی رنگ لائی اور یہاں کے مسلمان طلبا میں آزادی کی پہلی لہر پیدا ہوئی۔

Marfat.com

یہ عجیب بات ہے کہ ہندوؤں میں آزادی کی تحریک جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی مرہون منت ہے' جبکہ خالص سیاسی معاملے میں بھی مسلمانوں کی امامت و قیادت قدیم تعلیم یافتہ علمائے کرام کے ہاتھ میں رہی۔ دہلی اور دیوبند کے علما میں یہ طے پا چکا تھا کہ ہندوستان میں رہ کر انگریز کے خلاف جہاد کی تیاری ممکن نہیں' لہٰذا بہتر صورت یہ قرار پائی کہ اہل اعتماد و ہوشمند لوگوں کو غیر ممالک اور ہمسایہ اسلامی ملکوں میں بھیج کر انگریز کے خلاف پروپیگنڈا کیا جائے اور دوسرے ملکوں سے گفتگو کر کے وطن کو فرنگی کے پنجے سے نجات دلائی جائے۔

اس مقدس مقصد کو پیش نظر رکھ کر علمائے دین مختلف شہروں میں جا کر دعوت و تبلیغ کے کام میں مصروف ہو گئے۔ اس سلسلے میں مولوی عبداللہ پشاوری ۱۹۱۱ء میں لاہور پہنچے اور مسجد وزیر خان میں درس قرآن شروع کیا۔ مولوی صاحب موصوف کے وعظ اور درس میں اکثر جہاد کا ذکر ہوتا تھا۔ تھوڑے عرصے کے بعد مولوی سیف الرحمٰن صاحب دہلوی دلی سے لاہور تشریف فرما ہوئے اور انہوں نے بھی اپنے وعظوں اور درس قرآن کی مجلسوں میں جہاد کی فضیلت و فرضیت پر دل کھول کر تقریریں کیں۔

تحریک آزادی کا پہلا دور

اہالیان لاہور کے لئے مسجدوں سے یہ پیغام اور اسلوب بیان بالکل نیا تھا۔ قدرتی طور پر عوام و خواص نے دلچسپی کا اظہار کیا۔ کالج کے طلبہ بھی درس قرآن اور جمعہ کے خطبوں میں شامل ہونے لگے۔ جب اسلامیہ کالج' گورنمنٹ کالج' ایف سی کالج اور میڈیکل کالج کے طلبہ نے مسجدوں میں اس قسم کے وعظ سنے تو ان میں جوش و خروش پیدا ہوا۔ اس اثنا میں ان کی ملاقات مجاہد ملت مولوی عبدالرحیم المعروف بہ ملا محمد بشیر مرحوم سے ہوئی۔ ملا بشیر انگریز کا بڑا دشمن تھا۔ اس کی رگوں میں ہزاروں انقلاب اور ہنگامے پرورش پا رہے تھے۔ اس نے طلبہ میں جہاد اور انگریز دشمنی کا بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا۔ یہ ملا موصوف وہی بزرگ ہیں جو عمر بھر اس مسلکے میں چمرقند کے ہندی مجاہدوں کی رہنمائی کرتے رہے اور جس

Marfat.com

کی گرفتاری کے لئے انگریز نے اپنی تمام تر توتیں صرف کر دی تھیں، مگر ناکام رہا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ انگریز کی بڑی باخبری کے باوجود وہ دو تین مرتبہ بھیس بدل کر لاہور کی سیر کر گئے۔

اتفاق ملاحظہ ہو کہ ۱۹۱۳ء میں مولانا ابو الکلام لاہور آزاد آئے اور انہوں نے موچی دروازے کے باغ میں ایک تقریر کی۔ بس پھر کیا تھا کالجوں کے مسلمان طلبہ میں انقلاب کی ایک بجلی کوند گئی۔ انگریزی حکومت کے خلاف خفیہ منصوبے ہونے لگے اور مسلمان طلبہ نے چپکے چپکے استخلاص وطن کے لئے نشان منزل کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ وطن میں مجبور و مقہور رہنے کی بجائے اس موقع پر انہوں نے فیصلہ کیا کہ دوسرے اسلامی ممالک کی طرف ہجرت کر جائیں اور وہاں کی آزاد فضا میں اپنے وطن کو آزاد کرانے کے منصوبے سوچے جائیں۔

چنانچہ مسلم طلبہ نے وطن اور مذہب کی خاطر اپنے گھروں کو خیرباد کہنے کا تہیہ کر لیا۔ ۱۹۱۴ء میں چودہ پندرہ طلبہ کا پہلا گروہ وطن عزیز کو انگریزوں کے پنجے سے رہائی دلانے کی خاطر عازم افغانستان ہوا۔

ان ہجرت کرنے والے طلبہ میں شیخ شجاع اللہ مرحوم برادر اصغر شیخ عظیم اللہ ایڈوکیٹ طالب علم میڈیکل کالج، عبدالرشید ولد عبداللطیف وکیل میاں عبدالعزیز ملک کا بھتیجا، مولوی عبدالباری لائلپوری طالب علم اسلامیہ کالج لاہور سابق صدر صوبہ مسلم لیگ، میاں عبدالقادر ولد احمد دین انسپکٹر آف سکولز گوجرانوالہ طالب علم ایف سی کالج اور میاں محمد حسن ولد منشی غلام نبی کاتب طالب علم اسلامیہ کالج، اس کے علاوہ مقامی کالجوں کے اور طلبہ بھی شامل تھے۔ یہ مجاہدین ملک و ملت رخت سفر باندھ رہے تو اسلامیہ کالج کے طالب علم میاں محمد حسن نے جوش جہاد کے عالم میں دینیات کے پرچے میں صرف یہ آیت قرآن لکھی۔ **ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون** (تم ان لوگوں کو جو راہ خداوندی میں مارے جائیں مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم ان کا شعور نہیں رکھتے) ان دنوں مولانا اصغر علی روحی اسلامیہ کالج میں

Marfat.com

دینیات پڑھاتے تھے' شمع آزادی کے پروانوں کا یہ قافلہ جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے لاہور سے روانہ ہو کر ہزارہ کے ضلع میں داخل ہوا اور وہیں سے دریا عبور کر کے غیر علاقے میں داخل ہو گیا' اور بالآخر یہ لوگ مجاہدین چمرقند کے مرکز میں جا پہنچے۔ وہاں چند دن قیام کیا۔ حالات کا جائزہ لیا۔ اتنے عرصے میں مولوی عبدالرحیم مرحوم المعروف ملا محمد بشیر بھی ان کو وہاں جا ملے۔

اس زمانے میں رئیس المجاہدین مولوی فضل الٰہی مرحوم وزیر آبادی بھی اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر اسمست تشریف لے گئے۔ اسمست میں علما اور طلبا کا اپنی نوعیت کا یہ پہلا اجتماع تھا۔ وہاں بیٹھ کر وطن عزیز کی آزادی کی منصوبہ بندی ہوئی۔ وہاں سے فارسی زبان میں ایک پندرہ روزہ رسالہ "مجاہد" کے نام سے جاری کیا گیا اور اسلحہ سازی کے کارخانوں اور فیکٹریوں کی داغ بیل ڈالی گئی۔

۱۹۱۵ء میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ مرحوم بھی اسی مقصد کے لیے (جنھیں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے خاص مشن پر کابل بھیجا تھا) یہاں سے ہجرت کر کے افغانستان پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب لاہور کے مہاجر طلبا کو معلوم ہوا کہ مولانا عبیداللہ سندھی کابل میں تشریف فرما ہیں تو وہ فوراً کابل پہنچے اور مولانا سندھی سے ملے اور انھیں اپنے تجربات اور تاثرات سے آگاہ کیا۔ مولوی عبیداللہ سندھیؒ کو حکومت افغانستان میں اچھا خاصا اثر و رسوخ حاصل ہو گیا۔ چنانچہ وہ ان طلبہ کو ساتھ لے کر امیر نصراللہ خان (برادر امیر افغانستان عبدالرحمٰن) کی خدمت میں پہنچے اور ان سے آزادی کے لیے مدد دینے کی درخواست کی۔ امیر نصراللہ خان نے ان طلبہ کو مشورہ دیا کہ وہ امیر موصوف کی ایک چٹھی لے کر غازی انور پاشا سے ترکی میں جا کر ملیں' چنانچہ یہ پنجابی طلبہ کا وفد مختلف گروہوں میں ترکی روانہ ہوا۔ کچھ طلبہ کی بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ ایک جماعت روس' افغانستان اور ایران کی سرحد پر واقع گاؤں "پنج دیہ" میں پہنچی تو گرفتار کر لی گئی۔ گرفتاری اس طرح عمل میں آئی کہ یہ طلبہ "پنج دیہ" کی ایک مسجد میں فریضۂ نماز ادا کرنے کے لئے داخل ہوئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپس میں پنجابی زبان میں باتیں کر رہے تھے کہ امام مسجد نے ان کی

Marfat.com

باتیں سن کر پوچھا تم کون ہو؟ یہ امام مسجد جالندھر کے ایک صاحب تھے' جو انگریزوں کے جاسوس کی حیثیت سے اس علاقے میں مولوی کے بھیس میں قیام پذیر تھے اور اپنی زیرکی اور ہوشیاری سے مسجد کی امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ ان گرفتار شدہ طلبہ میں مولوی عبدالباری لائلپوری' ڈاکٹر شجاع اللہ اور میاں عبدالقادر شامل تھے۔

یہ تینوں مہاجر طلبہ ڈاکٹر شجاع اللہ' مولوی عبدالباری اور میاں عبدالقادر گرفتار کر کے اپنے وطن واپس بھیجے گئے۔ یہاں میاں سر فضل حسین مرحوم کی کوششوں سے رہا کر دیئے گئے۔ مولوی عبدالباری صاحب کچھ عرصہ خاموش رہنے کے بعد پھر میدان سیاست میں کود پڑے اور مسلم لیگ کے جھنڈے تلے کام کرنے لگے۔ ڈاکٹر شجاع اللہ نے دوبارہ میڈیکل کالج میں داخل ہو کر ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کر کے لاہور میں طبابت شروع کر دی۔

شیخ عبدالرشید ایک جوشیلا نوجوان تھا۔ اس نے چمرقند کے مجاہدین کی سیاسیات میں گہری دلچسپی لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر المجاہدین مولوی نعمت اللہ سے اختلاف رونما ہونے پر شیخ عبدالرشید نے مولوی نعمت اللہ کو قتل کر دیا۔

تحریک کا دوسرا دور

تحریک کا دوسرا دور ۱۹۱۸ء سے شروع ہوتا ہے۔ جب کہ خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی نے لاہور تشریف لا کر درس قرآن کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ابتدا میں اسلامیہ کالج کے طالب علموں نے بڑی گرم جوشی کا اظہار کیا۔ پھر آہستہ آہستہ دوسرے کالجوں کے طلبہ بھی شریک ہونے لگے۔ بالخصوص میڈیکل کالج اور گورنمنٹ کالج کے طلبہ نے خواجہ عبدالحی فاروقی کے درس قرآن میں خصوصی دلچسپی لینا شروع کی۔ ان کے درس قرآن کی یہ ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ حالات حاضرہ اور موجودہ سیاسی مسائل پر سیر حاصل بحث کرتے تھے۔ نیز وہ طالب علموں کے دل میں انگریزوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے میں کوشاں رہتے۔ طلبہ خواجہ صاحب کے درسوں میں بکثرت شامل ہونے لگے۔ بالآخر خواجہ

Marfat.com

صاحب انگریز جرنیلوں کے خلاف بغاوت کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۹۲۲ء کا ذکر ہے کہ خواجہ صاحب محلہ اکھاڑہ بوٹا مل (احمدیہ بلڈنگس) میں رہتے تھے۔ مسٹر ہنری مارٹن اسلامیہ کالج کے پرنسپل تھے۔ خواجہ صاحب نے طلبا کو اکسایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر مارٹن کے لئے کالج میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ اس کے بعد تحریک خلافت کے زیر اثر مسلمان طالب علموں نے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ لیکن طلبہ کی اکثر کوششیں کانگریس کے اثر سے بچ نہ سکیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ خلافت اور احرار اسلام کی تحریکیں کانگرس کے زیر اثر کام کرنے لگیں۔

اس زمانے میں مسلم طلبہ نے تحریک "نیلی پوش" میں بھی خاطر خواہ حصہ لیا اور مولانا ظفر علی خان کے ساتھ پورا تعاون کیا۔ ۱۹۲۴ء سے لے کر ۱۹۲۶ء تک کا زمانہ مسلمان طلبہ کے لئے درحقیقت جمود کا دور تھا۔ جو طلبہ سیاسی تحریکوں میں حصہ لیتے بھی تھے وہ بھی ہندوؤں کے اشارے پر چلتے تھے۔

تیسرا دور

۱۹۲۷ء میں مسلمان طالب علموں میں پھر ایک مرتبہ آزادی کا جذبہ موجزن ہوا۔ اس مرتبہ تحریک کا کرتا دھرتا مسٹر بشیر مرحوم تھا۔ مسٹر بشیر بالکل نوجوان تھا اور آزادی وطن کا پروانہ۔ اس نے اپنی ذاتی کوششوں سے مسلمان طلبہ کو اکٹھا کرنے کے لئے بڑی تگ و دو کی۔ اس کی کوششیں بار آور ہوئیں اور بیس پچیس مخلص طلبہ مختلف کالجوں سے جمع ہو گئے۔ مسٹر بشیر مرحوم کا لائحہ عمل یہ تھا کہ:

(۱) مسلمان طلبہ کو خفیہ طور پر فوجی پریڈ سکھائی جائے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان طلبہ کو فوجی نظام تربیت سے آشنا کرنے کے لئے کوشش کی گئی۔ اگرچہ یہ کوشش ادھوری سی تھی۔

(۲) خفیہ اجلاس کر کے طلبہ کو منظم کرنے کی وسیع پیمانے پر کوشش کی جائے۔ خفیہ اجلاس کے لئے کمیٹی کا دفتر واقع حجازی بلڈنگ بیرون دہلی دروازہ (لاہور) منتخب ہوا۔

Marfat.com

چنانچہ کم و بیش پچیس خفیہ جلسے منعقد ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب تحریک خلافت دم توڑ رہی تھی اور اس کی روش پر احرار اسلام کی بنیاد اٹھائی جا رہی تھی۔

بزرگوں اور قائدین کے نام تو سبھی کو یاد ہوتے ہیں البتہ اس زمانے کے چند مخلص کارکنوں کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں' جنہوں نے وطن کے نام پر قید و بند کے مصائب کو خوش آمدید کہا اور بڑی سے بڑی قربانیاں دینے سے بھی دریغ نہ کیا: ماسٹر محمد شفیع' ملک تاجدین' مہر علم دین' شیخ محمد حیات' مولوی عبدالحمید' خواجہ غلام محمد' خلیفہ فضل دین' ملک لال دین قیصر' عبدالرحیم عاجز۔ اس عہد میں یہی جانباز اور فدا کار تحریک آزادی کی رونق اور جان تھے اور بعد یہی لوگ مقامی کانگرس میں مسلمانوں کی نمائندگی کے فرائض انجام دیتے رہے۔

چونکہ مسٹر بشیر کو اس وقت سیاسی حلقوں کی سرپرستی حاصل نہ ہو سکی اور تحریک خلافت میں جوش و خروش اور جذبات تو تھے' لیکن رہنمائی مفقود تھی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک تھوڑے عرصے میں گوشۂ ذہول میں جا پڑی۔

چوتھا دور

لالہ لاجپت رائے نے بیسویں صدی کے شروع (۱۹۰۶ء) میں تپت ادھار تحریک کے ذریعے عوام میں سماجی بیداری اور بالخصوص اچھوتوں کو انسانی حقوق دینے کی مہم کا آغاز کیا تھا۔ انہی جذبات کے تحت ۱۹۲۸ء میں ڈاکٹر ستیہ پال نے سماج میں اونچ نیچ اور بڑے چھوٹے کی تمیز کو مٹانے کی کوشش شروع کی۔ اس مقصد کے پیش نظر ڈاکٹر ستیہ پال نے اپنے مکان واقع نسبت روڈ پر کھانے پینے کی دعوتوں کا انتظام کیا۔ اس میں اچھوت' اونچی ذات کے سیاسی لیڈر' مسلمان' سکھ' ہندو' مرد اور عورتیں سب شریک ہوتے تھے۔

اسی زمانے میں کچھ نوجوان اشتراکیت کے دام میں گرفتار ہو رہے تھے' جس کے لیے مسٹر مجید اور ان کے رفقا بڑی سرگرمی کا اظہار کر رہے ہیں۔ مسٹر مجید موچی دروازہ کے اندر بکن خان کے پڑوس میں رہتے تھے' بڑے پرجوش اور سرگرم اشتراکی تھے۔ اس

Marfat.com

تحریک میں ہندو طالب علم بہت گہری دلچسپی لے رہے تھے اور مسلمان طلبہ نسبتاً بہت کم۔ اسلامیہ کالج کے ایک طالب علم مسٹر احسان اس تحریک میں بڑی گرم جوشی سے حصہ لینے لگے۔ شیخ محمد حیات کے مکان واقع اندرون موچی دروازہ میں اس مقصد کے لیے چند ایک سیاسی محفلیں بھی منعقد ہوئیں، لیکن تحریک اشتراکیت مسٹر مجید اور مسٹر احسان کی کوششوں کے باوجود مسلمان طلبہ کے لئے جاذب نظر نہ بن سکی۔

انہی دنوں کا ذکر ہے کہ سردار بھگت سنگھ اور مسٹوت بنگالی (دہلی بم کیس والے) نے دیال سنگھ کالج کے طلبہ میں بڑی مقبولیت حاصل کی۔ سردار بھگت کے والد سردار کشن سنگھ نے اسلامیہ کالج کے پڑوس میں برانڈرتھ روڈ پر چاندنی بلڈنگ میں سکونت اختیار کی، لیکن مسلمان طالب علم ان کے دام میں نہ پھنسے۔

سیاسی تحریکات لاہور کے طلبا بالخصوص ہندو طلبا میں بڑی مقبولیت حاصل کر رہی تھیں۔ سٹوڈنٹس فیڈریشنیں اور یونینیں معرض وجود میں آئیں۔ مسلمان طلبا ان سماجی اور سیاسی تحریکوں کو دیکھ رہے تھے، لیکن ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے میں انہیں حجاب ہی رہا۔ اسلامیہ کالج کے طلبا میں مسٹر محمد احمد نے ۱۹۲۸ء میں تحریک کی کہ مسلمان طلبہ کی ایک انجمن بنا کر خان عبدالغفار خان کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد کیا جائے، لیکن حالات نے ان کا ساتھ نہ دیا اور یہ تجویز شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکی۔

بھلا یہ کس طرح ممکن تھا کہ مسلمان طلبہ اپنے گرد و پیش کے حالات سے متاثر نہ ہوں، چنانچہ عبدالحمید ملک، جو بعد میں ڈاکٹر عبدالحمید کہلائے اور ان کے رفقا کی کوششوں سے لاہور کے تمام کالجوں کے مسلمان طلبہ کو مل بیٹھنے کا موقع مل گیا، مگر ان کے رفقا اثر کالجیٹ مسلم ادارے نے مسلمان طلبہ میں زیادہ تر مذہبی بیداری پیدا کی اور سیاست میں بہت کم حصہ لیا۔

نیا دور

۱۹۳۸-۳۴ء کا زمانہ مسلمان طلبہ کے لئے بڑا پر آشوب اور ہنگامہ خیز تھا۔ اس دور

Marfat.com

میں اسلامیہ کالج سیاسی تحریک کا مرکز بن گیا۔ اکبر ملک' حمید نظامی' عبداللہ بٹ' عبدالسلام خورشید' صفدر' معراج خالد اور عبدالستار نیازی سب اسی عہد کی یادگار ہیں۔ اس زمانے میں مسلمان طلبا میں بڑا جوش و خروش تھا' لیکن نشان منزل اور نصب العین مفقود تھا۔ وہ اندھیرے میں بھٹک رہے تھے۔ روشنی کی تلاش میں کبھی علامہ اقبال کے در پر پہنچتے اور کبھی میاں افتخار الدین کے آستانے پر جاتے۔ کبھی کانگریسی عقیدے کے لوگ انہیں اپنا آلۂ کار بنانا چاہتے تھے تو کبھی مسلم لیگ کے ارکان ان پر ڈورے ڈالتے۔ کچھ احمدیت کا سہارا ڈھونڈھتے تو کچھ احرار کی پناہ لیتے۔ کبھی مولانا ظفر علی خان کے نام سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تو کبھی سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے نام سے۔ بہرحال کوشش کے باوجود کوئی متعین لائحہ عمل طلبہ کے سامنے نہ رکھا جا سکا۔ ذہنی اور جسمانی ساری قوتیں باہمی مناقشات اور ادھیڑپن میں صرف ہو گئیں۔ بایں ہمہ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن اور آل پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے مسلمان طلبہ کے لئے زمین ہموار کرنا شروع کر دی تھی۔ ان دونوں جماعتوں نے پاکستان کے قیام کے سلسلے میں پیدا ہونے والے حالات کے لئے مسلمان طلبہ کو تیار کر دیا۔ جب مارچ ۱۹۳۹ء میں روسی عالم دین علامہ موسیٰ جار اللہ لاہور تشریف لائے تو وہ مسلمان طلبہ میں سیاسی بیداری دیکھ کر خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ کاش کہ انہیں صحیح رہنمائی میسر آ سکے۔

علامہ موصوف بڑے فاضل اور ہفت زبان بزرگ تھے۔ لمبا قد' گورا رنگ' مضبوط جسم۔ آنکھیں بڑی روشن اور پیشانی کشادہ تھی۔ داڑھی تو تھی' مگر مختصر اور جدید طرز کی۔ روسی اور ترکی مادری زبانیں تھیں' عربی اور فارسی خوب بولتے تھے۔ جرمن اور فرانس میں عرصے تک رہنے کی وجہ سے یہ دونوں زبانیں بھی جانتے تھے۔ انگریزی پڑھ لیتے تھے مگر بول نہیں سکتے تھے۔ بنارس ہندو یونیورسٹی میں رہ کر سنسکرت زبان پڑھی۔ سنسکرت کی کتابیں پڑھ لیتے تھے۔ قدیم و جدید علوم پر نگاہ رکھتے تھے۔ اسلامی فرقوں کی تاریخ اور علوم قرآن پر بڑا عبور حاصل تھا۔ ہندی تصوف کے مطالعہ کا خاص شوق تھا۔ دارا شکوہ کی تصانیف پر گہری نظر تھی۔ عہد شباب میں زار روس کے تخت کو الٹنے میں بڑا نمایاں

حصہ لیا۔ وہ لینن کے رفیق کار تھے۔ جب مولانا عبیداللہ سندھی ماسکو پہنچے تو علامہ موسیٰ جار اللہ کے مہمان رہے۔ علامہ موصوف کی ترکی' عربی اور فارسی زبانوں میں بہت سی کتابیں یادگار ہیں۔

وہ مذہب میں اختیار کے قائل تھے۔ قدیم و جدید علوم میں مناسبت اور موافقت کے حامی تھے۔

بنارس میں عرصے تک قیام کے بعد لاہور آئے۔ یہاں کسی سے واقفیت نہ تھی۔ مولوی عبدالحمید حریری ایم اے ایل کی تعارفی چھٹی راقم الحروف کے نام لے کر لاہور پہنچے۔ چند دن میرے ہاں قیام کیا۔ یہاں کے علما اور نصاب تعلیم سے بڑے مایوس ہوئے۔ مولوی محمد شفیع صاحب (سابق صدر شعبہ اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام) اور مولانا ثناء اللہ مرحوم امرتسری سے مل کر بہت خوش ہوئے اور ان دونوں بزرگوں کے علم و فضل کی داد دیتے رہے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مخطوطات کو بہت دن دیکھا گیا۔

۱۹۴۰ء تک مسلمان طلبا کا ایک عنصر ہندو طلبہ کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھاتا رہا۔ لیکن جب انہیں پنجاب یونیورسٹی کی سٹوڈنٹس یونین میں ہندوؤں کے ہاتھوں پے در پے شکستوں کا سامنا کرنا پڑا اور یونین کے انتخاب کے موقع پر سنگ و خشت' لاٹھی اور چاقو کا آزادانہ استعمال ہوا تو مسلمان طلبہ کی آنکھیں کھل گئیں اور ان میں وحدت ملی کا جذبہ عود کر آیا۔ پھر ۱۹۴۶ء میں اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ میں جلسہ ہوا' قائد اعظم تشریف لائے اور مسلمان طلبا کی تقدیریں قائد اعظم مرحوم کی ذات سے وابستہ ہو گئیں اور انہیں جنگ آزادی اور قیام پاکستان کے لئے قائداعظم کی قیادت نصیب ہو گئی تاآنکہ کامیابی نے ان کے قدم چومے اور آزادی نے انہیں آگے بڑھ کر اپنی آغوش میں لے لیا۔

OOO

سید ابوالاعلیٰ مودودی شخصیت و کارنامے

حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور ان اکابر مفکرین اسلام میں شمار ہوتے ہیں جن کی وفات کی شدت و کرب کا احساس سارے عالم اسلامی میں یکساں نظر آیا۔ حضرت مولانا مرحوم کی نگارشات ان کی عظمت و شاہ دماغی کی شاہد عادل ہیں۔ انہوں نے بڑے نازک دور میں ملت اسلامیہ کی فکری رہنمائی کا بیڑا ایسے وقت میں اٹھایا جب کہ فکری اور ذہنی اعتبار سے ملت نہایت بے بسی کی حالت میں خطرناک موڑ پر کھڑی تھی۔ الحاد و زندقہ کی یلغار زوروں پر تھی۔ مسلم نوجوانوں کے سامنے کوئی مخصوص لائحہ عمل نہ تھا۔ بے راہ روی انہیں اپنی طرف بڑی شدت سے دعوت دے رہی تھی۔ اس نازک مرحلے میں مولانا مودودی مرد میدان ثابت ہوئے۔ انہوں نے اپنے دلنشین اور جاذب نظر انداز میں نوجوانوں کو مخاطب کیا۔ میرے نزدیک احیائے ملت و دین کے سلسلے میں مولانا موصوف کی سب سے بڑی دینی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے نوجوانان اسلام بالخصوص طلبہ کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور انہیں جمعیۃ طلبہ اسلامیہ کی تنظیم میں منسلک کر کے دین اسلام اور خاص طور پر شمع رسالت کا پروانہ بنا دیا۔ آج نوجوان نسل میں جتنی دینی اور فکری بیداری نظر آتی ہے وہ تمام تر جمعیۃ طلبہ کی مساعی کا نتیجہ ہے اور اس کا سہرا حضرت مولانا مودودی کے سر پر ہے۔ اگر یہ جمعیت بروئے کار نہ آتی تو خدا جانے ہماری نوجوان نسل کا کیا حشر ہوتا اور ہمارا معاشرہ کن خوفناک گمراہیوں کا شکار ہو چکا ہوتا۔

آغاز کار ہی سے مجھے اس جمعیت کی سرگرمیوں کو نہایت قریب سے دیکھنے کا موقع میسر آیا۔ گزشتہ پون صدی میں پیدا ہونے والی دینی اور سیاسی تحریکوں اور اس سلسلے میں نوجوانوں کی سرگرمیوں کو بالخصوص دیکھنے اور ان کا تجزیہ کرنے کا مجھے اتفاق ہوتا رہا۔ نوجوان بھارت سبھا' مزدور و کسان تحریکوں' مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن' خاکسار تحریک اور

Marfat.com

اس قسم کی کئی اور تنظیمیں اور تحریکیں وقتاً فوقتاً بڑے زور سے ابھریں' لیکن قیام پاکستان کے بعد جمعیۃ طلبہ کے کارکنوں کے خلوص' دینی محبت اور تہذیبی سرگرمیوں سے میں بہت متاثر ہوا۔ مجھے ان نوجوانوں کے پاک عزائم سے ہمدردی بھی رہی۔ جمعیت کی دعوت پر کئی مرتبہ ان کے دینی اور تبلیغی اجتماعات میں شریک بھی ہوا اور قرآن و سنت اور سیرت پاک کے پیغام کو نوجوانوں تک پہنچایا۔ جمعیت کے تربیتی اجتماعات بھی اپنی افادی حیثیت اور دینی تربیت کے اعتبار سے بڑے مفید اور بامقصد ثابت ہوئے۔ مجھے ان تربیتی اجتماعات میں بھی طلبہ کو خطاب کرنے کے مواقع میسر آئے۔ ہفتہ وار اجتماعات کو بھی خطاب کرنے کی سعادت میرے حصہ میں آئی۔ یہاں میں نے نوجوانوں میں اسلام سے وابستگی اور شگفتگی کے ساتھ ذوق عبادت کے ایسے دل خوش کن مناظر دیکھے جن کی یاد اب تک تازہ ہے۔ ان تمام مواقع کو مسلمانوں کے لیے نہایت خوش آئند پایا۔ ہمارے ان طلبہ نے ہر آڑے وقت میں اسلام کی آن برقرار رکھنے کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا اور بعض حالات میں تو اسلام کی سربلندی کے لیے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جس کی داستان ہماری تاریخ احیائے اسلام کا سنہری باب ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی عظمت کا احساس ان کی تصانیف تو قاری کو دلاتی ہی ہیں' لیکن میں نے ان کی عظمت و جلالت کا منظر اپنی آنکھوں سے قذافی سٹیڈیم کے وسیع و عریض میدان میں دیکھا جب ان کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے ہر طبقے اور ہر فکر کے لوگ بوڑھے اور جوان ایک سیلاب کی صورت میں قطار اندر قطار امڈے آرہے تھے۔

حضرت علامہ اقبال کو نوجوانوں کی جو تن آسانی رلاتی رہی' مولانا مودودی مرحوم نے اس تن آسانی کو سخت کوشی میں تبدیل کرنے کی تدبیر ڈھونڈ نکالی اور جس آہ سحر کو حضرت علامہ جوانوں میں دیکھنے کی تمنا رکھتے تھے مولانا مرحوم نے وہ آہ سحر نوجوانوں میں عملاً" پیدا کر دی' یعنی یوں سمجھئے کہ حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمہ نے جمعیت طلبہ اسلامیہ کی تنظیم قائم کر کے حضرت علامہ کے خواب کی تعبیر پوری کر دی اور ساتھ

Marfat.com

ہی ملت اسلامیہ کو ہولناک تباہی و ہلاکت سے بچا کر احیائے دین کی تحریک کو مضبوط بنیادوں پر استوار کر دیا۔ نوجوانان اسلام کے ہاتھ میں اتنا وقیع اور وسیع اسلامی لٹریچر دے دیا کہ جمعیت کا ہر رکن اسلامی عقائد و اخلاق کا مبلّغ بن گیا اور گھر گھر پھر کر دین کی تبلیغ کر کے فریضہ ادا کرنے لگا۔ تعلیمی اداروں میں بھی یہ نوجوان اسلامی اخلاق کی اعلیٰ اقدار کے حامل و عامل نظر آنے لگے۔ ان نوجوانوں نے جگہ جگہ اسلامی لائبریریاں قائم کیں اور ہر ایک کے ہاتھ میں تفہیم القرآن کے نسخے نظر آنے لگے۔ مختصر یہ کہ مولانا مرحوم نے ہمارے جوانوں اور بزرگوں میں اسلامی فکر و نظر' ذوق و عمل اور شوق عبادت پیدا کر کے اسلامی معاشرے کے قیام کی راہ ہموار کر دی۔ میرے نزدیک حضرت مولانا مرحوم کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی تمام حسنات اور دینی' تصنیفی اور تبلیغی مساعی کو قبول و مشکور فرمائے اور ان کی لغزشوں اور خطاؤں سے درگزر فرما کر انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

این دعا از من از جملہ جہان آمین باد

○○○

مولانا روحی، چند باتیں چند یادیں

میں اپنے لیے بڑا شرف اور انتہائی سعادت سمجھتا ہوں کہ اپنے ایک نامور استاد کے بارے میں چند باتیں سپرد قلم کر رہا ہوں۔

حضرت مولانا اصغر علی روحی (نور اللہ مرقدہ) ان بزرگوں میں سے تھے جنہیں میں بچپن سے جانتا تھا۔ مولانا موصوف اسلامیہ کالج لاہور میں عربی زبان کے استاد تھے اور میرے مرحوم والد بزرگوار کے بڑے گہرے اور مخلص دوست تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور میں میرے داخل ہونے سے بہت پہلے کی بات ہے کہ حضرت مولانا کالج آتے جاتے والد صاحب سے ملا کرتے تھے۔ جب اسلامیہ کالج کے پہلو میں مسجد مبارک تعمیر ہوئی تو حضرت مولانا روحی کا یہ معمول ہو گیا کہ آپ روزانہ چاشت کی نماز (صلوٰۃ الضحیٰ) ادا کرنے کے لیے باقاعدہ طور پر مسجد مبارک میں آتے۔ نماز اور وظائف سے فارغ ہو کر مسجد کے پڑوس میں والد صاحب کے پاس آ بیٹھتے۔ اس دوران میں علمی و ادبی باتوں کے علاوہ حقہ بھی خوب چلتا۔ اس زمانے میں والد بزرگوار کو حقہ نوشی کا بڑا شوق تھا اور وہ اپنے لیے تو اہتمام کرتے ہی تھے، لیکن حضرت مولانا روحی کے لیے خاص اہتمام ہوتا۔ والد صاحب کی طرح مولانا روحی بھی بہت اچھا تمباکو نوش فرمایا کرتے تھے۔

جب میں نے کالج میں داخلہ لیا تو استاذ محترم پروفیسر مولانا روحی کا علمی اور تدریسی حلقوں میں بڑا چرچا تھا۔ وہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے شہر بھر میں شہرت رکھتے تھے۔ سیکڑوں، بلکہ ہزاروں لوگوں کو ان سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ میں ۱۹۲۷ء میں کالج میں داخل ہوا۔ اس وقت علامہ عبداللہ یوسف علی ایسے نامور اور شہرۂ آفاق شخص اسلامیہ کالج کے پرنسپل تھے اور اساتذہ میں شیخ ایم اے غنی انگریزی ڈرامہ پڑھاتے تھے۔ سر الیگزانڈر ولسن انگریزی زبان اور ادب کے پروفیسر تھے اور پروفیسر غلام حسین اقتصادیات کا درس

Marfat.com

دیتے تھے۔ مولانا محمد عمر خان فارسی کے استاد تھے۔ غرضیکہ اس زمانے میں آرٹس اور سائنس پڑھانے والے اساتذۂ کرام اپنے اپنے مضمونوں میں بڑی شہرت کے مالک تھے۔ اس عہد میں پروفیسر محمد دین تاثیر بھی یہاں موجود تھے۔ اس زمانے میں اسلامیہ کالج کے ساتھ جے اے وی کلاسیں بھی ملحق تھیں۔ میاں عبدالحکیم ان کلاسوں کے سربراہ تھے اور پروفیسر تاثیر ان کلاسوں کی تدریس پر مامور تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایف اے کی بھی ایک آدھ کلاس کو پڑھایا کرتے تھے۔ بعد میں پروفیسر تاثیر انگلستان گئے اور وہاں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے کر آئے۔

ان سب بزرگ اساتذہ میں مولانا اصغر علی روحی کی شان بالکل زالی تھی۔ ایک تو وہ اپنے لباس اور وضع قطع کے لحاظ سے دیگر اساتذہ سے ممتاز اور نمایاں تھے۔ عام طور پر شلوار اور شیروانی اور چینٹ کوٹ پہنتے تھے۔ سفید ململ یا لٹھے کا قبا زیب تن فرماتے اور سر پر سفید عمامہ باندھتے تھے۔ ہاتھ میں ایک عصا نما چھڑی رکھتے تھے۔ دوسرے انہیں اپنے علم پر بڑا ناز اور وثوق تھا۔ بڑے دبدبے اور جلال سے بات کرتے تھے۔ ان کی گفتگو میں وقار اور رعب پایا جاتا تھا۔ تمام اساتذہ ان کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل کے باعث ان کی نہایت عزت کرتے اور ادب و احترام سے پیش آتے تھے۔

جب ۱۹۲۹ء میں ہم لوگ بی اے میں پہنچے تو بی اے کے سال اول میں حضرت مولانا نے ہمیں عربی کا نصاب پڑھانا شروع کیا۔ ان کا دستور یہ تھا کہ ایک طالب علم کتاب پڑھتا' مولانا اس کا زبانی ترجمہ اور تشریح فرماتے۔ ان دنوں بلکہ اس سے پہلے کی بات ہے کہ ان کی بصارت میں فرق آ چکا تھا' بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بینائی جاتی رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ عربی اور فارسی علم و ادب سے بے انتہا شغف کے علاوہ سائنس کے تجربات دیکھنے بلکہ کرنے کا بیحد شوق تھا۔ جس زمانے میں پروفیسر حاکم علی اسلامیہ کالج میں سائنس (کیمسٹری) پڑھاتے تھے' اس زمانے میں مولانا مرحوم کا یہ شوق اور زیادہ ہو گیا۔ پروفیسر حاکم علی سے بڑے گہرے مراسم تھے۔ مولانا اکثر پروفیسر حاکم علی کے ساتھ ان کی لیبارٹری میں چلے جاتے اور ان کے ساتھ گھنٹوں کھڑے تجربات دیکھتے رہتے۔ ان تجربات کو دیکھنے اور

رکھنے والا شاگرد آموجود ہوتا اور مولانا کے گھر تک پہنچتے پہنچتے وہ اپنے سبق سے فارغ ہو جاتا۔ آگے چل کر یہی ہونہار طالب علم استاذ الاساتذہ بنا اور تحقیق علمی کے میدان میں پنجاب کا نامور سپوت ثابت ہوا۔

میرے والد ماجد بتایا کرتے تھے کہ مولانا روحی عالم شباب میں فارسی' عربی اور اردو کی شاعری کا بڑا شوق رکھتے تھے اور تینوں زبانوں میں خوب شعر گوئی کرتے تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں لاہور میں مشاعروں اور علمی مجالس کا بڑا زور تھا۔ ان علمی مجالس اور بالخصوص مشاعروں میں مولانا صاحب فارسی' عربی اور اردو کے اشعار سناتے اور اھل ذوق حضرات سے داد و تحسین وصول کرتے۔ مولانا کی آواز میں بڑی گرج تھی۔ بلند آواز سے تحت اللَفظ شعر پڑھا کرتے تھے۔ اس زمانے میں دیگر علما اور اہل قلم کی طرح مولانا موصوف کو بھی علم و ادب کی اشاعت و ترویج کا بڑا شوق تھا۔ انہوں نے ایک علمی اور ادبی ماہ نامہ "الھدیٰ" کے نام سے جاری کیا۔ میرے والد صاحب کے پاس اس رسالے کے پورے فائل تھے' لیکن انہوں نے حسب عادت کسی دوست کو دیکھنے کے لیے دیے اور پھر واپس نہ مل سکے۔

مولانا روحی کو فقہی مسائل پر بھی بڑا استحضار تھا۔ حنفی المسلک ہونے کے باوجود عالم جوانی میں کتب حدیث بالخصوص امام شوکانی کی نیل الاوطار اور موطا امام مالک کے مطالعہ کا خاص شوق تھا اور کہا کرتے تھے کہ ایسی کتابوں کے مطالعہ سے بصیرت پیدا ہوتی ہے اور تعصب و تنگ نظری دور ہوتی ہے۔

آپ کی گفتگو نہایت عالمانہ ہوتی تھی۔ عام گفتگو میں بھی عربی' فارسی کے بھاری بھرکم الفاظ استعمال کرتے اور فصیح و بلیغ انداز اختیار فرماتے تھے۔

مولوی صاحب موصوف نہایت نڈر اور بے باک بزرگ تھے۔ لگی لپٹی بات بالکل نہ جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اپنے ہم عصر علما کے بارے میں بھی بڑی آزادی سے ناقدانہ رائے کا اظہار فرمادیتے تھے۔

کالج کا پرنسپل ان کے علم و فضل کے پیش نظر ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔

Marfat.com

کرنے کے شوق کا نتیجہ تھا کہ ایک تجربے کے دوران میں آپ کی بینائی کو نقصان پہنچ گیا اور پھر آہستہ آہستہ آپ بصارت سے بالکل محروم ہو گئے۔ اسی وجہ سے مولانا موصوف اکثر سیاہ چشمہ لگائے رکھتے تھے۔ ہمارے زمانہ طالب علمی میں میرے ہم جماعت اور رفیق صوفی ضیاء الحق اکثر اپنے والد بزرگوار کے ساتھ آیا جایا کرتے تھے۔

مولانا نے ہمیں عربی کی تدریس کے دوران میں دیوان الحماسہ کی کچھ نظمیں پڑھائیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر بی اے قریشی صاحب نے ہماری تدریس عربی کے فرائض سنبھال لئے۔ ڈاکٹر قریشی بھی اپنی وضع کے خاص بزرگ تھے۔ نہایت نفیس اور شریف انسان۔ بڑے خوش پوش اور خوش وضع۔ بہت ہی کم گو اور کم آمیز۔ کتابوں کے شوقین اور کتابوں کو سلیقے اور قرینے سے سجانے کے دلداہ۔ مولانا سے عربی بذریعہ اردو زبان پڑھی اور خوب سمجھی۔ انہی کی محبت و شفقت کا نتیجہ تھا کہ مجھے عربی زبان اور ادب سے شغف پیدا ہوا' اور حماسہ ایسی اہم کتاب کو سمجھنے کے لیے تبریزی کی شرح پڑھنی شروع کی اور آگے چل کر مرزوقی کی شرح کا مطالعہ انہی بزرگ اساتذہ کی شفقت اور تشویق کا نتیجہ تھا۔

مولانا کے علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ جو کوئی بھی ان کے پاس بیٹھ گیا۔ علم و ادب کے موتی رولتا ہوا اٹھا۔ ایک دو نہیں ان کے تلامذہ میں سیکڑوں نامور اساتذہ کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ وہ ان بزرگ اساتذہ میں سے تھے۔ جو اپنے تلامذہ کو صحیح ڈگر پر ڈال دیتے اور پھر عمر بھر کے لیے ان کو عربی علوم کا خادم بنا دیتے۔

حضرت الاستاذ مولانا روحی کا ایک دلچسپ قصہ میرے استاذ محترم پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایم اے عربی کا امتحان دینا تھا اور میری خواہش تھی کہ کچھ کتابیں مولانا روحی صاحب سے پڑھوں۔ مولانا سے ملا انہوں نے اپنے مصروف اوقات کے باعث معذرت کر دی۔ میں نے عزم مصمم کر رکھا تھا کہ ان سے ضرور پڑھنا ہے۔ آخر کار میں نے پوچھا کہ آپ کالج سے کب واپس تشریف لاتے ہیں۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ وہ کالج سے گھر واپس جاتے ہوئے مجھے راستے میں چلتے چلتے پڑھا دیا کریں گے اور ہوا بھی یہی کہ مولانا کالج سے فارغ ہو کر گھر کی راہ لیتے تو طلب صادق

Marfat.com

رکھنے والا شاگرد آ موجود ہوتا اور مولانا کے گھر تک پہنچتے پہنچتے وہ اپنے سبق سے فارغ ہو جاتا۔ آگے چل کر یہی ہونہار طالب علم استاذ الاساتذہ بنا اور تحقیق علمی کے میدان میں پنجاب کا نامور سپوت ثابت ہوا۔

میرے والد ماجد بتایا کرتے تھے کہ مولانا روحی عالم شباب میں فارسی' عربی اور اردو کی شاعری کا بڑا شوق رکھتے تھے اور تینوں زبانوں میں خوب شعر گوئی کرتے تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں لاہور میں مشاعروں اور علمی مجالس کا بڑا زور تھا۔ ان علمی مجالس اور بالخصوص مشاعروں میں مولانا صاحب فارسی' عربی اور اردو کے اشعار سناتے اور اھل ذوق حضرات سے داد و تحسین وصول کرتے۔ مولانا کی آواز میں بڑی گرج تھی۔ بلند آواز سے تحت اللَفظ شعر پڑھا کرتے تھے۔ اس زمانے میں دیگر علما اور اہل قلم کی طرح مولانا موصوف کو بھی علم و ادب کی اشاعت و ترویج کا بڑا شوق تھا۔ انہوں نے ایک علمی اور ادبی ماہ نامہ "الھدیٰ" کے نام سے جاری کیا۔ میرے والد صاحب کے پاس اس رسالے کے پورے فائل تھے' لیکن انہوں نے حسب عادت کسی دوست کو دیکھنے کے لیے دیے اور پھر واپس نہ مل سکے۔

مولانا روحی کو فقہی مسائل پر بھی بڑا استحضار تھا۔ حنفی المسلک ہونے کے باوجود عالم جوانی میں کتب حدیث بالخصوص امام شوکانی کی نیل الاوطار اور موطا امام مالک کے مطالعہ کا خاص شوق تھا اور کہا کرتے تھے کہ ایسی کتابوں کے مطالعہ سے بصیرت پیدا ہوتی ہے اور تعصب و تنگ نظری دور ہوتی ہے۔

آپ کی گفتگو نہایت عالمانہ ہوتی تھی۔ عام گفتگو میں بھی عربی' فارسی کے بھاری بھرکم الفاظ استعمال کرتے اور فصیح و بلیغ انداز اختیار فرماتے تھے۔

مولوی صاحب موصوف نہایت نڈر اور بے باک بزرگ تھے۔ لگی لپٹی بات بالکل نہ جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اپنے ہم عصر علما کے بارے میں بھی بڑی آزادی سے ناقدانہ رائے کا اظہار فرمادیتے تھے۔

کالج کا ہر پرنسپل ان کے علم و فضل کے پیش نظر ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔

Marfat.com

مولانا کی زندگی میں لاہور علم و فضل کا مرکز رہا اور اسلامی اور عربی علوم کے بڑے بڑے شیخ اور اساتذہ یہاں موجود تھے' لیکن مولانا کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی کے علم سے مرعوب نہ ہوئے اور نہ کبھی اپنے بارے میں احساس کمتری کو راہ دی۔

OOO

Marfat.com

آہ : شیخ محمد اشرف مرحوم

شیخ محمد اشرف لاہور کے سماجی' دینی اور کاروباری حلقوں میں ایک جانے پہچانے اور معروف بزرگ تھے۔ انہوں نے تقریباً اسی برس لاہور شہر میں گزارے اور اس طویل عرصے میں لاہور کی اکثر و بیشتر دینی' سماجی' تعلیمی اور کاروباری سرگرمیوں میں حتی المقدور حصہ لیا بعض میں تو بھرپور کردار ادا کیا۔

شیخ مرحوم بڑے ہمدرد' ملنسار اور مرنجاں مرنج بزرگ اور مشفق و شفیق دوست تھے۔ ان کے روابط و تعلقات بڑے وسیع تھے۔ ہر طبقے کے لوگوں سے میل جول تھا۔

شیخ صاحب مرحوم نے اپنی زندگی کا آغاز آج سے تقریباً چھپن برس پہلے کشمیری بازار میں بحیثیت کتب فروش کیا۔ اس زمانے میں کشمیری بازار عربی' فارسی اور اردو کا مرکز تھا اور سراج دین و چراغ دین' شیخ غلام علی' ملک دین محمد' اللہ والوں کی دکان' شیخ جان محمد اور ملک سراج دین وغیرہ خاصے مشہور اشاعتی ادارے تھے۔ یہ لوگ ہر قسم کی کتابیں مہیا کرتے تھے۔ قرآن مجید' معری و مترجم' اردو تراجم' کتب حدیث' کتب فقہ' دینی مدارس کی درسی کتب' علوم شرعیہ کے امتحانات کے لیے نصابی کتب اور اس کے علاوہ اس زمانے میں دینی اور ادبی نیز دینی مسائل کی پنجابی کتابیں بھی بکثرت میسر تھیں۔

کشمیری بازار سے ہٹ کر لوہاری منڈی میں بھی عربی' فارسی اور اردو و پنجابی کتابوں کا ایک مرکز شیخ مبارک علی کی نگرانی میں قائم تھا۔

شیخ محمد اشرف مرحوم بڑے باہمت اور اولوالعزم انسان تھے۔ وہ اس بات کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے کہ کاروبار کو آگے بڑھانے کے لیے کونسا قدم اٹھایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے کتابوں کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں ایک نیا میدان تلاش کیا اور وہ تھا انگریزی زبان میں

Marfat.com

دینی' اور تاریخی کتابوں کی تصنیف اور نشرو اشاعت۔ اس منصوبے کا آغاز انہوں نے علامہ عبداللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمہ قرآن مجید سے کیا۔ یہ ترجمۂ قرآن مجید بذات خود بڑا صبر آزما مرحلہ تھا۔ ایک ایک پارہ بڑی محنت اور محبت سے تیار کر کے قارئین تک پہنچایا گیا۔ اس بابرکت کام سے آغاز کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیخ صاحب مرحوم نے انگریزی کتب کی اشاعت کے لیے اچھے اچھے مصنف منتخب کیے اور قرآن و حدیث کے تراجم' تاریخ و ثقافت اور سیرت و سوانح پر تین سو کے قریب کتابیں شائع کیں۔ اس میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم' قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ پر بڑی عمدہ اور معیاری کتابیں شائع کیں۔ عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ قرآن مجید ایک دینی' علمی اور ادبی شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ غیر ملکی مصنفوں میں آسٹریا کے نو مسلم فاضل مصنف محمد اسد لیو پولڈویس کا نام بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے جن کی ایک کتاب Islam at the Cross Roads اپنے زمانے میں بڑی معرکہ آرا کتاب تھی۔ شیخ صاحب نے صحیح بخاری کا کچھ حصہ' صحیح مسلم اور مشکوٰۃ شریف کے مکمل اور مستند تراجم شائع کیے۔

شیخ صاحب مرحوم کی زندگی میں کئی ملی اور وطنی تحریکوں نے جنم لیا اور یہ ناممکن تھا کہ شیخ صاحب جیسا سماجی کارکن ان قومی تحریکوں سے بے تعلق رہتا۔ تحریک خلافت' تحریک احرار اسلام اور پھر مسلم لیگ کی تحریک پاکستان سب میں انہوں نے حصہ لیا۔ ایک تو اس لیے بھی کہ یہ عوامی اور اسلامی تحریکیں تھیں اور بالخصوص مسلم لیگ میں' اس لیے بھی کہ اس کے سرگرم رکن ان کی اپنی برادری اور محلے کے لوگ تھے۔ لاہور بلکہ پنجاب میں سر محمد شفیع مرحوم کے بعد مسلم لیگ کے کرتا دھرتا ملک برکت علی مرحوم تھے جو شیخ صاحب کے بزرگوں میں سے تھے۔ اسی طرح مشہور پنجابی شاعر اور سرگرم قومی کارکن لال دین قیصر بھی ان پر اثر انداز ہونے والے لوگوں میں سے تھے۔ ان سب سے بڑھ کر یہ بات قابل ذکر ہے کہ شیخ صاحب کے روحانی پیرو مرشد حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ مسلم لیگ میں شامل ہو کر پاکستان کے لیے جان کی بازی لگا کر میدان نکل آئے تھے اور ان کے ساتھ شیخ محمد اشرف صاحب کا اس میدان سے پیچھے رہ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اس سلسلے میں شیخ صاحب نے ہر طرح کی قربانی پیش کی۔

شیخ صاحب مرحوم علمائے دین کے بھی بڑے خدمت گزار اور مخلص دوست تھے اور ہر طرح ان کے ساتھ تعاون فرماتے۔ شیخ صاحب کا یہ وصف بھی قابل ذکر ہے کہ وہ دینی اور مذہبی جلسوں اور کانفرنسوں میں بڑے شوق اور اہتمام سے شرکت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تو انہوں نے بڑے پیمانے پر سیرت کانفرنس کا بھی شاندار اہتمام کیا تھا۔ شیخ محمد اشرف مرحوم بڑے منتظم اور باہمت بزرگ تھے۔ ان کے زمانے میں کئی قدیم و جدید تعلیمی درس گاہیں معرض وجود میں آئیں اور مسلمان بڑے شوق اور جذبے سے ان کا نظم و نسق چلاتے رہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی دنیوی اور دینی تعلیم کے لیے جدید اور عربی علوم کی تدریس و تعلیم کے سلسلے میں بہت سے مدارس سے وہ تعاون کرتے رہے' لیکن مسجد چینیاں والی کے دارالعلوم سے انہیں بے حد وابستگی تھی اور اس کے انتظام و انصرام میں وہ ہمیشہ شریک رہے۔

شیخ صاحب بڑے وضعدار آدمی تھے۔ ان کی وضعداری ان کے لباس اور طور طریقوں سے نمایاں تھی۔ دوستوں کی تیمار داری' جنازوں میں شرکت' دینی اداروں کی خدمت اور احباب کی خاطر تواضع ان کے کردار کا ممتاز پہلو تھا۔ شیخ صاحب ایک کامیاب کاروباری آدمی تھے۔ کاروبار بھی کیا اور دین کی خدمت بھی کی۔ دینی کتب کی نشرو اشاعت کے ذریعے دور دراز ملکوں تک اسلام کا پیغام بھی پہنچایا اور دولت بھی کمائی۔ نیک نامی اور شہرت بھی پائی اور آخرت کے لیے زاد راہ بھی مہیا کر لیا۔

الغرض شیخ محمد اشرف مرحوم نے بڑی بھرپور زندگی بسر کی اور کام کاج میں عمر کو کبھی آڑے نہیں آنے دیا۔ اپنے زمانے کے مشاہیر سے ملاقاتیں کیں' دینی اداروں کو آگے بڑھانے میں پورا تعاون کیا۔ سیاسی اور سماجی تحریکوں میں حصہ لیا۔ بالخصوص انگریزی کتابوں کی نشرو اشاعت اور قرآن و سنت کی ترویج میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

شیخ صاحب مرحوم نے قرآن مجید سے متعلق ایک بڑا عمدہ ذخیرہ بھی جمع کیا تھا۔ جس میں قرآن مجید کی مختلف طباعتیں اور مختلف زبانوں میں تراجم شامل ہیں۔

Marfat.com

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی خطاؤں سے درگزر فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ (آمین)

○○○

Marfat.com

تصوّف اور صوفیائے کرام

Marfat.com

Marfat.com

تصوّف: صوفیاء کی نظر میں

مسلمانوں کی تاریخ میں بے شمار تحریکیں ابھریں اور مٹ گئیں۔ تصوف بھی ایک تحریک تھی بڑی شاندار تحریک۔ اس میں علم و فکر کے پہلو بھی تھے اور عبادات و ریاضت کے بھی۔ یہ تحریک معاشرت و اقتصادیات پر اثر انداز ہوئی۔ اس تحریک نے سیرت و کردار انفرادی و اجتماعی اخلاق اور فلسفہ اخلاق کو بھی متاثر کیا۔

تصوف کا لفظ اشتقاق کے لحاظ سے صوف سے مشتق ہے اور عام طور پر اونی لباس پہننے کی طرف اشارہ کرتا ہے' لیکن امام القشیری نے اونی لباس کو بھی ضروری نہیں ٹھہرایا۔ بہر حال اسلامی اصطلاح میں صوفی بن کر متصوفانہ زندگی بسر کرنے کو تصوف کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

لفظ صوفی کی مختلف توجیہات پیش کی جاتی ہیں' مثلاً" لفظ صوفی اہل الصفہ کی طرف نسبت ہے۔ صف اول کی طرف منسوب ہے' یا صفا (دل کی پاکیزگی اور طہارت) کی طرف۔ اس قسم کی اور توجیہات بھی پیش کی گئی ہیں' لیکن اہل لغت نے ان سب نسبتوں کو رد کر دیا ہے۔ البتہ ایک تاویل قابل غور ہے: بندار بن حسین شیرازی (م ۳۵۳ھ) کا قول ہے کہ صوفی اصل میں صوفی (عوفی اور کوفی کے وزن پر) ہے' یعنی جسے ذات حق نے اپنے لیے چن لیا ہو اور اپنا مقرب و برگزیدہ بنا لیا ہو: **من اختاره الله وصفا ہ(طبقات الصوفیہ' ص ۴۶۷)**

اب تصوف کا مفہوم اہل تصوف کی زبان سے بھی سن لیجیے: حضرت بوشنجی کے نزدیک تصوف نام ہے حریت اور فتوّت (جوانمردی) کا' اور سخاوت و اخلاق میں تصنع اور بناوٹ سے کنارہ کشی کا (طبقات' ص ۴۶۰)' الفتوت کا مفہوم بھی صوفیا کے نزدیک حسن خلق' بذل مال اور طبیعت و مزاج کے خلاف غیر پسندیدہ لوگوں سے میل جول ہے۔

Marfat.com

(ایضاً ص ۵۰۶)۔

ابن الاعرابی فرماتے ہیں: فضولیات کو ترک کر دینے کا نام ہی تصوف ہے (ص ۴۲۸)' ابو الحسن النوری فرماتے ہیں: حظ نفس کا ترک کر دینا تصوف ہے (ص ۱۴۶)' پھر فرماتے ہیں کہ تصوف رسوم و علوم کا نام نہیں بلکہ یہ تو اخلاق کا نام ہے (ص ۱۴۷)۔

ان اخلاق کی تصریح کے لیے کئی اکابر صوفیا کے اقوال ملاحظہ ہوں' مثلاً اوامر و نواہی کی خاطر صبر و ثبات' تصفیۂ و تزکیۂ قلب' اقتاو طمع سے دست کش ہونا' صفات بشریہ کو مٹا دینا' نفسانی خواہشات سے اجتناب' روحانی صفات کا حصول' علوم حقیقت سے وابستگی' امت مسلمہ کی خیر خواہی' اللہ تعالیٰ سے وفاداری اور شرعی امور میں اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۴۶۴)۔

بقول جنید بغدادی تصوف اعلیٰ اخلاق کے اپنانے اور اخلاف رزیلہ سے بچنے کا نام ہے (ص ۴۳۶)۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ ذات حق کے ساتھ استقامت احوال کا نام تصوف ہے۔ (ص ۵۱۱)

ایک صاحب کے نزدیک تصوف ھمہ اضطراب و قلق ہے اور سکون و راحت میں تصوف ناپید ہو جاتا ہے' (ص ۴۷۴)۔

تصوف کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ لوگوں سے میل جول بالکل ترک کر دیا جائے' (ص ۵۶۴)۔

ایک صوفی بزرگ فرماتے ہیں کہ دراصل تصوف نام ہے کتاب وسنت سے تمسک اور وابستگی کا اور ترک بدعت وہوی کا (ص ۴۸۸)۔

مندرجہ بالا صفات میں سے ساری یا کچھ صفات کے حامل کو صوفی کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

صوفی کا لقب پہلے پہل آٹھویں صدی عیسوی کے آخر میں جابر بن حیان کے لیے استعمال ہوا۔ یہ شخص کیمیاگر اور مسلکاً شیعہ تھا۔ کوفے میں رہائش رکھتا تھا۔ دوسرا

Marfat.com

شخص ابو ہاشم کوفی تھا جس کے نام کے ساتھ صوفی کا لفظ استعمال ہوا اور بقول صاحب البیان والتبیین اسی زمانے کے قریب لفظ صوفی کا استعمال کوفے کی ایک نیم شیعی مسلمانوں کی جماعت کے لیے ہوا۔ اس گروہ کا ایک امام عبدک صوفی تھا۔ یہ صاحب گوشت سے پرہیز کرتے تھے۔ صرف سبزی استعمال کرتے اور خلافت پر حق وراثت کے قائل تھے۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اول اول لفظ صوفی کوفے تک محدود رہا۔

مگر تصوف کا مستقبل بڑا درخشاں اور شاندار تھا اور آنے والے زمانوں میں لفظ صوفی اپنے اندر ہزارہا اوصاف جمیلہ رکھتا تھا اور عزت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا۔ دوسری صدی ھجری کے بعد صلحا' زھاد' عباد اور نساک کے ایک گروہ کے لیے صوفی کا معزز لقب استعمال ہونے لگا اور صوفیاء کے مسلک کو تصوف کا نام دیا جانے لگا۔

تصوف میں زاویہ نشینی' خلوت گزینی اور خانقاہ پناہی' ترک دنیا' ذکر و فکر' کثرت اوراد نے نمایاں حیثیت اختیار کر لی۔ صبر و رضا' توکل اور اس نوع کے دیگر تصورات نے ایک بلند مقام حاصل کر لیا۔

صوفیائے کرام نے اصلاح قلب و نفس کے لیے بڑی کوششیں کیں اور مختلف ادوار میں مختلف پیمانے اپنائے۔

اصلاح قلب کے لیے چار چیزوں کو ضروری قرار دیا: **التواضع للہ' الفقر الی اللہ' الخوف من اللہ' الرجا فی اللہ' (ص ۱۷۲)۔**

ایک اور بزرگ نے فرمایا کہ حرام چیزون سے پرہیز فرض ہے۔ مباح چیزوں سے پرھیز فضیلت ہے اور حلال چیزوں سے پرہیز قرب الٰہی کا موجب ہے' (ص ۱۷۴)۔

ایک قول یہ ہے کہ پیٹ میں حلال چیزیں ڈالنے سے اعمال صالح صادر ہوتے ہیں مشتبہ چیزیں کھانے سے اللہ تک پہنچنے کی راہیں مشتبہ ہو جاتی ہیں اور حرام چیزوں کے کھانے سے بندے اور مالک کے درمیان پردے حائل ہو جاتے ہیں (ص ۴۴۹)۔

ایک قول یہ ہے کہ مومن کی قوت اللہ کے ذکر میں ہے' (ص ۲۴۰)۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ نفس کے مارنے میں حیات قلب ہے (ص ۴۷۱)۔

Marfat.com

اولیاء اللہ کی تعریف یہ کی گئی کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور تمام سہاروں سے بے نیاز ہو کر ذات حق کی طرف رجوع کرتے ہیں (ص ۱۱۰)

فقیر وہ ہے جس میں عجز و انکسار ہو' (ص ۱۱۰)۔

اللہ کے حکم پر راضی رہنے والا متوکل ہے (ص ۴۵۵) اور اللہ پر اعتماد قلب کا نام توکل ہے (ص ۲۳۹)۔

روزی کا اہتمام حق سے دور کر دیتا ہے اور مخلوق کا محتاج بنا دیتا ہے (ص ۱۷۸)۔

اگر اس تحریک کا تاریخی تجزیہ کیا جائے تو ہم اس کے عناصر ترکیبی کا پتہ باآسانی لگا سکتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات متعلقہ فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا وَ سَبِّحْہُ لَیْلًا طَوِیْلًا وغیرہ ہیں۔

جنت و دوزخ اور فلاح و فوز پھر اس میں ہر دور اور ہر ملک کے اثرات۔

یہ تحریک محض اتفاق نہ تھی بلکہ ایک سوچی سمجھی تحریک تھی۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد میں دولت کی ریل پیل اور سیم و زر کی فراوانی' زندگی کی آسائشوں اور رفاقتوں کی بہتات مادی دور میں روحانی اقدار کی اہمیت دینے والوں کا رد عمل معاشرہ میں بے انصافیوں کے خلاف ایک گونہ احتجاج تھا۔

تیسری صدی کا نصف اول گزرنے کے بعد تصوف کی دعوت کا کھلم کھلا اعلان بغداد کی مساجد میں ہونے لگا۔ اس دعوت میں تزکیہ نفس' دنیا سے بے رغبتی' مادی اقدار کی بجائے روحانی اقدار کا فروغ' ذکر و فکر' وصال الٰہی ایسے مقاصد پیش نظر تھے۔

آغاز تحریک سے ہی تصوف کی مخالفت بھی شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے خارجیوں نے امام حسن بصری کی مخالفت و مذمت شروع کی۔ پھر امامیہ فرقوں نے (تیسری صدی میں) تصوف کے ہر میدان کی مذمت کی۔ اہل سنت میں امام احمد بن حنبل نے اس لیے تصوف کو مورد الزام ٹھہرایا کہ تصوف میں ظاہری عبادات کے مقابلے میں مراقبے پر زور دیا جاتا ہے اور ذاتی قرب الٰہی کے لیے سنت کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔

معتزلہ اور ظاہری مکاتب فکر کے لوگ بھی خالق سے تعلقات کی استواری کے

لیے مسلک عشق کی قدر نہ کر سکے۔

بایں ہمہ تصوف کو اکابر اھل اسلام نے اپنایا اور اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ ہزاروں متقی اور پاکباز مسلمانوں نے اس تحریک میں اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ امام قشیری کا الرسالہ ابو عبدالرحمٰن السلمی کی کتاب طبقات الصوفیہ' ابو طالب مکی کی قوت القلوب اور امام غزالی کی احیاء علوم الدین اور المنقذ من الضلال ایک محقق طالب علم کے لیے بیش بہا علمی اور تاریخی خزائن ہیں۔

تصوف کے کارنامے

تصوف نے عبادت میں ذوق و شوق پیدا کیا۔ قلوب کو دولت قناعت سے مالا مال کر دیا۔ توبہ' صبر توکل اور رضا ایسی بے بہا صفات اور خوبیاں عطا کیں۔ تصوف نے ہمارے ادبی سرمایہ میں بھی بڑا اضافہ کیا اور علمی زاویوں میں وسعت پیدا کی۔ مروجہ معانی و الفاظ میں کچھ تغیر و تبدیلی رونما ہوئی۔ توکل' معرفت' فنا' بقا ولایت وغیرہ الفاظ کو جدید معانی پہنائے گئے۔ روح اور نفس کی بحثوں نے ایک نیا فلسفہ پیدا کیا اور مادہ کے حدوث و قدم پر دلچسپ اور غیر دلچسپ بحثیں شروع ہوئیں۔ پھر ایک اور نہ سمجھ آنے والی بحث الہیات کے نام سے چل نکلی اور بڑے بڑے فلسفیوں نے خوب سر کھپایا۔

صوفیاء کے نزدیک اولیا اللہ کا ایک مستور مگر منظم سلسلہ ثقافت ہے جس کی بدولت دنیا کی بلائیں ٹلتی رہتی ہیں۔ اس نظام کے مطابق دنیا میں اولیاء اللہ کی تعداد مقرر ہے۔ جب ایک ولی کا انتقال ہو جاتا ہے دوسرا ولی اس کی جگہ فوراً لے لیتا ہے۔ اس نظام میں تین سو نقباء' چالیس ابدال' سات امناء' چار عمود اور ان کا قطب شامل ہیں۔

تصوف نے ہماری شاعری پر بھی گہرا اثر ڈالا ہے۔ عربی' فارسی' ترکی اردو' پشتو' سندھی' پنجابی زبانون کا ایک سرسری نظر سے جائزہ لیجئیے تو آپ کو تصوف کے اثرات کا ضرور قائل ہونا پڑے گا۔ تصوف کا اپنا ایک انداز اور اسلوب ہے جو ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے۔

حضرت علی ہجویری کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ : تصوف ایک نام ہے بغیر

Marfat.com

حقیقت کے، لیکن زمانہ سابق میں ایک حقیقت تھی بغیر نام کے، یعنی صحابہ کرام سلف صالحین کے زمانے میں یہ نام موجود نہ تھا، لیکن اس کی حقیقت ہر شخص میں جلوہ گر تھی"۔

☆ ☆

اندلس کا صوفی ــــ ابنِ عربیؒ

اندلس کے مشہور مفکر ابن عربیؒ نے اسلامی علوم اور عربی ادب میں نئے انداز فکر کی بنیاد رکھی۔ ابن عربی پہلا صوفی مفکر ہے جس نے تصوف اور حکمت و فلسفہ کی آمیزش سے نیا ادب پیدا کیا۔ اس نے اسلامی تصوف میں نئی مصطلحات اور ترکیبوں کا اضافہ کیا۔ وہ ایسا دانائے راز ہے جس نے خالق و مخلوق کے تصوّر و تعلق کو نئے الفاظ میں پیش کیا اور قرآن و حدیث پر غور و فکر کی نئی راہیں تلاش کیں۔ ابن عربی بیک وقت صوفی بھی ہے اور مفکر بھی۔ وہ صاحب طرز ادیب بھی ہے اور شاعر بھی۔ فقیہانہ اجتہاد میں پوری مہارت رکھنے کے علاوہ ابن عربی تصوّف میں نئے مکتب فکر کا بانی ہے اور وحدت الوجود کا تصور ابن عربی کا نمایاں کارنامہ ہے۔

ابن عربی کو شیخ الاکبر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور اندلسی حلقوں میں ابن سراقہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔

ابوبکر محمد بن علی محی الدین ابن عربی ۱۷ رمضان المبارک ۵۶۰ھ (۲۸ جولائی ۱۱۶۴ء) میں بمقام مرسیہ پیدا ہوا۔ وہ ابن عرب کے مشہور شاعر اور سخی حاتم طائی کی اولاد میں سے تھا۔ ۵۶۸ھ (۱۱۷۲ء) میں ابن عربی کا خاندان اشبیلیا میں جا بسا۔ تیس برس کی عمر تک ابن عربی کو اسی شہر میں مقیم رہنے کا موقع مل گیا۔ یہ شہر علوم وفنون کا ایک اہم مرکز تھا۔ چنانچہ ابن عربی نے علوم اسلامیہ بالخصوص قرآن و حدیث اور فقہ کے مشہور اساتذہ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا۔ ابتدائی عہد میں ادبیات کی طرف زیادہ رجحان تھا اور علم و ادب میں اتنا کمال پیدا کیا کہ بعض حکمرانوں کے کاتب (سیکریٹری) کی حیثیت میں بڑی خوش اسلوبی سے خدمات انجام دیتا رہا۔

Marfat.com

۵۹۰ھ (۱۱۹۴ء) میں تونس کی سیروسیاحت کی۔ مشرقی ممالک کی سیر کرتے ہوے ۵۹۸ھ (۱۲۰۱ء) میں مکّہ مکرمہ جا پہنچا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ شیخ ابن عربیؒ کی زندگی اور انداز فکر میں خوابوں کو بڑا دخل رہا ہے۔ انہیں خوابوں پر بڑا اعتقاد تھا۔ ایک مرتبہ سفر کرتے کرتے بجایہ کے مقام پر قیام ہوا۔ اس عرصے میں شیخ ابن عربیؒ نے ایک خواب دیکھا اور اس خواب کی تعبیریوں کی کہ شیخ موصوف علم و حکمت اور تصوّف و معرفت کا ایسا بحرِزخّار ہوگا جسے قرارو ساحل سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ اس خواب نے ابن عربیؒ کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور اسی خواب کی بنا پر شیخؒ نے تمام ظاہری و باطنی کمالات حاصل کیے۔

شیخ ابن عربیؒ نے دو مرتبہ بغداد کا سفر کیا۔ ایک مرتبہ تو ۶۰۱ھ میں اور دوسری مرتبہ ۶۰۸ھ میں۔ بیت اللہ شریف کے شوق زیارت نے ۶۱۱ھ میں پھر مکہ مکرمہ پہنچا دیا۔ ارض مقدسہ میں چند ماہ قیام کے بعد ۶۱۲ھ میں حلب جا نکلے دوران سفر موصل اور ایشیاے کوچک کی سیر و سیاحت بھی کی۔

آپ جہاں کہیں پہنچے علم و دانش اور فکر و عمل کی شہرت ساتھ گئی۔ ہر جگہ پر جوش خیر مقدم ہوا۔ اہل قلب و نظر نے نذرانۂ عقیدت پیش کیا اور اہل ثروت نے ہدیہ سیم و زر، لیکن یہ مرد درویش علم و حکمت اور دانش و معرفت کی اقلیم کا تاجدار تھا۔ فقر و بے نیازی کا یہ حال تھا کہ دولت و ثروت اور دنیوی عز و جاہ اس کی نظر میں پرکاہ جتنی حیثیت بھی نہ رکھتے تھے۔ اگر سیم و زر کے ڈھیر بھی پیش کیے جاتے تو شیخ محتاجوں اور غریبوں میں تقسیم کر دیتے۔ ایشیاے کوچک کے ایک عیسائی حکمران نے شیخ کی رہائش کے لیے ایک مکان پیش کیا۔ شیخ نے وہ مکان بھی ایک فقیر و قلّاش آدمی کو بخش دیا۔ مختصر یہ کہ اس صوفی مفکر نے اپنی شان بے نیازی، خودی، فقر و قلندری، علم و حکمت اور تصوف و معرفت کا سکہ ہر جگہ بٹھایا۔

شیخ ابن عربی نے دمشق کو اپنا وطن بنایا اور وہیں ۶۳۸ھ /۱۲۴۰ء میں سفر

Marfat.com

آخرت اختیار کیا۔

ابن عربیؒ کی تصانیف:۔

ابن عربی بلا کا ذہین اور طباع انسان تھا۔ سیرو سیاحت' تجربات اور شوق علم نے اس میں بڑی پختگی پیدا کردی تھی۔ اس کے ہاں علم کی فراوانی کے ساتھ قلم کی روانی بھی موجود ہے۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں غزالیؒ اور ابن سینا جیسے شہرۂ آفاق اہل قلم اور صاحب علم بھی اس کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں۔ جرمن مستشرق بروکلمن نے اپنی مشہور کتاب تاریخ ادبیات عربی میں ابن عربی کی اڑھائی سو مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی اس رائے کا بھی اظہار کیا ہے کہ ابن عربی کے ہاں کثرت تالیفات کے ساتھ وفور عقل اور وسعت خیال بھی موجود ہے۔ خود ابن عربیؒ نے اپنی وفات سے چھ برس پہلے یعنی ۶۳۲ھ میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اس کی اپنی تصنیفات کی تعداد دو سو نوے کے قریب ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے نفحات میں ابن عربی کی تالیفات بشمول کتب و رسائل پانصد لکھی ہیں۔ شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں ابن عربی کی تالیفات کی تعداد چار سو بتائی ہے۔ بہر حال یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ ہمارا یہ صوفی منفرد فکر کے ساتھ کم و بیش دو سو کتابوں کا مصنف بھی ہے۔

شیخ ابن عربی کی جلیل القدر تصنیفات میں "الفتوحات المکیہ" اور "فصوص الحکم" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ فاضل مصنف نے الفتوحات المکیہ ۵۹۸ھ میں لکھنا شروع کی اور ۶۳۵ میں مکمل کی ۔ یہ بڑی ضخیم کتاب ہے اور بڑے عمدہ علوم اور فوائد پر مشتمل ہے۔ اس میں شرح و بسط کے ساتھ تصوف کے نظری اور عملی خدو خال اجاگر کیے گئے ہیں۔ شیخ ابن عربی نے اس کتاب میں علوم و معارف کا بیش بہا ذخیرہ جمع کرنے کے علاوہ تصوف کے بنیادی حقائق و معارف قلم بند کر دیے ہیں۔ شیخ موصوف کی دوسری کتابوں کی طرح فتوحات کو بھی احتیاط سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ بڑے بڑے علما اور فضلا شیخ ابن عربی کی کتابوں کو بڑی دقت نظر اور غور سے مطالعہ کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اکثر

Marfat.com

اوقات اس صوفی مفکر کے الفاظ و مطالب میں خاصا بعد ہوتا ہے۔

"فصوص الحکم" شیخ ابن عربی کی بڑی معرکہ آرا تصنیف ہے۔ اس کتاب کی تصنیف بھی ایک خواب پر مبنی ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے ۶۲۷ھ میں ایک خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کتاب کا نام "فصوص الحکم" بتایا اور یہ کتاب ابن عربی کو عطا کردی۔ ساتھ ہی فرمایا کہ یہ کتاب لوگوں تک پہنچا دو' چنانچہ اس خواب کی بنا پر ابن عربی نے فصوص الحکم تصنیف کی۔

فصوص الحکم اس زمانے کی یادگار ہے جب کہ ابن عربی کے فکرو نظراور علم و دانش میں بڑی وسعت اور پختگی آچکی تھی۔ یہ حقیقت تو ظاہر ہے کہ شیخ ابن عربیؒ بیک وقت صوفی بھی ہے اور مفکرو فلسفی بھی۔ وہ ایسا مفکر ہے جو تحلیلی اور ترکیبی طریق کو چھوڑ کر رموز و اشارات اور خیالی اسلوب کی پناہ لیتا ہے۔ وہ ایسے مدرسہ فکر کا بانی ہے جس میں تصوف اور فلسفہ کا امتزاج ہے۔ لوگ شیخ ابن عربیؒ نے فلسفیانہ خیالات کی تعبیر کے لیے رمزو کنایہ سے کام لیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ فصوص الحکم کے مطالعہ میں بڑی دقتیں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ کہیں تصوف ہے اور کہیں فلسفہ۔ حقیقت کو رموز و کنایات کے پردوں میں چھپا دیا ہے۔ اسی لیے فصوص کے مطالعہ کے بعد کئی شیخ ابن عربی سے بدظن ہوگئے۔ امام ابن تیمیہؒ جیسا فاضل اور محقق عالم بھی یوں اظہار خیال کرتا ہے:

> عرصہ ہوا مجھ کو ابن عربیؒ سے بہت حسن ظن تھااور میں ان کی بہت عزت کرتا تھا' کیونکہ فتوحات کیہ وغیرہ کتابوں میں بڑے عمدہ فوائد تھے' لیکن جب میں نے فصوص الحکم دیکھی تو میں رائے تبدیل کرنے پر مجبور ہوگیا"

تاہم اس میں شبہہ نہیں کہ فصوص الحکم بڑی اہم کتاب ہے۔ اس میں وجدان و کشف بھی موجود ہے جو صوفیا کا خاصہ ہے۔ ابن عربی کے حامیوں کی

Marfat.com

رائے ہے کہ شیخ کو سمجھنے کے لیے فکر و نظر کے ساتھ ذوق سلیم اور صوفیانہ وجدان بھی ضروری ہے۔

اس کتاب میں ستائیس نگینے (فصوص) ہیں اور ہر ایک نگینہ حکمت میں ایک نبی کے بارے میں قرآنی آیات پر اپنے خاص اسلوب میں بحث کی ہے اور نبی موصوف کو ایک خاص زمانے میں انسانیت کا نمائندہ ظاہر کیا ہے جو انسان کامل کی شکل و صورت میں اللہ تعالیٰ کو خوب پہنچانتا ہے۔

فصوص الحکم میں فلسفۂ الٰہیات اور تصوف کی آمیزش ہے۔ شیخ کا مقصد یہ نہیں کہ تصوف کے نظری اور عملی مسائل بیان کرے اور نہ یہ کہ محض فلسفیانہ موشگافیوں کی ترویج کرے وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ مسائل فقہ کو صوفیانہ انداز میں ڈھالے' بلکہ ابن عربی کا مقصد یہ ہے کہ صوفیا کے فلسفہ کو دین و دانش کی روشنی میں مختصراً بیان کرے۔ وہ ذاتی تجربات کی روشنی میں اپنے نہایت دقیق صوفیانہ اسلوب و ذوق کے ساتھ اللہ' کائنات اور انسان سے متعلق مسائل پر اظہار خیال کرتا ہے۔

شیخ ابن عربیؒ کی فصوص الحکم ایک عرصہ تک اہل قلب و نظر کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ شیخ صدرالدین قونویؒ' مولانا داؤد قیصریؒ' مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ اور دیگر لوگوں نے عربی زبان میں شرحیں لکھیں اور نعمت اللہ شاہ ولیؒ نے فارسی میں شرح لکھی۔ شیخ ابن عربیؒ کے اکثر شارحین پر شیخ کا علمی اور روحانی رعب اس درجہ چھایا ہوا ہے کہ وہ قرآنی آیات کی تاویل کرلیں گے' لیکن شیخ کے قول کی تاویل نہیں کرتے۔

شیخ ابن عربی کے تصوف اور فکر و نظر کا دارومدار اس اصول پر ہے کہ:

(۱) صرف اللہ تعالیٰ وجود بالذات کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا تمام کائنات کا وجود بالعرض ہے۔ مولانا حسرت موہانیؒ نے یہی خیال اپنے کلام میں یوں ظاہر کیا ہے:

Marfat.com

ممکن کا بالعرض وجود
ہستی حق ہی حقیقت ہے

(۲) ذات حق ہی موجودات کا اصل ہے۔ اللہ کے سوا کسی چیز کا وجود اصلی اور مستقل نہیں۔ بقول مولانا حسرت موہانی:

خارج میں ہے اصل وجود
علم میں ساری حقیقت ہے

شیخ ابن عربیؒ کی عادت ہے کہ جب ایک بار ایک مسئلے کو جامع طریق سے قیود و شرائط کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں تو پھر قاری کے فہم پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ اس اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھے گا۔ پھر ان شرائط و قیود کو دہرانے کی زحمت نہیں اٹھاتے، مثلاً ایک دفعہ لکھ دیا کہ موجود بالذات خدا کے سوا کوئی نہیں۔ اس کے سوا سب چیزیں موجود بالعرض ہیں۔ پھر کہیں کہہ دیں گے کہ خدا کے سوا موجود بالذات کوئی نہیں۔ یہ کہنے سے شیخ کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ حقائق اشیا باطل ہیں، یا یہ کہ بندے میں اور خدا میں کوئی فرق نہیں۔

شیخ ابن عربی کا یہ اسلوب ہے کہ اصطلاحی اور لغوی معنوں کو ایک ہی عبارت میں جمع کر کے مختلف مفہوم ادا کرنے کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح ایک لفظ کا دو مختلف معنوں میں استعمال قارئین کے لیے لغزش فہم کا باعث بن جاتا ہے۔

شیخ ابن عربی کے کلام کی یہ بھی ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ دوسرے شخص کا قول یا شعر اپنے حسب حال معنوں میں ڈھال لیتے ہیں۔

شیخ کے کلام میں یہ بات بھی عام ہے کہ وہ قرآن مجید کی آیات کو اپنی عبارت میں نقل کرتے ہیں۔ مقصد تفسیر نہیں ہوتا، بلکہ اپنے مسلک کی تائید ہوتا ہے۔

ہمارے اس صوفی مفکر کے ہاں مختلف علوم بالخصوص علم کلام، منطق اور ہیئت کے مسائل کی طرف اشارات موجود ہیں جن کا عام قاری کے لیے سمجھنا

Marfat.com

مشکل ہو جاتا ہے۔

شیخ ابن عربیؒ نے اپنے عقائد کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی مشہور کتاب فتوحات مکیہ میں لکھا ہے:

(۱) اللہ ایک ہے۔ الوہیت میں اس کا کوئی ثانی نہیں' وہ بیوی بچوں سے پاک ہے۔ وہ سب کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ بذاتہٖ موجود ہے اور وہ کسی موجد کا محتاج نہیں ہے۔

(۲) میں (ابن عربی) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان رکھتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جو کچھ عقائد و احکام لائے ہیں میں ان سب پر ایمان لایا ہوں اور وہ احکام نبوی جو میں جانتا ہوں اور جو میں نہیں جانتا سب پر ایمان رکھتا ہوں"

گزشتہ چند برسوں سے ابن عربیؒ کے حالات زندگی اور تصانیف پر اہل علم حضرات نے خاصی توجہ فرمائی ہے اور مشرق و مغرب کے اہل قلم نے اس کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور فصوص الحکم ایسی کتاب کے عمدہ اور تشریحی ایڈیشن کیے ہیں۔

Marfat.com

سُلطان ابراہیم بن ادھمؒ ایک نامور صُوفی

سلطان ابراہیم بن ادھم بن منصور دوسری صدی ہجری میں مشہور و معروف زاھد اور صوفی گزرے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو اسحاق تھی اور التمیمی ' العجلی اور البلخی کی نسبتوں سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ابن شاکر الکتبی نے اپنی کتاب فوات الوفیات میں لکھا ہے کہ ان کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی۔ سال ولادت کسی سوانح نگار نے نہیں کیا۔ البتہ ان کی وفات کے بارے میں سیرت نگاروں کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے وہ ۱۴۰ اور ۱۶۶ھ کے درمیان فوت ہوئے۔

ان کے والد بزرگوار ادھم بن منصور بلخ کے بڑے رئیس اور متمول آدمی تھے۔ ہمارے اس نامور صوفی اور شہرۂ آفاق زاھد کو بھی لڑکپن اور جوانی میں رئیس زادوں کی طرح سیرو شکار کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خادم ابراہیم بن بشار کے اصرار پر بتایا کہ انہوں نے مال و دولت اور عیش و عشرت کی زندگی کو خیرباد کہہ کر کیوں اور کس طرح فقرو درویشی اختیار کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد بلخ کے رہنے والے اور خراسان کے شاہی خاندان کے ایک فرد تھے۔ والد کی خوشحالی' فارغ البالی اور دولت مندی نے مجھے بے فکری کی زندگی کا عادی بنا دیا تھا۔ سیرو شکار کا مشغلہ مجھے بڑا محبوب تھا۔ ایک دن میں گھوڑے پر سوار ہوا' شکاری کتا ساتھ لیا اور جنگل کی طرف چل نکلا۔ اچانک میری نظر ایک خرگوش یا لومڑی پر پڑی۔ میں نے فوراً گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اتنے میں ایک آواز سنائی دی۔ ھاتف غیبی پکار رہا تھا کہ اے ابراہیم نہ تجھے اس کام کے لیے پیدا کیا گیا اور نہ اس کا حکم دیا گیا۔ میں نے دائیں طرف دیکھا کوئی نظر نہ آیا' پھر میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو پھر وہی آواز آئی۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ میں رک گیا' میں نے خواب غفلت سے بیدار ہوتے ہوئے کہا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے انتباہ ہے۔ بخدا آج کے بعد میں اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ میں گھر واپس آیا۔ گھوڑے کو خیرباد کہا۔ والد کے ایک چرواہے کے پاس آیا اور اس سے ایک جبہ اور چادر لی اور اپنے کپڑے اور سامان اس کے حوالے کر کے عراق کو روانہ ہوا۔ عراق پہنچ کر محنت مزدوری کرنے لگا' مگر رزق حلال کے بارے میں میری تمنا پوری نہ ہوئی۔ میں نے ایک بزرگ سے رزق حلال کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ رزق حلال چاہتے ہو تو شام چلے جاؤ۔ چنانچہ میں ملک شام کے لیے روانہ ہوا وہاں پہنچ کر چند دن محنت مزدوری کی' مگر وہی کیفیت رہی۔ پھر خالص رزق حلال کی تلاش میں طرسوس پہنچا۔ طرسوس میں باغبانی اور فصلوں کی کٹائی کو ذریعۂ معاش بنایا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے باغبانی تو کی' لیکن درختوں کا پھل وغیرہ کبھی نہیں چکھا' مجھے یہ تک تو معلوم نہ تھا کہ کون سے پودے کے انار ترش ہیں اور کون سے پودے کے میٹھے۔

شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ادھم سے پوچھا کہ آپ نے خراسان کیوں چھوڑا۔ جواب ملا کہ مجھے شام کے علاوہ کسی جگہ زندگی کا لطف میسر نہیں آیا۔ یہاں میں اپنے دین و ایمان کو ساتھ لے کر ایک چوٹی سے دوسری چوٹی تک اور ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی تک دوڑتا ہوں۔ دیکھنے والا مجھے دیوانہ یا ساربان سمجھتا ہے۔

بلخ سے رخصت ہوئے تو عراق' شام اور حجاز میں اپنے وقت کے بڑے بڑے علما سے علم حاصل کیا۔ محنت کر کے پیٹ پالتے رہے۔ زندگی میں انہوں نے رزق حلال کو بڑی اہمیت دی ہے' یہاں تک کہ جس باغ میں چوکیداری کرتے اس باغ کے درختوں کا پھل تک نہ چکھتے۔

سلطان ابراہیم بن ادھمؒ بڑے باصفا بزرگ تھے۔ ہر وقت یاد خدا میں محو رہتے۔ دنیا و مافیہا سے بے نیاز رات دن عبادت و ریاضت میں مشغول نظر آتے۔ لباس بڑا سادہ' یعنی سردیوں کے موسم میں پوستین پہنتے جس کے نیچے کوئی قمیض وغیرہ نہ ہوتی۔ گرمیوں کے موسم میں پگڑی اور جوتے سے بے نیاز رہتے۔ سفر و حضر میں روزہ رکھا کرتے۔ فصیح

Marfat.com

عربی میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

اس درویشانہ اور زاہدانہ زندگی کے باوجود جہاد میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ کفار کے خلاف چھ جنگوں میں شریک ہوئے اور بقول ابن عساکر وہ یونانیوں کے خلاف ایک بحری مہم میں شریک ہوئے اور اسی جنگ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور بلاد روم کے ایک قلعے سوقین میں مدفون ہوئے۔

وہ روپے پیسے سے بالکل بے نیاز تھے۔ مال و زر کی نہ خواہش تھی نہ محبت۔ کیلکیا کے شہر مصیصہ میں مقیم تھے۔ ان کے والد کا ایک خادم آیا اور آکر بتایا کہ آپ کے والد بلخ میں وفات پا گئے ہیں اور مال و دولت کی بڑی مقدار چھوڑ گئے ہیں۔ آپ نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور دس ہزار درہم کی رقم بھی اس غلام کے حوالے کر دی۔

اکثر ایسا ہوتا کہ فصل کی کٹائی سے جو مزدوری حاصل ہوتی وہ غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے۔ رات بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہنے کے باوجود سارا سارا دن فصلیں کاٹتے اور اتنی تیزی اور ہمت سے کام کرتے کہ دیکھنے والے حیران و ششدر رہ جاتے۔ سلطان ابراہیم بن ادہمؒ ایک باعمل' زاہد' دن کو روزہ رکھنے والے اور رات کو عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے والے صوفی تھے۔ جن کے نزدیک توکل مانع محنت و مزدوری نہ تھا۔ بہت سے قدیم صوفیائے کرام کی طرح انہوں نے اس بات کی پوری احتیاط رکھی کہ دینی مفہوم کے مطابق رزق حلال حاصل ہو۔

مشہور صوفی مصنف ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب طبقات الصوفیہ میں سلطان ابراہیم بن ادہم کو طبقہ اولیٰ کے صوفیا میں شمار کیا ہے' سب سے پہلے فضیل بن عیاض کے حالات درج کیے ہیں پھر ابراہیم بن ادہم کے احوال و اقوال درج کیے ہیں۔

امام قشیری نے اپنی تصنیف الرسالۃ القشیریہ میں زاہدوں اور عابدوں کے احوال و آداب لکھتے ہوئے سب سے پہلے سلطان ابراہیم بن ادہم کا ذکر کیا ہے۔ ان کے کمالات کی وجہ سے مختلف زبانوں میں ان کے بارے میں ایک افسانوی ادب بھی پیدا ہو گیا

Marfat.com

ہے۔

ان کے زہد کا یہ حال تھا کہ کہا کرتے تھے کہ پاکیزہ اور حلال رزق رات بھر عبادت کرنے اور دن بھر روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔

ایک شخص نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ گوشت مہنگا ہو گیا ہے۔ فرمانے لگے کہ سستا کردو، یعنی خریدنا بند کردو۔

فرمایا کہ نیکوکار لوگوں کا درجہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نعمت و آسائش کو چھوڑ کر سختی اور تکلیف کی زندگی اختیار کرو، تکبر و نخوت کی جگہ عجز و انکسار، راحت کی جگہ تکلیف، نیند کی جگہ بے خوابی اور دولت کی جگہ فقر پسند کرو اور امیدوں کی دنیا میں جینے کی بجائے موت کی فکر کیا کرو۔

ان کے چند صوفیانہ ملفوظات ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں: فقر ایک خزانہ ہے جسے اللہ نے آسمان میں رکھ چھوڑا ہے اور وہ یہ خزانہ صرف انہیں لوگوں کو عطا کرتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے۔

اللہ کو پہچاننے والے کی نشانی یہ ہے کہ وہ ہر وقت نیکی اور عبادت کے فکر میں رہتا ہے اور اس کا بیشتر کلام خدا کی حمد و ثنا پر مشتمل ہوتا ہے۔وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے دیدار سے محروم نہ کرے۔

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جود و سخا اور بخشش و عطا اور ہمدردی و غمگساری سب ختم ہو چکی ہے۔ جس شخص کے پاس نہ مال ہو اور نہ کھانے پینے کی چیزیں تو اسے چاہیے کہ وہ خندہ پیشانی اور اخلاق حسنہ کے ساتھ لوگوں سے پیش آئے۔ مال و دولت کی کثرت تمہیں غریبوں کے مقابلے پر متکبر و مغرور نہ بنا دے اور کمزور لوگوں سے میل جول بھی ختم نہ کردو۔

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: تین خصلتیں تین جگہوں پر نظر آجاتی ہیں: حلم و بردبار آدمی کا پتہ غیظ و غضب کے وقت چلتا ہے۔ بہادر و شجاع آدمی کا پتہ صرف میدان جنگ میں چلتا ہے، جب دشمنوں سے

Marfat.com

مقابلہ ہو اور مخلص دوست کا پتہ ضرورت و احتیاج کے وقت چلتا ہے۔

ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں ایک عجیب قصہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ ۱۵۰ھ میں ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ جب حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئے تو ایک جن بھی ان کے ساتھ ہو لیا اور تین دن کی رفاقت کے بعد غائب ہو گیا

OOO

Marfat.com

شیخ جلال الدین بخاریؒ

اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے اور امن و سلامتی کی راہوں سے ہی عوام و خواص کے دلوں میں جاگزین ہوا۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلام پھیلانے والے بزرگ یہی روحانی پیشوا تھے۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرنے والے بزرگوں میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ، حضرت نظام الدین اولیاؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ اور ان کی اولاد پیش پیش نظر آتے ہیں۔ ان بزرگان دین نے صحراؤں اور ریگستانوں میں، گاؤں اور شہروں میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا پیغام پہنچایا۔ مخلوق خدا کی روحانی پیاس بجھائی۔ اور ان کے دلوں میں اسلام کی شمع روشن کر کے کفر و شرک کی تاریکیوں کو ختم کر دیا۔ اس مقدس جماعت کے ایک بزرگ حضرت جلال الدین حسین بخاری ہیں جو عام طور پر مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت جلال الدین بخاری حسینی سید ہیں۔ آپ کے والد کا نام سید احمد کبیر تھا اور آپ کے دادا سید جلال الدین گلرخ بخارا کے رہنے والے تھے، مگر ترک وطن کر کے ملتان اور بھکر کے علاقے میں آباد ہو گئے تھے۔ سید جلال الدین بخاری کے والد سید احمد کبیر نے حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے خلیفہ اور فرزند ابو الفتح رکن الدین کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کی دینی خدمات میں تبلیغ اسلام سرفہرست ہے۔ آپ کی کوششوں سے ہزارہا لوگوں نے راہ ہدایت اختیار کی اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

حضرت سید جلال الدین بخاری جہانیاںؒ اچ میں ۷۰۷ھ/۱۳۰۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اچ میں حاصل کرنے کے بعد ملتان پہنچے اور تحصیل علم میں مصروف رہے۔ مگر

Marfat.com

جذبہ تحصیل علم کی تسکین ممکن نہیں۔ شوق علم نے انہیں جہاں گشت بنا دیا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ مصر و شام' فلسطین و عراق' بلخ و بخارا اور خراسان و کازروں کے دور دراز سفر اختیار کر کے علم دین کی تکمیل کرتے رہے۔ اس زمانے کے وسائل آمد و رفت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ تحصیل علم کے لیے صعوبتیں اور تکالیف برداشت کرنا انہی بزرگوں کا حوصلہ تھا۔

علم دین میں علم حدیث کو خاص اہمیت اور مقام حاصل ہے۔ علمائے امت نے حدیث کے مجموعوں کو صحیح ترین کتب حدیث قرار دیا ہے۔ ان چھ کتب حدیث کے نام بھی سن لیجیے: صحیح بخاری' صحیح مسلم' جامع ترمذی' سنن ابو داؤد' سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ۔ یہ کتابیں صحاح ستہ کہلاتی ہیں۔ سید جلال الدین بخاریؒ نے مکہ مکرمہ کے مقدس شہر میں صحاح ستہ پڑھی۔ حضرت عبداللہ الیافعی کے ہم سبق تھے۔ وطن واپس آکر انہوں نے تبلیغ دین اور اشاعت علم دین کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ ویسے تو برصغیر کی دینی خدمات بڑی نمایاں اور گراں قدر ہیں' لیکن علم حدیث کی تعلیم و ترویج میں بالخصوص ہمارے بزرگوں نے جلیل القدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس سلسلے میں اس خاندان کی اتنی خدمات ہیں کہ امت ان کی ہمیشہ احسان مند رہے گی۔ اس کی صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

پچھلی صدی میں ایک عالم نواب صدیق حسن خان' جن کی وفات ۱۸۹۰ء میں ہوئی' وہ چودھویں پشت میں سید جلال الدین بخاریؒ کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ نواب صدیق حسن خان نے ایک طرف تو علوم دینیہ بالخصوص حدیث پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور دوسری طرف علم حدیث کے ماہر علما کی سرپرستی فرمائی۔ نیز غیر مطبوعہ قدیم کتب حدیث کو شائع کر کے دنیائے اسلام کے لیے مطالعہ حدیث کی راہیں کھول دیں۔ یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ عربی' فارسی اور اردو میں علوم دینیہ کی جو گراں قدر خدمات نواب صدیق حسن خان نے سرانجام دیں اس کی مثال نہیں ملتی۔

سید جلال الدین بخاری بڑی بلند پایہ روحانی پیشوا تھے اور آپ کو خرقہ خلافت

Marfat.com

حضرت نصیرالدین چراغ دہلیؒ سے ملا تھا اور اس نسبت سے صبر و رضا اور فقر و قناعت میں نام پایا۔

سید جلال الدین بخاریؒ نے علوم ظاہری و باطنی میں اتنا بلند مقام حاصل کر لیا تھا کہ اس کی بنا پر سلطان محمد تغلق نے انہیں شیخ الاسلام مقرر کیا۔ ان کے علم و فضل اور زھدو تقویٰ کی وجہ سے سلطان فیروز شاہ تغلق بھی ان کی بڑی عزت و تکریم کیا کرتا تھا۔ ہمارے سلاطین ان روحانی پیشواؤں سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوتے رہتے تھے۔ ادھر ان بزرگوں کو بھی اپنے سیاسی حکمرانوں سے سچی محبت تھی اور وہ ان کی اور ملک و ملت کی خیرخواہی کے پیش نظر ان سلاطین کے ہاں آمد و رفت رکھتے تھے تاکہ وہ دین سے غافل ہو کر عدل و انصاف سے چشم پوشی نہ کرنے لگیں۔ چنانچہ حضرت جلال الدین بخاریؒ کا یہ دستور تھا کہ وہ ہر دو سرے تیسرے سال سلطان فیروز شاہ تغلق سے ملنے دہلی جایا کرتے تھے اور سلطان کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کی مذہبی حکمت عملی پر حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔ ہمارے یہ بزرگان دین اور روحانی پیشوا جہاں خرقہ و جادہ رکھتے تھے وہاں میدان جہاد کے بھی شہسوار تھے۔ جب سلطان فیروز شاہ ۷۶۴ھ / ۱۳۶۲ء میں ٹھٹھہ کی مہم پر گیا تو حضرت جہان گشت مخدوم جہانیاںؒ اس مہم میں سلطان کے ساتھ تھے۔

زھدو تقویٰ، علم و فضل، رضا و تسلیم اور قناعت و توکل کے پیکر حضرت جلال الدین بخاریؒ نے بڑی مجاہدانہ اور مصروف زندگی بسر کرنے کے بعد ۱۰ ذوالحجہ ۷۸۵ھ / ۳ فروری ۱۳۸۴ء کو وفات پائی اور اچ میں مدفون ہوئے۔

تین کتابیں ان کی یادگار ہیں جن میں ان کے اقوال و احوال مندرج ہیں:

(۱) پہلی کتاب **خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم** ہے جو علاؤ الدین الحسنی نے مرتب کی تھی۔ اس کا مخطوطہ رام پور میں موجود ہے اور اس کا اردو ترجمہ **الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظات المخدوم** کے نام سے دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔

(۲) دوسری کتاب کا نام **سراج الہدایۃ** ہے۔

Marfat.com

(۳) تیسری کتاب خزانۂ جلالی المعروف بہ مناقب مخدوم جہانیاں ہے' جسے ابو الفضل عباسی نے مرتب کیا ہے۔ یہ تمام کتابیں خاصی ضخیم ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اور کتاب بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جس کا نام خزانۃ الفوائد الجلالیۃ ہے۔ جسے احمد بن یعقوب نے ۷۵۲ھ میں تالیف کیا اس کتاب میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ ان بزرگوں نے کس لگن' محنت' شوق اور جذبے سے اس راہ میں بے شمار مصیبتوں اور صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ دینی علوم کو حاصل کیا اور پھر کس جرات و ہمت اور جوش و خروش کے ساتھ دین کی تبلیغ و اشاعت میں حصہ لیا۔ ہزاروں انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور مخلوق خدا کو اپنے خالق حقیقی کی چوکھٹ پر لا کھڑا کیا۔ وہ اپنے کردار و عمل کی وجہ سے ایک طرف تو مرجع عوام بن گئے اور دوسری طرف سلطان وقت کے دینی مشیر اور روحانی وزیر ٹھہرے۔

○○○

Marfat.com

حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ ایک نامور عالم و صوفی

ابو المؤید رضی الدین خواجہ محمد باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ' بر صغیر کے مشہور و معروف عالم دین اور شہرۂ آفاق صوفی گزرے ہیں۔ آپ اپنے وقت کے امام و مقتدا تھے۔ ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع اور تقویٰ' اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کا پیکر تھے۔

دسویں صدی ہجری کے آخر اور گیارھویں صدی کے آغاز میں پید ہونے والی روحانی اور مذہبی تحریکوں کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی احیائے سنت و اماتت بدعت کی تمام تحریکوں کا سرچشمہ اور منبع تھی۔ آپ نے برصغیر پاک و ہند میں سنت طیبہ کی شمع روشن کر کے بدعت کے اندھیرے دور کیے اور علم و عمل کی مشعل پیش کر کے سینوں کو نور ایمان سے منور کر دیا۔ احیائے دین اور ترویج شریعت کے سلسلے میں آپ نے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیے۔

آپ کے ملفوظات اور مکتوبات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ محمد باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ ۵ ذوالحجہ ۹۷۱ھ / ۱۵ جولائی ۱۵۶۳ء کو کابل میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار قاضی عبدالسلام اپنے زمانے کے ممتاز اور نامور عالم دین تھے۔ حدیث و فقہ میں بڑی شہرت رکھتے تھے' اسی لیے اپنے ملک میں بڑی عزت و عظمت کے مالک تھے۔ خواجہ صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم سے فارغ ہو کر مزید تعلیم و تربیت کے لیے ایک عظیم استاد ملا صادق کے سپرد کیے گئے۔ ملا صاحب موصوف اپنے عہد کے یگانۂ روزگار علما میں سے تھے۔ علوم ظاہری کے ساتھ کمالات باطنی میں بھی فائق تھے۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے ظاہری علوم اور باطنی کمالات بھی اپنے استاد ملا صادق

Marfat.com

سے حاصل کیے۔

خواجہ صاحب کو اپنے استاد محترم سے حد درجہ عقیدت و محبت تھی۔ وہ ہر وقت اپنے استاد کی مصاحبت میں رہتے۔ چنانچہ جب ملا صادق ماوراء النہر جانے لگے تو خواجہ صاحب بھی اپنے استاد کے ہمراہ ماوراء النہر روانہ ہو گئے۔ یہ سفر خواجہ صاحب کے لیے کئی گوناگوں فوائد کا ذریعہ ثابت ہوا۔ ایک تو یہ فائدہ ہوا کہ اپنے استاد سے علوم ظاہری کی مزید تکمیل کا موقع میسر آگیا' دوسرے یہ کہ علوم تفسیر و حدیث و فقہ کی تحصیل کے سلسلے میں ماوراء النہر کے جلیل القدر علما و فضلا سے استفادے کے مواقع بکثرت میسر آئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں' نو عمری کے باوجود' خواجہ صاحب کا شمار جید علما میں ہونے لگا اور دور دراز تک ان کی شہرت پھیل گئی۔

ماوراء النہر کے زمانہ قیام ہی کی بات ہے کہ علوم ظاہری کے حصول کے بعد خواجہ صاحب کے دل میں معرفت حق اور تقرب الی اللہ کے لیے بے پایاں تڑپ پیدا ہوئی' لہٰذا وہاں جو بھی خدا رسیدہ بزرگ ملا اس کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے اور اس طرح خاموشی کے ساتھ راہ سلوک کی منزلیں طے کرتے رہے۔ خواجہ صاحب کے زمانے میں سرزمین برصغیر پاک و ہند کو اولیاء اللہ کی وجہ سے بڑی عظمت و شہرت حاصل تھی' لہٰذا خواجہ صاحب ماوراء النہر سے برصغیر میں تشریف لائے اور روحانی رہنما کی تلاش و جستجو شروع کر دی۔ چنانچہ آپ متعدد ارباب طریقت سے فیض حاصل کرنے کے بعد پھر ماوراء النہر واپس چلے گئے۔ وہاں خواجہ عبیداللہ احرار کے خلیفہ خواجہ محمد امکنگی سے اجازت و خرقہ حاصل کرنے کے بعد ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹ء میں برصغیر کی سرزمین میں لوٹ آئے۔ ایک سال لاہور میں قیام فرمایا اور بہت سے علما کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ پھر دہلی کا رخ کیا اور وہاں قلعہ فیروزیہ میں قیام پذیر ہو گئے اور آخری وقت تک درس و تدریس اور وعظ و تلقین میں مصروف رہے۔ جو کوئی بھی خواجہ صاحب کے زیر اثر اور زیر تربیت آیا' اس کی زندگی میں روحانی اور علمی انقلاب آگیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جیسے نابغۂ روزگار نے بھی آپ کے دامن تربیت سے وابستہ ہو کر بہت فیض پایا۔ شیخ عبدالحق محدث

دہلویؒ اپنے مرشد خواجہ صاحب سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور ہمیشہ ان سے اہم وقتی مسائل پر تبادلہ خیالات کر کے ان کی رہنمائی حاصل کرتے رہتے تھے۔

شیخ محدث دہلویؒ بڑے اچھے طریقے سے خواجہ صاحب کو اکبری فتنوں سے آگاہ بھی رکھتے تھے اور خواجہ صاحب ان کوائف و احوال کے پیش نظر اصلاح احوال کی طرف قدم اٹھاتے رہتے تھے۔

خواجہ صاحب میں اصولی سختی اور حکیمانہ نرمی کا حسین امتزاج تھا۔ خواجہ صاحب کی نظر معاشرے کے ان تمام گوشوں پر تھی جہاں اصطلاح و تربیت کی ضرورت تھی: امرا' صوفیہ' علما' طلبہ سپاہی' تاجر' یعنی ہر طبقے اور ہر گروہ کے لوگوں کو آپ نے موقع اور مصلحت کے مطابق ہدایت و تلقین کی اور ایسے پر اثر انداز میں کہ جس نے ان کی بات سنی وہ گناہوں سے تائب ہو کر معاشرے کا مفید اور نیک فرد بن گیا۔

قیام دہلی کے زمانے میں حضرت خواجہ باللہ نے ارشاد و ہدایت کے فرائض بڑی سرگرمی سے انجام دیے اور مخلوق خدا کو بڑا فیض پہنچایا۔ عوام کے علاوہ خواص بھی ان کے حلقۂ میں ارادت میں شامل ہوئے۔ اکابرین میں سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی' شیخ احمد سرہندی' المعروف بہ حضرت مجدد الف ثانیؒ' حسام الدین بدخشیؒ' شیخ ہداو دہلویؒ اور دیگر بزرگوں نے ان سے بڑا فیض پایا۔

خواجہ صاحب دعوت و ارشاد کے ساتھ صاحب تصنیف بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں حسب ذیل کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

ان کی رباعیات کا مجموعہ سلسلۂ الاحرار' جس پر شیخ احمد سرہندی نے شرح لکھی۔ ان کی نظموں کا مجموعہ اور کلیات' ان کے خطوں کا مجموعہ بعنوان مکتوبات شریف حضرت خواجہ باقی باللہ چھپ چکا ہے۔ ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ / ۲ جولائی ۱۶۰۳ء کو دہلی میں فوت ہوئے۔

حضرت خواجہ صاحب کم بولتے' کم کھاتے اور کم سوتے تھے۔ دن بھر ذکر و فکر اور دعوت و ارشاد میں مشغول رہتے اور رات بھر اللہ کی عبادت کرتے۔ زیادہ وقت تلاوت

قرآن مجید میں صرف ہوتا۔ رات کا اکثر حصہ نوافل پڑھتے رہتے۔ درود شریف بکثرت پڑھتے تھے۔ تلاوت و عبادت سے فارغ ہوتے تو مخلوق خدا کی خدمت کرتے اور لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کا خاص خیال رکھتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحب پاکیزہ اخلاق اور اعلیٰ اوصاف کا بہترین نمونہ تھے۔ مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک کرتے' خندہ پیشانی اور خوش دلی سے پیش آتے۔ آپ انکساری اور تواضع کا پیکر تھے۔ نہ تو خود کبھی کسی کی دل آزاری کی اور نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیتے' بلکہ ہمیشہ اس بات سے سختی سے روکا۔ لوگوں کی سختی کے مقابلے پر ہمیشہ نرمی اختیار کرتے بلکہ اکثر اوقات مسکرا کر درگزر فرما دیتے۔

المحبی نے خلاصة الاثر میں خواجہ صاحب کو آیة میں آیات اللہ' نور من انوار اللہ اور سر من اسرار اللہ کے القاب سے یاد کیا ہے۔ اور نزهة الخواطر کے مصنف نے ان کے لیے حجة الله' قدوة الامه' امام الائمہ' شیخ الاجل اور قطب الاقطاب کے معزز القاب استعمال کیے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کا قیام اور بقاء و دوام انہیں بزرگان دین کی مساعی جمیلہ کا مرہون منت ہے۔ جنہوں نے شبانہ روز محنت اور دلی محبت سے دین کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ انجام دیا۔

OOO

Marfat.com

حضرت خواجہ محمد معصومؒ

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃاللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ کے خاندان کے چشم و چراغ اور ان کے جانشین تھے۔ اپنے نامور بزرگ باپ کی طرح برصغیر پاک و ہند میں احیائے دین اور قیام شریعت کے لیے ان کی مساعی جمیلہ بار آور ہوئیں اور ان کی مبارک کوششوں سے برصغیر آج بھی اسلامی اقدار کا حامل اور کتاب و سنت پر عامل نظر آتا ہے۔ انہوں نے اپنے دور کی ہر بدعت اور ہر قبیح رسم کا استیصال کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ شرک و بدعت کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ اور بڑی بے باکی کے ساتھ حق گوئی اور دعوت الی الحق کا فریضہ بجالاتے رہے۔

خواجہ محمد معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ آپ سرہند میں ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار نے بیٹے کی ذہانت اور قابلیت کے پیش نظران کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی۔ باپ کو اپنے فرزند ارجمند کی خداداد ذہنی اور فکری استعداد پر بجا طور پر ناز تھا اور آپ ان کی اس قابلیت کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم قرار دیا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا علمبردار بن کر دین کی بڑی خدمت کرے گا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے میں بچپن ہی میں کمالات ولایت اور آثار رشد و ہدایت کی جھلک پا کر قطب وقت ہونے کی پیش گوئی بھی کی تھی۔

خواجہ صاحب موصوف نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر کے قراءت و تجوید میں کمال حاصل کر لیا اور کچھ درسی کتابیں اپنے والد ماجد سے اور کچھ اپنے برادر اکبر خواجہ محمد صادق سے پڑھیں۔ بعد میں علوم معقولہ و منقولہ کی تکمیل شیخ طاہر لاہوری سے کی۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ اپنے صاحبزادے کو کہا کرتے تھے کہ بیٹا درسی کتابوں سے جلدی فارغ ہو جاؤ تم نے بہت اہم کام سرانجام دینے ہیں۔ بڑی بڑی دینی خدمات تمہارا

Marfat.com

انتظار کر رہی ہیں۔ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مجددؒ خواجہ صاحبؒ کی روحانی تربیت پر خصوصی توجہ دینے لگے اور خلوت و جلوت میں اپنے ساتھ رکھنے لگے۔ اس طرح باپ نے اپنے بیٹے کو خدمت دین اسلام کے لیے تیار کیا اور وہ ایک عہد ساز اور تاریخی شخصیت بن کر شریعت محمدی کے بہت بڑے مبلغ اور خادم قرار پائے۔

چودہ پندرہ برس کی عمر میں خواجہ صاحب کی شادی حضرت مجدد کے خلیفہ خاص میر صغیر احمد کی دوسری بیٹی رقیہ سے ہوئی اور ان کی ساری اولاد اسی خاتون کے بطن سے ہوئی۔

خواجہ صاحب اپنے اخلاق و آداب' اقوال و اعمال اور اوضاع و اطوار کے لحاظ سے اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر گامزن تھے۔ اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے پابند تھے اور احکام شریعت کی بجا آوری میں ذرا سی کوتاہی بھی روا نہ رکھتے تھے۔

فرائض و عبادات کے ادا کرنے میں بڑے سرگرم و مستعد تھے۔ تلاوت قرآن مجید کے ساتھ اوراد مسنونہ اور وظائف ماثورہ بھی ان کی روزمرہ زندگی کا حصہ تھا۔

نماز ظہر کے بعد اکثر تفسیر و حدیث اور فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ ذوق عبادت کا یہ حال تھا کہ نوافل بکثرت ادا کرتے اور قیام اکثر طویل ہوتا۔ فرمایا کرتے تھے کہ حالت نماز میں قرآن مجید کی تلاوت سے بڑا سرور حاصل ہوتا ہے۔ رمضان المبارک میں نماز تراویح میں دو دو تین قرآن مجید ختم کرتے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات (۱۰۳۴ھ) کے بعد ہزارہا لوگوں نے آپ کی بیعت کی اور ماوراء النہر تک کے لوگ قافلوں کی صورت میں بیعت کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ معصومؒ اپنی علمی فضیلت' پرہیزگاری اور زہد و تقوی کے باعث مرجع خلائق ٹھہرے۔ آپ عمر بھر شریعت محمدیؐ کی ترویج اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے احیا کے لیے کوششیں فرماتے رہے۔ آپ ہمیشہ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو اتباع سنت کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ہر ایک کے لیے آپ کی یہی نصیحت ہوتی تھی کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلو۔ شریعت محمدی

Marfat.com

کے داعی اور اتباع سنت نبوی کے شیدائی حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ تبلیغ دین اور احیائے اسلام کے سلسلے میں بڑی بھرپور اور مصروف زندگی گزارنے کے بعد ۷۲ سال کی عمر میں ۹ ربیع الاول ۷۹ ۱۰ھ / ۱۶۶۸ء کو عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔

حضرت خواجہ صاحب نے اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چل کر دین اسلام کی تبلیغ اور سنت نبوی کی ترویج کو اپنا نصب العین قرار دیا اور پیغام اسلام ہر آدمی تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اس کے لیے وعظ و نصیحت اور خط و کتابت کی ذرائع ابلاغ استعمال فرمائے۔ ہر سطح پر شریعت کی حفاظت اور اسلامی اقدار اور نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کا پورا اہتمام کیا۔ ہر شخص کو اتباع سنت کی نصیحت فرماتے۔ تقویٰ اور خوف خدا کو دلوں میں راسخ کرنے کی تلقین کیا کرتے اور شب زندہ داری کو دستور میں شامل کرنے پر بڑا زور دیتے تھے۔ زندگی کے ہر شعبے میں شرک و بدعت سے بچنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحب کے نزدیک اسلامی اقدار رکھنے کے لیے جہاں روحانی تزکیہ ضروری ہے وہاں یہ بھی لازمی ہے کہ سیاسی اقتدار کی باگ ڈور متقی' دیندار اور صالح افراد کے ہاتھ میں رہے اور اسی بلند مقصد کے پیش نظر انہوں نے اپنے تمام مریدوں سمیت دارا شکوہ کی مخالفت کی اور اورنگ زیب عالمگیر کا ساتھ دیا۔

اورنگ زیب اور دارا شکوہ کے درمیان سلطنت کے لیے رسہ کشی اور جنگ تخت نشینی دراصل دو افراد کے درمیان جنگ نہ تھی' بلکہ دو نظریوں کے درمیان تھی۔ اورنگ زیب علامت تھا اسلامی نظام حیات اور قانون شریعت کی۔ وہ اس سرزمین میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کا داعی تھا۔ وہ سلف صالحین اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات کو رائج کرنا چاہتا تھا۔ اسلام کو ان تمام بدعات اور غیر ضروری رسوم سے پاک رکھنا چاہتا تھا' جنہیں اکبر نے ہندو تہذیب و ثقافت کے زیر اثر رائج کر دیا تھا۔ دوسری طرف دارا شکوہ آزاد خیال اور ہندو فلسفۂ حیات کی نمائندگی کر رہا تھا۔ دارا شکوہ کے خیالات و عقائد میں بڑی تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ ہندو پنڈتوں' سنیاسیوں اور یوگیوں کے زیر اثر ایسا بھٹکا کہ بنارس اس کا قبلہ و کعبہ قرار پایا۔ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی عقابی نگاہ بھانپ

Marfat.com

گئی کہ دارا شکوہ صراط مستقیم کو چھوڑ کر الحاد و کفر کی نمائندگی کر رہا ہے۔ آپ نے صحیح طور پر یہ خطرہ محسوس کیا کہ اگر دارا شکوہ تخت شاہی پر متمکن ہو گیا تو مسلمانوں کا وجود مٹ جائے گا اور اسلامی احکام و اقتدار کے لیے اس سرزمین میں کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی۔

ان خطرات کے پیش نظر خواجہ صاحب نے مسند نشین ہونے کے بعد بڑی بلند ہمتی اور اولوالعزمی کا ثبوت دیا۔ اپنے بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی کی طرح نہایت جرأت اور بے باکی سے حق گوئی کا فرض ادا کیا اور کھل کر دارا شکوہ کو اسلام دشمن کہہ کر اس کی مخالفت کی اور عالمگیر کو اسلام کا نمائندہ قرار دے کر اس کی حمایت کی۔ انہوں نے اس جنگ کو دارا شکوہ کے خلاف جہاد تصور کرتے ہوئے اپنے تمام عقیدت مندوں کو حکم دیا کہ وہ اورنگ زیب کا پورا پورا ساتھ دیں۔ چنانچہ کفر و اسلام کی اس جنگ میں خواجہ محمد معصوم اور ان کے تمام مریدان باصفا اور عقیدت مندان باوفا کی عملی ہمدردیاں اورنگ زیب کے ساتھ تھیں۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں کی نظریں اورنگ زیب پر مرکوز تھیں۔

جنگ تخت نشینی کے دوران میں خواجہ صاحب حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد جب وطن پہنچے تو دارا شکوہ قتل ہو چکا تھا اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر تخت سلطنت پر جلوہ افراز تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان نے دارا شکوہ کی اسلام دشمنی کی بنا پر اس کی سخت مخالفت کی تھی اور اس کے خلاف فضا پیدا کرنے میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ اس وجہ سے دینی رجحانات اور عقائد کی بنا پر بھی سلطان اورنگ زیب کو حضرت مجددؒ اور ان کے خاندان بالخصوص خواجہ محمد معصومؒ کے ساتھ مخلصانہ عقیدت اور نیازمندی حاصل تھی اور خود سلطان المسلمین نے حضرت خواجہ صاحب کی بیعت بھی کی تھی۔

خاندان مجددیہ کی روایت تھی کہ احیاء دین اور تجدید شریعت کے لیے وہ ایک طرف تو اصلاح عوام کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے اور دوسری طرف حکومت وقت کے سربراہوں کی اصلاح سے بھی غافل نہ تھے۔ اس سلسلے میں ان کا کردار ہمیشہ قابل تقلید اور لائق ستائش رہا۔

سلطان اورنگ زیب کی راسخ الاعتقادی' اسلام سے بے پناہ محبت اور اسلامی قانون کو نافذ کر کے اس کا بالادستی کو قائم رکھنے کا جذبہ دراصل خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اولاد کی کوششوں کا نتیجہ تھا' چنانچہ ۱۶۵۹ء میں سلطان اورنگ زیب نے اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لیے اسلامی شریعت کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم اپنی کوششوں کا ثمرہ دیکھنے کے لیے دس سال تک زندہ رہے۔ سلطان اورنگ زیب کی ملکی اصلاحات اور دینی خدمات میں خواجہ صاحب کے صاحبزادے خواجہ سیف الدین کی کوششوں اور مشوروں کو بڑا دخل ہے۔

یہ ایسے پاکباز اور باہمت مصلحین تھے جو راتوں کو تو اللہ کی عبادت کرتے اور دن بھر جہاد میں مصروف رہتے تھے۔

OOO

Marfat.com

حضرت خواجہ محمد سعیدؒ

دین اسلام کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ ہر دور میں صلحائے امت کی ایک مقدس جماعت پیدا کر دیتا ہے جو عوام و خواص اور حاکم و محکوم سب کی دینی تربیت اور روحانی پرداخت کے فرائض بڑی تندہی اور خوش اسلوبی سے انجام دیتی رہتی ہے۔ یہ مقدس جماعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجالاتی ہے۔ امت محمدیہؐ کے عقائد کی اصلاح کرتی رہتی ہے۔ عبادات کے ذوق کو تیز تر کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس مقدس جماعت کا مطمح نظر احیائے سنت اور اماتت بدعت و شرک ہوتا ہے۔

مغلوں کے عہد میں بھی اللہ تعالیٰ نے بہت سے جلیل القدر علمائے دین، صوفیائے کرام اور صلحائے امت پیدا کیے، جنہوں نے اسلام کی تبلیغ اور اصلاح عقائد کی مہم کو جاری رکھا اور مسلمانوں کو کتاب و سنت کی پیروی کی دعوت دیتے رہے۔ ان بزرگان دین میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ ابو المعالیؒ اور حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس مقدس جماعت کے سلسلے کی ایک شاندار کڑی حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دوسرے صاحب زادے اور بڑی صاحب علم و فضل شخصیت تھے۔ حضرت مجددؒ نے اسلام کی جو شاندار خدمات انجام دی ہیں ہر شخص اس کا معترف ہے۔ یہ آپ ہی کا کارنامہ تھا کہ طبقہ صوفیہ میں اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اجتناب بدعت کی تلقین کی۔ سنت کی اہمیت واضح کر کے اسے رواج دینے میں کامیابی حاصل کی اور بدعت کی روک تھام کے لیے ہر ممکن کوشش بروئے کار لائے۔ آپ نے نہایت عالمانہ انداز میں حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے عقیدہ وحدت الوجود کی ایک نئی توجیہ اور وحدت الشہود کا نظریہ قائم کر کے صوفیہ اور علما کے اختلافات کو رفع کر دیا۔ آپ

Marfat.com

نے کوشش فرمائی کہ وہ تمام رخنے بند کر دیے جائیں جو بدعت کی ترویج کا باعث ہوتے ہیں۔

احیائے اسلام کی خاطر آپ نے بڑے بڑے جتن کیے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم کام شریعت کی ترویج کا تھا۔ اشاعت دین اور احیائے اسلام کی ان تحریکوں کے درمیاں حضرت خواجہ محمد سعید شعبان ۱۰۰۵ھ / اپریل ۱۵۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ اس وقت حضرت مجدد کی عمر ۳۴ برس تھے۔ انہوں نے نہایت پاکیزہ دینی اور اصلاحی ماحول میں آنکھیں کھولیں۔ جس کی مثالیں کم ہی ملتی ہیں۔ ان میں بچپن ہی سے شرافت و کرامت' ذوق سلیم اور طلب صادق کے آثار ہویدا تھے۔ چار پانچ سال کی عمر میں حضرت خواجہ باقی باللہ سے غائبانہ انتساب پیدا کر لیا۔ ہوش سنبھالا تو علوم دین کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ اپنے والد ماجد کی خدمت بابرکت میں رہ کر ظاہری و باطنی کمالات حاصل کیے۔ اور سترہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی پوری طرح تحصیل کرلی۔ ان فضائل و محاسن کے علاوہ کمال دینداری' تقویٰ و پرہیزگاری' اتباع سنت نبوی اور ریاضت و عبادت میں انہماک ورثہ میں ملا۔ حلم و بردباری' شیریں کلامی' تواضع و انکساری' جود و سخاوت' بے نفسی اور خلوص خواجہ محمد سعید کے کردار کے نمایاں پہلو تھے۔

خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے شوق و انہماک سے قرآن مجید کی تجوید و قراءت میں دسترس پیدا کی۔ فن حدیث میں بلند مقام حاصل کیا اور فقہ میں بڑا نام پایا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو جب کسی فقہی مسئلے کی تحقیق مطلوب ہوتی تو آپ اکثر اوقات یہ خدمات خواجہ محمد سعیدؒ ہی کے سپرد فرماتے۔ جب صاحبزادے مشکل مسائل کا حل پیش خدمت کرتے تو حضرت مجددؒ بڑی مسرت اور خوشی کا اظہار فرماتے اور اکثر دعا دیا کرتے تھے۔

خواہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ بڑے کامیاب مدرس تھے۔ جب آپ نے درس و تدریس کا کام شروع کیا تو علم و حکمت کے دریا بہا دیے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ دونوں میں بڑی دسترس تھی۔ شرح حکمت العین' عضدی اور بیضاوی کا درس علمی نکات اور فنی

Marfat.com

معلومات کے باعث خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

علوم متداولہ کے درس تدریس کے علاوہ آپ کو تصنیف و تالیف کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ آپ نے حدیث نبوی کی مشہور و مقبول کتاب مشکوٰۃ المصابیح کا حاشیہ تحریر فرمایا۔ جس میں فقہی مسائل کی تشریح نہایت لطیف پیرایہ میں حنفی مسلک کے مطابق کی۔ آپ کا دوسرا تصنیفی کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے متن و حاشیہ خیالی پر ایک حاشیہ تحریر فرمایا۔

اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ آپ کی روحانی تربیت اپنے والد بزرگوار کی زیر نگرانی ہوئی اور روحانی فیوض و کمالات اور اسرار حقائق انہیں سے حاصل کیے۔ خواجہ سعید کے مکتوبات بھی شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مجموعہ سو مکتوبات پر مشتمل ہے۔ اکثر مکتوبات فارسی زبان میں ہیں۔ چند ایک عربی میں بھی تحریر کیے گئے ہیں۔ زبان سادہ اور سلیس ہے۔ حقائق و معارف کا بیان' اسرار و وقائع کی شرح اور ذات و صفات کی بحثیں' پھر قرآن و حدیث سے استدلال سب پڑھنے کے لائق ہیں۔ معانی کی گہرائی اور عبارت کی شیرینی و حلاوت کے باعث یہ مختصر مجموعہ مکتوبات بڑا دلکش اور جاذب نظر بن گیا ہے۔ اس مجموعے کے پہلے دو مکتوبات اپنے والد ماجد کی خدمت میں تحریر کیے گئے ہیں جن میں اپنے ذاتی کوائف و احوال درج ہیں' نو خطوط سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے نام ہیں۔ چند خطوط اپنے صاحبزادگان اور نواسہ شیخ بدیع الدین کے نام ہیں۔ چند ایک خطوط حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے خواجہ عبداللہ کے نام ہیں اور باقی دیگر بزرگان معاصرین کے نام ہیں۔

سلطان عالمگیر اورنگ زیب خواجہ محمد سعید' خواجہ محمد معصوم' دونوں کا بڑا قدردان تھا۔ خواجہ محمد سعید اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ان کے جانشین سمجھے جاتے تھے' کیونکہ زندہ بیٹوں میں وہی سب سے بڑے تھے۔

شاہ جہان کے آخری ایام میں (۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۶ء) خواجہ محمد سعید اپنے برادر عزیز خواجہ محمد معصوم کے ساتھ حج کو روانہ ہوئے اور تقریباً" تین سال ارض مقدسہ میں قیام پذیر رہے۔ سلطان اورنگ زیب کے تخت سلطنت پر متمکن ہونے کے بعد وطن واپس آئے۔ سفر میں خواجہ محمد سعید کی صحت خراب ہو گئی تھی۔ واپسی پر سلطان عالمگیر کی

دعوت پر دہلی تشریف لے گئے۔ قیام دہلی کے دوران میں آپ سخت بیمار ہو گئے۔ شاہی طبیبوں نے بڑی محنت سے علاج معالجہ کیا' لیکن طبیعت سنبھلنے کی بجائے بگڑتی چلی گئی۔ بالآخر دہلی کو خیرباد کہ کر سرہند کا رخ کیا۔ راستے ہی میں ۲۷ جمدی الآخرہ ۱۰۷۰ھ / ۱۶۶۰ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ جنازہ سرہند لایا گیا اور حضرت مجدد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

○○○

Marfat.com

Marfat.com

مسلک اہل حدیث اور اُن کی خدمات

Marfat.com

مسلکِ اہل حدیث اور ان کی دینی و ملی خدمات

اہل حدیث

اہل حدیث کو اصحاب الحدیث "اہل الاثر" اہل السنۃ" "سلفی" اور "اثری" کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ برعظیم پاک و ہند میں ایک طبقہ "محمدی" بھی کہلاتا ہے۔ مروجہ اصطلاح اہل حدیث سے' مراد اہل السنت و الجماعت مسلمانوں کا وہ گروہ ہے جو قرآن مجید کے ساتھ حدیث و سنت کو اسلامی شریعت کا حقیقی سرچشمہ قرار دیتا ہے اور دین و شریعت کے معاملات میں تقلید شخصی کا قائل نہیں۔ اس کے نزدیک اسلام کے اولین دور میں صحابہ کرامؓ' تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کا یہی مسلک تھا۔ قرون اولیٰ میں اہل حدیث کی اصطلاح محدثین کے لیے مستعمل تھی' لیکن کتب حدیث و فقہ اور تاریخ و سیر میں اہل حدیث کا لقب عاملین بالحدیث والسنۃ کے لیے ہر دور میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ حدیث کی روایت و حفاظت' ترویج و اشاعت اور اتباع سنت ہمیشہ اہل حدیث کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ انہیں "وہابی" کہنا علمی اور تاریخی لحاظ سے غلط ہے' کیونکہ وہابی شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے ہم مسلک اہل نجد کو کہا جاتا ہے اور وہ حضرات امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں' مگر اہل حدیث تقلید شخصی کے قائل ہی نہیں۔

اہل حدیث کے عقائد خالص سلفی ہیں۔ توحید اور اتباع سنت ان کا امتیازی نشان ہے۔ صفات الہی کے بارے میں بھی ان کا مسلک خالص سلفی ہے۔ شرک کو حرام اور بدعت کو ضلالت و گمراہی سمجھتے ہیں' تو ہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی سے دور رہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز دیگر انبیاے کرام کی عصمت اور عبودیت و بشریت کے قائل ہیں۔ اللہ کے سوا کسی کو بھی عالم الغیب نہیں مانتے۔ وفات کے بعد انبیا کی حیات

Marfat.com

دنیوی کے بھی قائل نہیں اور نہ کسی نبی کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک مجالس میلاد' زیارت مقابر اور انعقاد عرس سب بدعت میں داخل ہیں۔ ائمہ دین کے زہد و تقویٰ' علم و عمل اور فضائل و مکارم کے اقرار و احترام کے باوجود صحیح حدیث اور عمل صحابہ کرامؓ کے مقابلے میں کسی فرد کے قول کو شرعی حجت تسلیم نہیں کرتے۔

اہل حدیث کی امتیازی خصوصیات زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں ہیں۔ موت و حیات کی تمام غیر اسلامی رسوم کو وہ بدعت کہتے ہیں۔ شادی و غم میں سنت نبوی کو مشعل راہ مانتے ہیں۔ خدا کی خدائی میں کسی جن و انس کو دخیل نہیں سمجھتے۔ اذان میں ترجیع و تثویب کے قائل و عامل اور نمازیں اول وقت میں ادا کرتے ہیں۔ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھتے ہیں۔ آمین بالجہر اور رفع یدین ان کا معمول ہے۔ فاتحہ خلف الامام کے قائل و عامل' جہری نمازوں میں بسم اللہ بھی بالجہر پڑھ لیتے ہیں۔ ماہ رمضان میں بہ سلسلہ قیام اللیل آٹھ رکعت تراویح ادا کرتے ہیں۔ نماز جنازہ غائبانہ' نیز نماز جنازہ جہری کے قائل و عامل ہیں۔ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دیتے ہیں۔

پہلی صدی میں اس تحریک کا مقصد تعمیل و ترویج سنت نبوی تھا۔ دوسری اور تیسری صدی میں یہ تحریک فقہی اور علمی صوت اختیار کر گئی اور اہل حدیث اور اہل رائے دو مستقل فقہی گروہ بن گئے۔ اگرچہ دونوں مسلک اہل سنت کہلاتے تھے' لیکن دونوں میں نظری اور عملی اعتبار سے بعد پیدا ہو چکا تھا۔

مسلک اہل حدیث نے ترویج حدیث اور عمل بالسنۃ کے لیے ہر جگہ اور ہر دور میں بڑی سرگرمی کا اظہار کیا۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی تحریک اہل حدیث ابتدائے عہد سے موجود رہی۔ المقدسی (م ۳۷۵ھ) نے اقلیم سندھ اکثریت کو مسلک اصحاب الحدیث کا پابند بتایا ہے (احسن التقاسیم' ص ۷۹' ۹۴) ابن حزم (م ۴۵۶ھ/ ۱۰۶۴) کے نزدیک بھی اس علاقے میں طالبان قرآن و سنت کی کثرت تھی جنہیں وہ ظاہری کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ مغلوں کے آخری دور میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء) اور ان کے خاندان نے تحریک درس و فروغ حدیث کو بڑی تقویت پہنچائی۔ ان کے بعد تعلیمی و تدریسی

خدمات کے ساتھ اور نظری اعتبار سے سید نذیر حسین مرحوم معروف بہ شیخ الکل حضرت میاں صاحب (م ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) نے اہل حدیث مسلک کو بڑا رواج دیا۔ پھر ان کے سیکڑوں تلامذہ نے یہ تحریک ملک کے گوشے گوشے میں پہنچا دی۔ انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر اور بیسویں کے ربع اول میں عالم اسلامی کے اندر حدیث دان علما بہت کم نظر آتے تھے۔ لیکن برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث اور احیائے سنت کے سلسلے میں علامہ رشید رضا مصری (م ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء) نے بھی علمائے اہل حدیث کی گراں قدر خدمات کا اعتراف شاندار الفاظ میں کیا ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں تحریک اہل حدیث کو عوامی تحریک بنانے کی کوشش شروع ہوئی' اور دہلی میں "آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس" کے نام سے ایک ملک گیر تعلیمی و تبلیغی ادارہ قائم کیا گیا جس نے مکتبوں اور درس گاہوں کے قیام' مبلغوں کے وعظ و ارشاد اور جلسوں کے انعقاد کے ذریعے ملک میں تحریک و مسلک اہل حدیث کو عام کر دیا۔ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے ساتھ مسلکی تنظیم و تبلیغ کے لیے دو تنظیمیں قائم کیں۔ ایک جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے نام سے' اس کی شاخیں پورے مغربی پاکستان میں قائم کی گئیں۔ اس کے پہلے صدر اور پھر امیر مولانا سید محمد داؤد غزنوی (م ۱۹۶۳ء) تھے۔ دوسری مشرقی پاکستان میں۔ اس کا نام کل "بنگال و آسام جمعیت اہل حدیث" تھا۔ اس جمعیت کے پہلے صدر مولانا عبداللہ الکافی (م ۱۹۶۰ء) تھے۔ بنگال کے دیگر قائدین میں مولانا نعمت اللہ' مولانا ولایت علی' مولانا عبدالرحیم' مولانا عبداللطیف' مولانا عباس علی اور مولانا عبداللہ الباقی (م ۱۹۵۲ء) قابل ذکر ہیں۔ مغربی اور مشرقی پاکستان کے دونوں ادارے اپنے اپنے حلقوں میں مسلکی تبلیغ و تنظیم کے لیے کوشاں رہے۔

سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) تحریک اہل حدیث کے بارے میں رقم طراز ہیں:

اس تحریک کا یہ فائدہ ہوا کہ مدت کا زنگ طبیعتوں سے دور ہوا اور جو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو چکا ہے رفع ہو گیا اور لوگ از سرِ نو تحقیق و کاوش کے عادی ہونے لگے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی

Marfat.com

خو پیدا ہوئی اور قیل و قال کے بجائے ہدایت کے اصلی سرچشمہ معقّلکی طرف واپسی ہوئی۔ اس برصغیر میں اہل حدیث کی تحریک کا مقصد صرف فقہ کے چند مسائل نہ تھے۔ بلکہ لمامت کبریٰ' توحید خالص اور اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی تعلیمات تھیں۔ اس مقصد کی خاطر جماعت اہل حدیث نے کتاب و سنت کی اشاعت و ترویج کے لیے مندرجہ ذیل مختلف ذریعے استعمال کئے:

(۱) درس و تدریس اور قیام مدارس؛ (۲) اسلاف کی اہم اور ضروری کتابوں کی اشاعت کا اہتمام؛ (۳) تالیف و تصنیف؛ (۴) کتب دینیہ و شرعیہ کے تراجم' (۵) اخبارات و رسائل کا اجراء' (۶) چھاپہ خانوں کا انتظام؛ (۷) کتب خانوں کا قیام۔ تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) برصغیر پاک و ہند میں جماعت اہل حدیث نے کتاب و سنت کی اشاعت کے لیے دو قسم کے درس قائم کیے۔ ایک عوام کے لیے بعد از نماز فجر مساجد میں' دوسرا دینی تعلیم کی اشاعت و بقا کے لیے۔ اول الذکر درس میں قرآن مجید کی چند آیات کی تلاوت کے بعد سادہ ترجمہ سنا دیا جاتا' بعد ازاں قرآن و حدیث کی روشنی میں ان آیات کی تفسیر بیان کر کے مسائل و احکام پر تفصیلی بحث کی جاتی۔ اس قسم کے درس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ عوام کو قرآن فہمی کے مواقع میسر آنے لگے اور ان کے لیے شریعت کے مسائل و احکام کا سمجھنا آسان ہو گیا۔ مستقل دینی تعلیم کے سلسلے میں طلبا کے لیے دینی مدارس قائم کئے گئے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے عہد سے لے کر اس وقت تک جماعت اہل حدیث کے انفرادی اور جماعتی مساعی سے چھوٹے بڑے ایک ہزار دینی مدارس قائم تھے۔ ان مدارس میں نصف کے قریب تو پرائمری اور مڈل سکولوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور سیکڑوں مدارس ڈگری کالجوں کا درجہ حاصل ہے اور چند مدارس کی حیثیت یونیورسٹی کے درجے سے کسی صورت کم نہیں ہو سکتی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کے بعد مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کا مدرسہ سرفہرست ہے۔ مولانا موصوف نے ساٹھ برس تک دہلی میں درس حدیث دیا اور سارے عالم اسلامی سے ہزاروں طلبا نے دہلی پہنچ کر اس چشمہ علم و فضل سے فیض حاصل

Marfat.com

کیا۔ مولانا سید نذیر حسین اہل حدیث کے بڑے موقر عالم دین اور حدیث کے بے مثال استاد مانے جاتے ہیں۔ ان کے متعدد تلامذہ نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بلند مقام حاصل کیا اور وطن کے علاوہ بیرونی ممالک میں مسلک اہل حدیث کی خوب تبلیغ و اشاعت کی۔ ان میں مندرجہ ذیل طلبا بالخصوص لائق تذکرہ ہیں:

○ مولانا عبداللہ غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء) علوم عقلیہ و نقلیہ کے جید عالم' نامور معلم و مصنف تھے۔ سیکڑوں علما ان کے حلقہ درس سے فیض یاب ہوئے۔

○ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (م ۱۹۱۸ء) نے دربھنگہ میں ایک عظیم الشان درس گاہ "مدرسہ احمدیہ سلفیہ" کی بنیاد رکھی اور مدت العمر اس کا اہتمام و انصرام کرتے رہے۔ اس کی بدولت علاقے میں کتاب و سنت کی بڑی اشاعت ہوئی۔

○ مولانا ابراہیم آروی (م ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۲ء) کے مدرسہ کی بدولت علاقے میں کتاب و سنت کی بڑی اشاعت ہوئی۔

○ مولانا شمس الحق ڈیانوی (م ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء) نے نامور محدث اور شارح حدیث گزارے ہیں) کتب حدیث بڑی محنت سے جمع کیں اور اشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔

○ مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ (م ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء) بلند پایہ محدث و مصنف تھے۔ تدریس کے سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔

○ مولانا عبدالسلام مبارک پوریؒ (م رجب ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء) مصنف "سیرۃ البخاری" نے خاصا وقت مدرسہ رحمانیہ دہلی میں گزارا۔

○ مولانا عبدالرحیم بنگالیؒ (م ۱۹۶۰ء) نے بنگال میں قرآن و حدیث کی بڑی تبلیغ کی۔ ایک دارالعلوم قائم کیا۔ بنگلہ زبان میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ نظم و نثر دونوں پر انہیں یکساں قدرت تھی اور عوام میں بڑے مقبول ہوئے۔

○ مولانا محمد حسین بٹالوی (م ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء) بلند پایہ محقق عالم دین' بانی و مدیر ماہ نو اشاعت السنۃ۔ چالیس برس تک احکام اسلام اور مسائل دین پر عالمانہ انداز میں بحث کرتے رہے۔

Marfat.com

○ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۹۴۸ء) ہفت روزہ "اہل حدیث" کے بانی و مدیر، جید عالم اور مناظر، اپنے مسلک کی تائید اور غیر مذاہب و ادیان کی تردید میں بہت سے کتابیں لکھیں۔

اہل حدیث کے اعلیٰ مدارس اہم مرکزی علاقوں میں قائم کیے گئے تھے۔ اس وقت بھی جماعت کے بے شمار مدارس پاکستان بھر میں موجود ہیں۔ جن میں تعلیم جدید کے تقاضے پیش نظر رکھے گئے ہیں۔ اہل حدیث کے مدارس میں قرآن و حدیث کی تعلیم ہر درجہ اور جماعت کے لیے لازمی ہے۔ پورا قرآن مجید ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے، پوری صحاح ستہ کی تدریس بھی جزو نصاب ہے۔ فقہ حدیث کے ساتھ حنفی اور مالکی فقہ بھی پڑھائی جاتی ہے۔ دیگر علوم جدیدہ و قدیمہ پر بھی کما حقہ توجہ کی جاتی ہے۔

اسکردو اور بلتستان ایسے دور افتادہ پس ماندہ علاقے میں بھی کتاب و سنت کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ قائم کر رکھا ہے۔

(۲) اہل حدیث نے نایاب اور اہم دینی کتابوں کی طباعت و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔ شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغۃ تفسیر ابن کثیر، حافظ ابن حجر کی فتح الباری (مشہور شرح صحیح بخاری)، ابن قیم کی زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، سنن دارمی، شوکانی کی نیل الاوطار اور سنن دار قطنی ایسی مفید کتابوں کی طباعت و اشاعت پر لاکھوں روپے خرچ کر کے علمی و دینی حلقوں پر احسان عظیم کیا۔ اس سلسلے میں بیشتر اخراجات نواب شاہ جہان بیگم مرحومہ والیہ بھوپال نے برداشت کیے۔

(۳) (الف) قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر کے سلسلے میں بھی جماعت اہل حدیث نے کارہائے نمایاں انجام دیے، حضرت شاہ ولی اللہ کا فارسی ترجمہ بہت مشہور ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے اردو ترجموں کے علاوہ بہت سے ترجمے اردو اور بنگلہ زبان میں شائع کیے گئے۔ مولانا عباس علی پہلے مسلمان تھے، جنہوں نے بنگلہ زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور اسے انجمن اہل حدیث ڈھاکہ نے چھپوایا۔ اور تراجم کے علاوہ مولانا محمد اکرم خاں کا بنگلہ ترجمہ بھی قابل ذکر ہے۔ عربی تفسیروں میں نواب صدیق حسن خان کی فتح البیان

Marfat.com

اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن کو ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ اردو تفسیروں میں نواب صدیق حسن خان کی ترجمان القرآن' نواب وحید الزماں کی تفسیر وحیدی' مولوی سید احمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۸ھ) کی احسن التفاسیر اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر ثنائی محتاج تشریح نہیں۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے بھی تفسیر تبصیر الرحمٰن (غیر مکمل) اور کئی مختلف سورتوں کی تفسیریں لکھیں' جن میں سورۃ الفاتحہ کی تفسیر "واضح البیان" اپنے علوم و معارف' مسائل و احکام' جامعیت و اسلوب کے لحاظ سے بہت بلند ہے۔ حافظ محمد لکھنوی (م ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء) نے قرآن مجید کی ایک بے نظیر تفسیر پنجابی زبان میں شائع کی جو اپنی طرز کی واحد تفسیر ہے اور سات جلدوں پر مشتمل ہے۔

(ب) اہل حدیث علما نے کتب حدیث کی عربی شرحیں اور تشریحی حواشی بھی بکثرت لکھے۔ جن میں مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی کی عون المعبود شرح سنن ابی داؤد اور التعلیق المغنی علی کتاب للدار قطنی' نواب صدیق حسن خان کی فتح العلام شرح بلوغ المرام' عون الباری فی حل ادلۃ البخاری (شرح تجرید البخاری)' السراج الوہاج شرح صحیح مسلم' مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کی تحفۃ الاحوذی' شرح جامع کے حواشی عربی زبان میں لکھے۔ حافظ عبدالحکیم نصیر آبادی نے مسند امام احمد کی ترتیب صحیح بخاری کے طرز پر کی۔ اس کی عربی شرح مولانا ابو سعید شرف الدین دہلوی نے لکھنی شروع کی تھی' لیکن مکمل نہ ہو سکی۔ نواب صدیق حسن خان کی فارسی شرح میں مسک الختام شرح بلوغ المرام کو وہی مقام حاصل ہے جو شوکانی کی نیل الاوطار کو۔

دینی کتب کے اردو تراجم و شروح پر بھی اہل حدیث کی خاص توجہ مبذول رہی جس کی وجہ سے اردو زبان علم حدیث و تفسیر سے مالا مال ہو گئی۔ مولانا محمد میمن جوناگڑھی نے تفسیر ابن کثیر کا مکمل اردو ترجمہ تفسیر محمدی کے نام سے اور اعلام الموقعین (حافظ ابن قیم) کا اردو ترجمہ دین محمدی کے نام سے شائع کیا۔ مولانا وحید الزماں کی محنت اور محبت علم حدیث بھی بے حد قابل داد ہے۔ انہوں نے صحاح ستہ کا صرف ترجمہ ہی نہیں کیا' بلکہ صحیح بخاری' صحیح مسلم اور موطا کی ضخیم شرحیں اردو میں لکھ ڈالیں۔ صحیح مسلم کی شرح نووی کو

اردو میں منتقل کر دیا اور صحیح بخاری کی اردو شرح میں ابن حجر عسقلانیؒ اور شوکانیؒ ایسے ماہرین حدیث کے علوم و افکار بھی منتقل کر دیے۔ مولانا بدیع الزمان (م ۱۳۰۴ھ) نے اردو ترجمہ مُوطا کے علاوہ جامع ترمذی کی ایک شرح اردو میں لکھی جو انیسویں صدی کے اواخر میں طبع ہوئی۔ مولانا عبدالاوّل غزنوی نے ریاض الصالحین اور مشکوٰۃ المصابیح کے اردو ترجمے شائع کیے۔ مولانا وحید الزمان نے فقہ کی مشہور کتاب شرح الوقایہ کی شرح بہ زبان اردو چار جلدوں میں لکھی۔ بلوغ المرام کے کئی ترجمے شائع ہوئے۔ اسی طرح اور بہت سی دینی اور علمی کتابوں کے تراجم و ملخصات چھاپے گئے تاکہ ان سے استفادے کا دائرہ وسیع تر ہو جائے۔

(۵) علمی تصانیف میں نواب صدیق حسن خان کا نام سرفہرست ہے۔ موصوف نے اسلامی علوم و فنون کے ہر شعبے میں قلم اٹھایا۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری (م ۱۹۳۰ء) کی رحمتہ للعٰلمین (تین جلدیں) موضوع سیرت پر بڑی مقبول ہوئی۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ (م ۱۹۵۶ء) کی سیرت مصطفیٰ بھی قابل ذکر کتاب ہے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شہرہ آفاق کتاب تقویۃ الایمان اصلاح عقائد میں اپنی مثال آپ ہے' اردو زبان کی کوئی کتاب نہ اس سے زیادہ چھپی اور نہ اس سے بڑھ کر اثر انداز ہوئی ہو گی۔ خلافیات پر بھی ذخیرۂ کتب فراہم ہو گیا۔ مثلاً معیار الحق از شیخ الکل حضرت سید نذیر حسین محدث دہلویؒ اور دراسات اللبیب از شیخ معین سندھیؒ' اعتصام السنۃ از شیخ عبداللہ صدیقی الہ آبادیؒ' الارشاد الی سبیل الرشاد از مولانا ابو یحییٰ محمد شاہ جہان پوری' تنویر العینین از شاہ اسماعیل شہیدؒ' تحقیق الکلام از مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری' اجتہاد و تقلید از مولانا ثناء اللہ۔ جماعت اہل حدیث ہی نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ' حافظ ابن قیمؒ' علامہ ابن حزم اندلسیؒ' حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور دیگر ائمہ کبار و مفکرین اسلام کے افکار و آراء سے اردو دان حلقوں کو روشناس کرایا۔ خصوصاً مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم کے ترجمے جن کا خاصا ذخیرہ بارہا چھپ چکا ہے۔

(۶) جماعت اہل حدیث نے کئی ماہ نامے اور ہفت روزہ دینی اخبار بھی جاری کیے۔

Marfat.com

۱۸۷۸ء میں مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے اردو ماہ نامہ "اشاعۃ السنۃ" جاری کیا' جو تقریباً چالیس برس تک دینی علوم کی اشاعت کا ذریعہ بنا رہا۔ قیام پاکستان سے پہلے ہفت روزہ اخباروں میں "اہل حدیث" امرتسر' محمدی' دہلی "اہل حدیث گزٹ" دہلی' توحید امرتسر "مسلمان" سوہدرہ مشہور تھے۔ آج کل بھی صرف لاہور سے اہل حدیث کے دو ہفتہ روزہ "الاعتصام" اور تنظیم اہل حدیث شائع ہوتے ہیں۔ مشرقی پاکستان کے بنگلہ اخباروں میں ہفت روزہ "محمدی" "اہل حدیث" اور "عرفات اور ماہ نامہ "ترجمان الحدیث" قابل ذکر ہیں۔ لاہور کا سب سے پہلا قومی انگریزی روزنامہ "مسلم آوٹ لک Muslim Out Look مولوی عبدالحق نے جاری کیا اور ان کا مطبع رفاہ عام پریس اہل حدیث کی سیاسی اور دینی خدمات کا مرکز بنا رہا اور مجاہدین چمرکنڈ کی بہت سی ضرورتوں کی کفالت اسی مطبع کے ذمے رہی۔ خود ان مجاہدین نے بھی آزاد علاقے میں کئی اہم اخبار جاری کیے تھے مثلاً "المجاہد" "المرض" وغیرہ۔

(۷) کتابوں کی طباعت و اشاعت اور تبلیغی مقاصد کے پیش نظر اہل حدیث نے لاہور امرتسر دہلی' بھوپال' بنارس دربھنگہ اور ڈھاکہ میں کئی چھاپے خانے قائم کیے۔ اسلامی علوم کی ترویج اور تصنیف و تحقیق کے لیے کتب خانوں کے قیام کا خاص اہتمام کیا گیا۔ ان میں سے نواب صدیق حسن خان (بھوپال)' پیر جھنڈا سندھ' حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی' مولانا سید نذیر حسین محدث (دہلی)' مولانا شمس الحق ڈیانوی' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی' مولوی محمد جمال امرتسری' مولانا عبدالرحمن مبارک پوری' مولانا محمد داؤد غزنوی (لاہور) کے کتب خانے بہت اہم تھے۔ ان میں بعض کتب خانے ۱۹۴۷ کی افراتفری میں برباد ہو گئے' مثلاً مولانا ثناء اللہ مرحوم کا کتب خانہ' نیز غزنوی کتب خانہ۔

جماعت اہل حدیث نے دوسری جماعتوں کے ساتھ مل کر جذبۂ فی سبیل اللہ اور قتل کفار کو ہمیشہ زندہ رکھا۔ اور یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اہل حدیث کا یہ سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے سید احمد بریلویؒ کی قیادت میں تسلط اغیار سے آزادی اور

Marfat.com

تاسیس سلطنت اسلامیہ کے لیے بڑی قابل قدر اور لائق فخر جدوجہد کی۔ امامت کبریٰ کے قیام کے لیے جہاد بھی اہل حدیث کے مقاصد میں برابر شامل رہا۔ اقصائے آسام و بنگال سے شمال میں علاقہ آزاد قبائلی علاقے تک یہ تحریک پھیلا دی۔ شاید ہی کوئی خطہ یا علاقہ ہو جہاں سے کچھ نہ کچھ لوگ مرکز مجاہدین میں نہ پہنچے ہوں اور انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کی عبادت میں حصہ نہ لیا ہو۔ انگریزی اقتدار کے زمانے میں بھی جماعت نے مسئلہ جہاد زندہ رکھا۔ یہی جماعت تھی جس نے انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک مستقل محاذ قائم کیا اور اس کے لوگ آزاد علاقے میں اسمت و چمر کنڈ کو مرکز بنا کر مساعی جہاد کے لیے کوشاں رہے۔ انتہائی مشکلات کے باوجود یہ چراغ گل نہ ہونے دیا۔ اہل برصغیر نے بیت المال قائم کر کے زکوٰۃ و عشر اور صدقات کے ذریعے مجاہدین کی اعانت کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ یہ مجاہدین انگریز حکومت کے لیے ہمیشہ باعث تشویش بنے رہے۔ حکومت نے اس تحریک کو کچلنے کی بڑی کوشش کی۔ اعانت مجاہدین کے مرکزوں کا سراغ لگایا۔ طویل عرصے تک دارو گیر کا خوفناک ہنگامہ برپا رکھا۔ بیسیوں اصحاب پر مقدمے چلے اور انہیں کالے پانی کی سزائیں دی گئیں۔ ان کے کاروبار اور املاک تباہ ہو گئے۔ اس سلسلے میں مولانا احمد اللہ پر سخت عتاب نازل ہوتا رہا۔ مولوی فضل الٰہی مرحوم' مولانا یحییٰ علی' مولانا عبدالرحیم صادق پوری کا صرف نام لے دینا کافی ہے۔ پھر ہمارے زمانے میں مولانا عبدالرحیم معروف بہ مولوی محمد بشیر' مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی نے جہاد کے لیے جو قربانیاں دیں وہ اہل خبر سے مخفی نہیں۔

تحریک آزادی وطن اور قیام پاکستان کے سلسلے میں بھی اہل حدیث کی خدمات اور قربانیاں لائق ستائش ہیں' ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد علمائے اہل حدیث پر بڑے مظالم ڈھائے گئے۔ بنگال' پٹنہ اور بہار اور بالخصوص علمائے صادق پور کو بکثرت مشق دارو گیر بننا پڑا۔ خلافت تطہیر جزیرۃ العرب نیز دوسری قومی تحریکوں کے علاوہ آزادی وطن کے لیے جماعت اہل حدیث نے ہمیشہ گرم جوشی دکھائی۔ پوری ملت اور قوم کے ساتھ مل کر قید و بند کی صعوبتیں بخوشی قبول کیں۔ تحریک کانگرس' تحریک احرار' تحریک مسلم لیگ برائے قیام

پاکستان' غرض آزادی وطن و ملت کا کوئی محاذ ایسا نہیں جس میں جماعت اہل حدیث کا درجہ ایثار و خدمات زیادہ ممتاز نہ رہا ہو۔

جب شدھی کی تحریک اور عیسائی پادریوں کی یورش نے اسلام کے خلاف وسواس پھیلانے کی کوشش کی تو جماعت اہل حدیث نے بڑی سرگرمی سے ان تحریکوں کا مقابلہ کیا۔ اسلام پر غیر مذاہب کے اعتراضات کے تحریری جواب بھی دیے۔ جہاں مناظرات ناگزیر ہوئے وہاں ان میں بھی سرگرمی سے حصہ لیا۔ بے شمار علماے کرام میں سے مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا ابراہیم سیالکوٹی' قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کا ذکر ضروری ہے۔ جن کی زبان و قلم نے نصف صدی سے زیادہ مدت تک حصار اسلام کی پاسبانی کا حق ادا کیا۔ مولانا عبدالقادر قصوری (م ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء) صدر انجمن اہل حدیث پنجاب و صدر پنجاب کانگرس طویل مدت تک جماعت مجاہدین کی اعانت کا اہم مرکز بنے رہے۔ ان کے خاندان یعنی مولوی عبداللہ قصوری' مولوی محی الدین احمد قصوری' مولوی محمد علی قصوری ایم۔ اے (کینٹب) نے "جمعیت دعوت و تبلیغ" کے نام سے ایک تبلیغی ادارہ قائم کیا اور ملک کے طول و عرض میں ان کی شاخیں قائم کرکے شدھی کے مقابلے میں منظم طور پر تبلیغ جاری کی۔ اس جمعیت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جب موپلے حکومت اور برادران وطن کی کج اندیشیوں اور غلط بیانیوں کے باعث ہولناک مصائب میں مبتلا ہوئے تو جمعیت ایک طرف ان مظلوموں کی پوری امداد کرتی رہی۔ دوسری طرف کارپردازان حکومت کو حتی الامکان سختیوں سے روکنے کی کوشش کرتی رہی۔ تیسری طرف غریب موپلوں کے خلاف غلط فہمیوں کی تاریکی زائل کرتی رہی۔ اس دور کی سیکڑوں تصانیف میں چند ایک کے نام درج ذیل ہیں: حق پرکاش بجواب سیرتھ پرکاش' ترک اسلام' بجواب اخذ اسلام' مقدس رسول بجواب رنگیلا رسول' عصمت انبیا وغیرہ۔

مسلمانوں کے لیے یہ دور بڑا نازک تھا۔ سیاسی اور اقتصادی غلامی کا زمانہ' عیسائی مشنریوں کی چیرہ دستیاں اور ہندوؤں خصوصاً آریاؤں کی دریدہ دہنی' اگر معترضین کا منہ توڑ جواب نہ دیا جاتا تو ہزاروں اور لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف سوء ظن

Marfat.com

پیدا ہو جاتا۔ اسلامی آئین کی ترویج اور اسلامی فکر اور نظام حیات کو اپنانے کے لیے اہل حدیث مدت سے کوشاں ہیں۔ سید سلیمان ندوی تحریک اہل حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اور اس زمانے میں آج تک ہمارے دور کے سکوت میں اس سے جو جنبش ہوئی وہ بھی ہمارے لیے بجائے خود مفید اور لائق شکریہ ہے۔ بہت سی بدعتوں کا استحصال ہوا۔ توحید کی حقیقت نکھاری گئی۔ قرآن پاک کی تعلیم و تفہیم کا آغاز ہو گیا۔ قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ جوڑا گیا۔ حدیث نبویؐ کی تعلیم و تدریس اور تالیف و اشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں پاکستان و ہند کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ دولت نصیب ہوئی۔ نیز فقہ کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی——— سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبویؐ کا جو جذبہ کم ہو گیا تھا وہ سالہا سال تک کے لیے دوبارہ پیدا ہو گیا۔" (مقدمہ تراجم علماے حدیث ہند ص ۳۵)۔

○○○

اہلِ حدیث علماء کی خدمات

اہل حدیث کو اصحاب الحدیث' اہل الحدیث اہل الاثر اور سلفی بھی کہتے ہیں۔ وہ کتنا مبارک زمانہ تھا جب صحابہ کرامؓ ایسے متبرک لوگ موجود تھے۔ ان کے بعد ائمہ اہل حدیث کی صف میں امام زہریؒ' امام اوزاعیؒ' امام مالکؒ' امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ ایسے فضیلت مآب بزرگان دین نظر آتے ہیں۔ پھر وہ دور بھی آیا جب اہل حدیث کے نظری و عملی تصورات کے حاملین امام بخاریؒ' امام مسلمؒ' امام ترمذیؒ' امام ابو داوُدؒ' امام نسائیؒ' امام ابن ماجہؒ اور امام حاکمؒ ایسے فخر زمان اور نادر روزگار اکابر پر نگاہ پڑتی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تحریک اہل حدیث ائمہ حدیث اور چند جید علما تک محدود تھی' لیکن آج یہ تحریک ایک عوامی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اب اس تحریک کی قوت کا انحصار ایک طرف تو علمائے کرام پر ہے اور دوسری طرف عوام پر اور عوام میں بھی ان لوگوں پر جو چھوٹے موٹے کاروبار کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ طبقہ کتابی علم کی دولت سے بالکل تہی دامن ہے' لیکن ان کا دامن عمل اتباع سنت اور عمل بالحدیث کی دولت سے مالا مال ہے۔ ان کی ظاہری آنکھیں مطبوعہ کتب احادیث کو پڑھنے کی سعادت سے محروم ہیں' لیکن ان کے کان حدیث و سنت کے ذکر خیر سے صبح و شام بہرہ اندوز ہوتے رہتے ہیں اور ان کے دل مشکوٰۃ نبوت سے ہر وقت منور ہیں۔ اس عوامی تحریک کی بدولت برصغیر میں ڈیڑھ کروڑ نفوس ایسے ہیں جو اہل حدیث کہلانا سعادت دارین سمجھتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں اہل حدیث کے نظریات کو عوامی تحریک بنانے کی اولین کوشش کا شرف حضرت شاہ ولی اللہ (رحمتہ اللہ علیہ) کو حاصل ہوا۔ حضرت امامؒ نے قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کر کے عوام کے لیے قرآن فہمی کی سہولت پیدا کر دی۔ اسی طرح حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج کے پیش نظر موطا امام مالکؒ کو منتخب فرمایا اور فارسی زبان میں المصفیٰ اور عربی میں المسوّیٰ لکھ کر حدیث فہمی کے لیے راہ ہموار کر دی۔ کتاب و سنت کی روشنی میں رموز شریعت اور اسرار دین سمجھانے کے لیے حجتہ اللہ

Marfat.com

ایسی لاجواب کتاب مرتب کر کے علمائے امت کے لیے سوچ اور فکر کی نئی راہیں کھول دیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے لائق فرزند شاہ عبدالعزیزؒ نے تحریک اہل حدیث کو بڑی تقویت پہنچائی' بعدازاں شاہ محمد اسحاقؒ اور شیخ الکل حضرت میاں صاحب (سیدنذیر حسین)ؒ نے تحریک اہل حدیث کو علمی اور عوامی حیثیتوں سے چار چاند لگا دیے۔ ان کے تلامذہ کرام نے اس تحریک کو برصغیر کے گوشے گوشے میں پہنچانے کے لیے ان تھک کوششیں کیں۔ ان کی مساعی کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ کہ آج یہ تحریک خواص کے حلقوں سے نکل کر عوام تک بھی پہنچ گئی ہے اور عوام نے اس تحریک سے متاثر ہو کر عمل بالحدیث اور اتباع سنت کو اپنا شعار بنانا موجب فلاح دارین سمجھا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم ایسے بالغ نظر مؤرخ اسلام تحریک اہلحدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "اس تحریک کا یہ فائدہ ہوا کہ مدت کا زنگ طبیعتوں سے دور ہوا اور یہ جو خیال ہو گیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو چکا ہے رفع ہو گیا اور لوگ از سر نو تحقیق و کاوش کے عادی ہونے لگے۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی خو پیدا ہوئی اور قیل و قال کے مکدر گڑھوں کی بجائے ہدایت کے اصلی سرچشمہ مصفا کی طرف واپسی ہوئی۔"

مسلک اہل حدیث کے نزدیک اسلامی شریعت اور دینی علوم کا حقیقی سرچشمہ کتاب و سنت ہے اور کتاب و سنت کی اشاعت و ترویج ہی اس تحریک کی اصلی غرض و غایت ہے۔ چنانچہ اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت کے لیے اہل حدیث نے مندرجہ ذیل ذرائع اختیار کیے:

(۱) درس و تدریس اور قیام مدارس' (۲) تالیف و تصنیف' (۳) تراجم کتب دینیہ' (۴) اسلاف کی اہم تصانیف کی اشاعت کا اہتمام' (۵) اخبارات و رسائل کا اجراء'

Marfat.com

(۶)قیام مطابع اور (۷)کتب خانوں کا قیام۔

اہل حدیث علما نے اسلامی علوم کی ترویج یعنی کتاب و سنت کی اشاعت کے لیے دو قسم کے درسوں کا اہتمام کیا: ایک درس تو عامتہ المسلمین کے لیے اور دوسرا مدارس دینیہ کے طلبہ کے لیے۔ عام طور پر صبح کے وقت مسجد میں بیٹھ کر ایک اہل حدیث عالم قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کرتا' پھر اس کا سادہ ترجمہ سناتا۔ بعد میں کتاب و سنت کی روشنی میں ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے مطلب و مفہوم بالوضاحت بیان کر دیتا۔ اس قسم کے درس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ عوام کو قرآن فہمی سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع حاصل ہو گیا اور وہ کتاب اللہ کے احکام و مسائل کو سمجھنے کے لیے کوشاں نظر آنے لگے۔ اسی انداز پر درس حدیث کا بھی اہتمام کیا گیا۔

علاوہ ازیں اسلامی علوم کی ترویج کے لیے دینی مدارس قائم کیے گئے۔ شاہ ولی اللہؒ کے عہد سے لے کر اس وقت تک اہل حدیث نے انفرادی اور جماعتی مساعی سے چھوٹے بڑے ایک ہزار دینی مدارس قائم کیے۔ ان مدارس میں نصف کے قریب تو پرائمری اور مڈل سکولوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور سیکڑوں مدارس ڈگری کالجوں کا درجہ اور چند مدارس کی حیثیت یونیورسٹی کے درجہ سے کسی صورت میں کم نہیں ہو سکتی۔

ان مدارس کی بدولت اس برصغیر میں بھی علم حدیث کے چرچے ہونے لگے۔ گزشتہ ڈیڑھ سو سال میں حدیث کے مقدس علم کو رواج دینے کا سہرا اہل حدیث کے سر ہے۔ اہل حدیث کے مدارس نے قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس اور اشاعت' تبلیغ کے لیے بڑا نام پیدا کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان مدارس کو گوناں گوں کامیابی نصیب ہوئی۔ ایک تو ان مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ بڑے جلیل القدر علما اور شہرۂ آفاق اساتذہ بن کر عالم اسلامی کے لیے چراغ راہ ثابت ہوئے۔ دوسرے یہ کہ ان مدارس کے ذریعے علم حدیث نے غیر اہلحدیث خاندانوں تک رسائی حاصل کی' مثلاً خاندان فرنگی محل وغیرہ اور اس طرح عامتہ المسلمین کو مشکاۃ نبوت سے مستفید ہونے کا موقع میسر آیا۔ اہل حدیث کے ان مدارس کا ایک محسوس اثر یہ بھی ہوا کہ غیر ممالک سے طلبہ علم حدیث کی تحصیل کے

لیے آتے اور وطن واپس جا کر اہلحدیث کے افکار و عقائد کے مبلغ بن جاتے۔ چنانچہ ہمسایہ ممالک میں تحریک اہل حدیث کے فروغ کی ایک ادنی مثال تبت کا علاقہ ہے۔ گزیٹر میں سرکاری طور پر اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ تبت کے نور بخشی شیعہ حضرات بکثرت اپنے آبائی عقائد کو چھوڑ کر اہل حدیث کے عقائد اختیار کر رہے ہیں۔

مدارس اہل حدیث کا یہ سلسلہ چند شہروں یا ایک دو صوبوں تک محدود نہ تھا' بلکہ مدارس کا یہ سلسلہ پورے برصغیر میں پھیلا ہوا تھا۔ شمال مغربی سرحدی علاقہ جات سے لے کر مدراس اور دکن تک ایک طرف اور ڈھاکہ و سلہٹ تک دوسری طرف وسیع تھا۔

برصغیر میں اہل حدیث کے قائم کردہ مدارس کی تفصیلی معلومات کے لیے تو دفتر درکار ہیں' لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ان کے نصاب تعلیم میں قرآن و حدیث کو خاص حیثیت حاصل رہی ہے اور ابتدا سے لے کر انتہا تک ہر جماعت میں قرآن و حدیث کی تعلیم ایک اہم اور لازمی جز تھا۔ فقہ' حدیث کے ساتھ حنفی فقہ کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ اب بھی اہل حدیث مدارس کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ تفسیر و حدیث بطور نصاب ہر جماعت میں پڑھائے جاتے ہیں اور فقہ حدیث کے ساتھ فقہ حنفی اور فقہ حنبلی بھی نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ اب یہ غیر مناسب نہ ہو گا کہ ان چند مقامات کا ذکر کر دیا جائے جہاں جہاں اہل حدیث نے مدارس قائم کیے:

دہلی میں ۱۴ مدارس تھے اور قیام پاکستان سے پہلے ۱۲ مدارس تو خاصے پر رونق تھے۔ ضلع اعظم گڑھ (یوپی) میں ۶' بنارس میں ۵' آگرہ میں ۲' قصبہ مئوناتھ بھجن میں ۳' مدراس میں ۶' دکن میں ۳' رنگون میں ۲' ریاست رام پور میں ۶' صوبہ بہار میں ۲۴' صوبہ بنگال میں ۱۴' ضلع گوجرانوالہ میں ۷' امرتسر میں ۵' ضلع لاہور میں ۸' ضلع ملتان میں ۸' ضلع ساہیوال میں ۴' ضلع سیالکوٹ میں ۴' ضلع جہلم میں ۳' اس کے علاوہ بٹالہ' میرٹھ' رائے بریلی' سورت' جوناگڑھ' لکھنؤ' ملیح آباد' ریاست دھولپور' ریاست گوالیار' ریاست جے پور' جون پور' الہ آباد' غازی پور' خواجہ (بلند شہر)' سہسوان' قنوج' پانی پت' گوڑ گاؤں (علاقہ میوات)' پھلی بھیت' ریاست پٹیالہ' روپڑ اور ریاست فرید کوٹ میں ایک ایک

مدرسہ قائم کیا گیا۔ مزید براں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس دہلی نے الگ اپنی جانب سے نوے مدارس قائم کیے۔

اب میں صرف ان مدارس کا سرسری ذکر کرنا چاہتا ہوں جو یونیورسٹی کی حیثیت رکھتے تھے اور جن کے شہرۂ آفاق اساتذہ کے علم و فضل اور زہد و تقوی نے ہزاروں طلبہ کو چوٹی کے عالم بنا دیا۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد حضرت میاں صاحب کا مدرسہ سرفہرست ہے۔ مشرق و مغرب کے ہزاروں طلبہ نے دہلی پہنچ کر میاں صاحب کے چشمۂ علم و فضل سے فیض حاصل کیا اور دنیائے اسلام میں مقام بلند پایا۔

دربھنگہ کا مدرسہ احمدیہ سلفیہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کی نگرانی میں ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس طرح آگرہ کا مدرسہ احمدیہ اور دہلی کا مدرسہ رحمانیہ بھی اپنے اس علاقے میں معروف تھا۔ وزیر آباد کا مدرسہ "دارالحدیث" حافظ عبدالمنان صاحب کی وجہ سے تشنگان علم حدیث کا مرجع بن گیا اور ہمارے اس دور کے چوٹی کے اہل علم اور صاحب قلم علمائے اہل حدیث نے اس درسگاہ سے فیض حاصل کیا۔ ضلع فیروزپور میں حافظ محمد صاحب لکھوی کا مدرسہ محمدیہ اور امرتسر میں حضرت مولانا عبداللہ شاہ غزنوی کا مدرسہ غزنویہ بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان مدارس سے بھی علم و فضل کے وہ چشمے پھوٹے کہ پنجاب کی سرزمین اب تک سرسبز و شاداب ہے۔

ہمارے اس شہر لاہور میں اہل حدیث کا پہلا مدرسہ ۱۹۰۶ء میں انجمن اہل حدیث لاہور نے مدرسۃ القرآن والحدیث کے نام سے قائم کیا۔ اس وقت بھی یہاں دو عظیم مدرسے قائم ہیں۔ ایک مولانا محمد داؤد غزنوی صاحب کا مدرسہ "دارالعلوم تقویۃ الاسلام" اور دوسرا مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کا مدرسہ "جامعہ سلفیہ"۔

اسلامی علوم کی ترویج کے سلسلے میں اہل حدیث حضرات کی تصنیفی سرگرمیاں بھی کچھ کم شاندار نہیں۔ اگر ان مساعی جمیلہ پر پوری دنیائے اسلام بھی ناز کرے تو قطعاً بے جا نہ ہوگا۔ اس تحریک نے برصغیر میں کم و بیش ایک ہزار اہل قلم پیدا کیے، جنہوں نے

Marfat.com

دینی علوم کے گلستان میں ایسے گلہائے رنگا رنگ کھلائے جن کی مہک سے آج بھی دماغ معطر ہیں اور جن کی رنگت و تازگی آج بھی چشم بصیرت کو ٹھنڈک و مسرت کا سامان مہیا کرتی ہے۔ ان میں سے بعض تو بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں' مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ' نواب صدیق حسن خاں' علامہ وحید الزمان' علامہ شمس الحق ڈیانوی' مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی اور مولانا سید سلیمان ندوی۔

ہزارہا کتب میں سے صرف چند ایسی کتابوں کے نام عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا جن کی تعریف میں اپنے اور بے گانے سب رطب اللسان ہیں اور جن پر ملت اسلامیہ کو بجا طور پر ناز ہے:

(۱) ابجد العلوم اور (۲) اتحاف النبلاء از نواب صدیق حسن خاں

(۳) سیرت النبی از سید سلیمان ندوی اور

(۴) رحمتہ اللعالمین از قاضی سلیمان منصور پوری۔

قرآن مجید کو اردو میں ترجمہ کرنے کا شرف اولیں بھی اسی گروہ کو حاصل ہوا۔ شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے اردو تراجم سے کون ناواقف ہے" پھر مولانا وحید الزماں حیدر آبادی اور ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ترجموں کی داد کس نے نہیں دی؟

قرآن مجید کا ترجمہ سمجھانے کے بعد اس بات کی ضرورت پیدا ہوئی کہ علما اور عوام کے لیے قرآن مجید کے احکام کی تفصیلات' آیات کے مطالب و مقاصد اور الفاظ کی تشریح و توضیح بیان کی جائے۔ چنانچہ ان مقاصد کے پیش نظر اہل حدیث علمانے عربی' فارسی اور اردو تفاسیر کے انبار لگا دیے۔ عربی تفاسیر میں نواب صدیق حسن خاں کی فتح البیان اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن' اردو تفسیروں میں نواب صدیق حسن خاں کی ترجمان القرآن' مولانا وحید الزمان کی تفسیر وحیدی' مولوی سلیم بخش دہلوی کی اعظم التفاسیر اور مولانا ثناء اللہ کی تفسیر ثنائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اہل حدیث کی یہ تفسیری مساعی صرف علمی زبانوں تک ہی محدود نہ رہیں' بلکہ پانچ

دریاؤں کی دیہاتی اکثریت کو قرآن سمجھانے کے لیے حافظ محمد لکھوی نے تفسیر محمدی کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر پنجابی زبان میں نظم کر دی جو دیہات میں بے حد مقبول ہوئی۔ اس طرح حافظ صاحب موصوف نے اسلامی علوم کی ترویج کے پیش نظر پنجابی زبان میں نہایت مقبول کتابیں نظم کیں جن میں زینت الاسلام اور احوال الآخرۃ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اہل حدیث نے کتب حدیث کے تراجم اور شروح کی جانب بھی توجہ دی اور پوری صحاح ستہ کا اردو میں ترجمہ کر دیا۔ صحیح بخاری کے نو دس مختلف ترجمے چھپ چکے ہیں۔ اردو تراجم و شروح کے سلسلے میں مولانا وحید الزمان حیدر آبادی کا نام سنہری حروف میں لکھے جانے کے لائق ہے۔ بخاری و مسلم کی اردو شروح تو لا جواب ہیں۔ صحاح ستہ کے علاوہ مولانا وحید الزمان نے موطا امام مالک کا ترجمہ اور شرح قلمبند کی۔ مولوی حزم علی بلہوری (م ۱۲۴۰ھ) نے مشارق الانوار کا اردو ترجمہ کیا۔ مولوی عبدالاول غزنوی نے ریاض الصالحین اور مشکوۃ کے ترجمے کیے۔ مولوی بدیع الزمان کی اردو شرح جامع ترمذی بھی لائق تحسین ہے۔

عربی شروح حدیث میں مولانا شمس الحق ڈیانوی کی عون المعبود شرح سنن ابی داؤد' التعلیق المغنی علی دار قطنی' نواب صدیق حسن خاں کی فتح العلوم شرح بلوغ المرام اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی اور فارسی میں مسک الختام شرح بلوغ المرام (از نواب مرحوم) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد دہلوی نے علاوہ ازیں تفسیر ابن کثیر کا مکمل اردو ترجمہ اور ابن قیم کی کتاب اعلام الموقعین کا اردو ترجمہ شائع کر کے اردو زبان کے دامن کو اسلامی علوم سے مالا مال کر دیا۔ ابن القیم کی زاد المعاد کے خلاصہ کا اردو ترجمہ اسوۂ حسنہ کے نام سے چھپا اور ابن عبدالبر کی کتاب العلم والعلما کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا۔

کتب عقائد میں جو مقبولیت شاہ اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الاسلام کو نصیب ہوئی ایسی برصغیر میں کسی دوسری کتاب کو میسر نہ آ سکی۔ اب تک یہ کتاب لاکھوں کی تعداد میں

Marfat.com

چھپ چکی ہے۔

اسلامی علوم کی ترویج کا ایک اہم ذریعہ یہ بھی ہے کہ اسلاف کی قابل قدر تصانیف کو زیور طباعت سے آراستہ کر کے اہل ذوق کے لیے سامان تسکین مہیا کیا جائے۔ چنانچہ اہل حدیث حضرات نے یہ خدمت بھی اپنے ذمہ لی اور شاہ ولی اللہ کی حجتہ اللہ' تفسیر ابن کثیر' حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح بخاری' ابن قیم کی زاد المعاد فی ھدی خیر العباد' سنن دارمی' الشوکانی کی نیل الاوطار اور دار قطنی ایسی اہم اور مفید کتابوں کو شائع کر کے دینی حلقوں کا دامن علوم اسلامیہ سے بھر دیا۔

اس سلسلے میں اہل حدیث نے ایک اور بہت بڑی خدمت انجام دی۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ اور امام ابن قیم ؒ سے عوام و خواص کو روشناس کرایا اور ان کی کتب اور ان کے تراجم کی اشاعت کا اہتمام کیا۔

اہل حدیث نے کئی ہفتہ وار دینی اخبارات اور ماہنامے جاری کیے۔ ۱۹۸۹ء میں سب سے پہلا ماہنامہ اشاعت السنہ اردو زبان میں مولانا محمد حسن بٹالوی نے جاری کیا۔ جو تقریباً چالیس سال تک علم و فضل کا لوہا منواتا رہا۔ ہفتہ وار اخبارات میں اہل حدیث امرتسر اور اخبار محمدی دہلی بڑے وقیع اور مؤقر ہیں۔ آج کل مغربی پاکستان کی مرکزی جمعیت اہل حدیث کا جماعتی ترجمان ہفت روزہ ''الاعتصام'' ہے۔ پاک و ہند سے کئی ایک ماہنامے بھی شائع ہو رہے ہیں۔

کتابوں کی طباعت و اشاعت کے لیے اہل حدیث جماعت نے کئی مطابع قائم کیے۔ جن میں مطبع صدیقی اور احمدی لاہور' مطبع انصاری دہلی' مطبع فاروقی دہلی' آزاد پریس دہلی' انوار الاسلام پریس امرتسر' ثنائی پریس امرتسر' صدیقی پریس بنارس اور مطبع مسلفی دربھنگہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اسلامی علوم کی ترویج اور تصنیف و تالیف کے لیے کتابوں کی فراہمی اور کتب خانوں کا قیام بھی اہم اقدام ہے۔ اہل حدیث علما نے عظیم الشان کتب خانے قائم کیے۔ چند ایک کے اسما پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں: نواب صدیق حسن خاں کا کتب خانہ

Marfat.com

بھوپال ' حافظ عبدالمنان کا کتب خانہ وزیر آباد ' حاجی علی خاں اور میاں صاحب کے کتب خانے دہلی میں ' مولوی ثناء اللہ اور مولوی محمد جمال کے کتب خانے امرتسر میں اور مولوی ابراہیم کا کتب خانہ سیالکوٹ میں مرجع علماء رہے ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی تحریک اہل حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"..... اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اور اس زمانہ سے آج تک ہمارے دور کی ساکن سطح میں اس سے جو جنبش ہوئی وہ بھی ہمارے لیے بجائے خود مفید اور لائق شکریہ ہے۔ بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا۔ توحید کی حقیقت نکھاری گئی۔ قرآن پاک کی تعلیم و تفہیم کا آغاز ہوا۔ قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا۔ حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس اور تالیف و اشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعوی کیا جا سکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں ہندو پاکستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ دولت نصیب ہوئی۔ نیز فقہ کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی..... سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی کا جو جذبہ گم ہو گیا تھا وہ سالہا سال تک کے لیے دوبارہ پیدا ہو گیا۔" (ص ۴۴)

سید سلیمان اپنی نسبت فرماتے ہیں:

"میں سنت کا پیرو اور توحید خالص کا معتقد ہوں۔ سنت کو دلیل راہ مانتا ہوں اور علما کے لیے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھلا جانتا ہوں اور حق کو ائمہ و سلف میں کسی ایک میں منحصر نہیں سمجھتا۔" (ص ۴۴)

OOO

بنگال میں اہل حدیث مسلک کی تبلیغ

بنگال ایک عرصے تک اسلام اور اسلامی علوم و فنون کا مرکز رہنے کے بعد دوبارہ رسوم و رواج کا مرکز بن گیا۔ ہندو ثقافت بنگالی مسلمانوں پر سوار ہو گئی۔ ان کے طریق عمل کو مسلمان اپنانے لگے۔ بنگالی مسلمانوں کی دینی حالت بڑی ابتر تھی۔ وہ دین اسلام سے عملی طور پر بے گانہ ہو چکے تھے۔ ہندوؤں کی طرح وہ پیر پرستی' قبر پرستی ان میں گھر کر چکی تھی۔ مانک پیر اور سیتا پیر وغیرہ بنگالی مسلمانوں کی روحانی دولت تھے۔ قدم رسول کے نام سے کئی جگہوں کو تقدس دے دیا گیا۔

مولوی ولایت علی اور مولوی عنایت علی کی کوششوں سے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا پیغام جہاد اور انداز توحید بنگال میں پہنچا۔ انہوں نے حاکم پور کو اپنا مرکز بنایا اور تبلیغی مساعی کے سلسلے میں جسور' ندیا' فرید پور' راجشاہی' مالوہ اور بوگرہ وغیرہ اضلاع میں گھوم پھر کے سلہٹ تک پہنچے اور ہر جگہ قرآن و سنت اور توحید کی آواز پہنچائی۔

بنگال میں مساجد کی بڑی قلت تھی۔ مذکورہ بالا علما کی مساعی سے بہت سی مساجد کی بنیاد رکھی گئی اور ان مساجد میں تربیت یافتہ علما کو امام مقرر کیا گیا۔ ان ائمہ مساجد کے ذمے پنجگانہ نماز کی امامت کے علاوہ ترجمہ قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس بھی تھی۔

شرعی نظام کے قیام کے پیش نظر بیت المال قائم کیا گیا اور کتاب و سنت کی تبلیغ کے ساتھ جہاد کی تبلیغ بھی کی جانے لگی۔ خلفا کا ایک سلسلہ بھی قائم کیا گیا اور ان خلفا کے ذریعے بیت المال میں جمع شدہ رقوم شمال مغربی صوبہ سرحد میں مجاہدین کی امداد کے لیے روانہ کی جانے لگی۔

اہل حدیث جماعت نے دس ہزار کے صرف سے ستری گنج مسجد' کلکتہ میں ایک مطبع قائم کر کے دینی کتب بالخصوص تصانیف شاہ ولی اللہؒ' شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کا

Marfat.com

اردو ترجمہ قرآن پاک، مولانا اسماعیل شہید کی تقویۃ الایمان، مولانا ولایت علی کی کتاب عمل بالحدیث، مولانا بدیع الزمان کی کتاب تقویۃ المسلمین وغیرہ شائع کیں۔

مولانا ولایت علیؒ اور عنایت علیؒ کے بعد کتاب و سنت کی تبلیغ و اشاعت کا کام شیخ الحدیث سید نذیر حسین دہلویؒ کے بے شمار شاگردوں کے ذریعہ جاری رہا۔ حضرت میاں صاحب کے ہر شاگرد رشید نے کتاب و سنت کے غلغلے بلند کیے۔ ہزاروں لوگ اہل حدیث مسلک سے وابستہ ہونے لگے اور تحریک اہل حدیث نے بنگال میں ایک عوامی شکل اختیار کر لی۔

۱۹۰۵ء میں مولانا محمد اکرم نے بنگالی زبان میں ہفت روزہ "محمدی" جاری کیا۔ مگر چند برس بعد یہ تبلیغی ہفت روزہ سیاسی اخبار بن گیا۔

۱۹۱۰ء میں انجمن اہل حدیث بنگال و آسام کا قیام عمل میں آیا اور مولانا بابر علی کی زیر ادارت ماہنامہ "اہل حدیث" بنگالی زبان میں جاری کیا گیا۔ دس برس کے بعد یہ ماہنامہ ہفت روزہ میں تبدیل کر دیا گیا اور پندرہ برس تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔

اس کے علاوہ ایک اردو زبان میں اہل حدیث جاری کیا گیا۔ جو زیادہ عرصے تک نہ چل سکا۔

مولانا نعمت اللہ، مولانا عبدالرحیم، مولانا عبداللطیف اور مولانا عباس علی ایسے اکابر اہل حدیث علما نے زبان و قلم سے کتاب و سنت کی خوب تبلیغ و اشاعت کی۔

مولانا عباس علی نے قرآن مجید کا بنگالی ترجمہ شائع کیا۔

مسلمانوں کے قلم سے یہ پہلا بنگالی ترجمہ تھا جسے انجمن اہل حدیث نے شائع کیا۔

مولانا عبداللہ الکافی نے ۱۹۲۴ء میں "سیتا گری" کے نام سے اخبار جاری کیا۔ مولانا موصوف بڑے بلند پایہ اور محقق عالم دین تھے۔ ان کی قیادت میں بنگال کے مختلف مقامات پر بہت سے جلسے منعقد ہوئے اور آخر کار ۱۹۴۶ء حارا گچھ (Hasragach) (رنگپور) میں ایک بڑی کانفرنس کا انعقاد ہوا، جس میں کل بنگال و آسام اہل حدیث جمعیت کا وجود عمل میں لایا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد اس کا نام "جمعیت اہل حدیث مشرقی پاکستان" رکھا گیا۔ اس

Marfat.com

جمعیت نے مشرقی بنگال میں ستر لاکھ اہل حدیث افراد کو جماعتی تنظیم میں منسلک کر لیا گیا۔ جمعیت کا ایک ہفت روزہ "عرفات" کے نام سے شائع ہوتا تھا اور ایک ماہ نامہ ترجمان الحدیث کے نام سے۔ دونوں اخبار اپنی باقاعدہ اشاعت اور معیار کے لحاظ سے بنگالی اخبارات و رسائل میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ جمعیت کا اپنا شاندار مطبع ہے اور قیام پاکستان سے لے کر اب تک جمعیت چھوٹی بڑی پچاس کتابیں شائع کر چکی ہے۔ جمعیت کی مطبوعات بنگالی زبان اور ادب میں بڑی معیاری تصور کی جاتی ہیں جس کا اعتراف بنگالی اکادمی نے بھی کیا ہے۔

بنگلہ دیش (سابق مشرقی بنگال) کی جماعت نے ڈھاکہ میں ایک عظیم الشان دارالعلوم قائم کر رکھا ہے جہاں دینی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

مشرقی بنگال کی جماعت خالص ایک دینی تبلیغی جماعت ہے۔ سیاسیات میں براہ راست حصہ نہیں لیتی، لیکن پاکستان کو اسلامی جمہوریت دیکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتی رہی ہے۔

مغربی بنگال میں بھی جماعت اہل حدیث تبلیغی اور دینی تبلیغ میں انہی خطوط پر کام کر رہی ہے۔ جن خطوط پر مشرقی بنگال میں کیا جا رہا ہے۔

OOO

Marfat.com

علامۃ الدہر نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ

نواب صدیق حسن خان قنوجی، جن کا نام سید ابوالطیب، لقب نواب اور امیر الملک تھا اور جو اردو، عربی اور فارسی کے نامور ادیب، دو سو بائیس کتابوں کے مصنف اور علم و فضل کے اعتبار سے بین الاقوامی شہرت رکھتے تھے۔

وہ حسینی سادات کے چشم و چراغ، تینتیس واسطوں سے سلسلۂ نسب جناب سید البشر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ وہ ۱۹ جمادی الاولی ۱۲۴۸ھ / ۱۴ اکتوبر ۱۸۳۲ء کو بمقام بریلی (یو پی ہند) میں پیدا ہوئے۔ پانچ برس کی عمر میں والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ نواب صدیق حسن خان کے والد سید نواب اولاد حسن نے دیگر اساتذہ کے علاوہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے اکتساب علم کیا اور سید احمد بریلویؒ کی بیعت کی۔ دادا سید نواب اولاد علی تھے جو ریاست حیدر آباد دکن کی جاگیرداری کے علاوہ انور جنگ بہادر کے خطاب سے سرفراز ہوئے تھے۔

چودھویں پشت میں نواب صدیق حسن خاں کا سلسلۂ نسب سید جلال الدین بخاری المعروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ سے جا ملتا ہے۔ مخدوم جہانیاںؒ کے دادا سید جلال گل سرخ سنہ ۶۵۳ھ / ۱۲۵۵ء میں بخارا سے ہندوستان آئے تھے۔

ابتدائی تعلیم اپنے محلّہ کے مکتب سے حاصل کرنے کے بعد فرخ آباد چلے گئے۔ وہاں مختلف اساتذہ سے کافیہ، شرح جامی، قطبی، میر قطبی، افق المبین، در مختار، مشکوۃ المصابیح ایسی متداول درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر کانپور جا کر ملا محمد مراد بخاری اور مولوی محمد محب اللہ پانی پتیؒ سے تحصیل علم کی۔ ۱۲۶۹ھ میں کانپور سے دہلی پہنچے اور صدر الافاضل مفتی صدر الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر تقریباً پونے دو برس تک کتب منقولہ و معقولہ پڑھ کر کسب فیض کیا۔ مفتی صاحب موصوف نے اپنے شاگرد کی سند میں تحریر

Marfat.com

فرمایا:

"مولوی صدیق حسن صاحب قنوجی ذہن سلیم و قوت حافظہ و فہم درست و مناسبت تام با کتاب و مطالعہ صحیح و استعداد تمام دارند' جملہ کتب معقول رسمیہ از منطق و حکمت و از علم دین بخاری و چیزے از تفسیر بیضاوی و معاملات ہدایہ و فقہ و اصول فقہ و عقائد و ادب از فقیر اکتساب نمودند و مستعدانہ فہمیدہ خواندند' و باوجود بسعادت و رشد و اصلاح و نیک نہادی و صفائی طینت و غیرت و اہلیت و شرم و حیا در اقران و اماثل خود ممتاز اند۔"

اسی طرح حدیث و اجازہ حدیث کے لیے بھی جلیل القدر علمائے حدیث کی طرف رجوع کیا۔ "اکیس برس کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہو کر قنوج واپس پہنچے۔ گھر میں معاشی حالات بڑے غیر تسلی بخش تھے۔ تلاش معاش کے سلسلے میں بھوپال پہنچے۔ مولانا علی عباس چڑیا کوٹی کی مساعی سے ملازمت مل گئی۔ کچھ مدت بعد میر دبیر کے عہدے پر تقرر ہو گیا' لیکن ایک سال بعد بوجوہ ملازمت سے الگ ہونا پڑا۔ معزولی کے بعد پھر قنوج چلے آئے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے باعث اور بھی زیادہ مفلوک الحال ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے لیے ٹونک میں ملازمت کر لی۔ بالآخر ۱۲۷۶ھ میں پھر بھوپال کی ملازمت میں منسلک ہو گئے۔ مدار المہام محمد جمال الدین خان کی صاحبزادی سے نکاح ہو گیا۔ اسی اثنا میں نواب شاہجہان بیگم نے ریاست بھوپال کی زمام اختیار ہاتھ میں لی۔ موصوفہ بیوہ ہو چکی تھیں اور نواب صدیق خاں کی قابلیت و دیانت سے بڑی متاثر تھیں۔ چنانچہ موصوفہ نے ان سے نکاح کر کے انہیں ریاست کے نظم و نسق میں شریک کر لیا۔

اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نواب صدیق حسن خاں نے عربی اور اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت میں بڑی گرمجوشی کا اظہار کیا۔ ایک طرف لاکھوں روپے خرچ کر کے تفسیر و حدیث کی نایاب کتابیں شائع کیں اور اقصائے عالم کے کتب خانوں اور علما کو مفت مہیا کیں۔ ان کتابوں میں تفسیر ابن کثیر' فتح الباری شرح صحیح بخاری' اور امام

Marfat.com

شوکانی کی نیل الاوطار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دوسری طرف بلند پایہ کتابیں خود تصنیف کیں۔ علاوہ ازیں علمائے دین و مدارس اسلامیہ کی سرپرستی کر کے دینی علوم کو آگے بڑھانے میں نمایاں حصہ لیا۔

نواب صدیق حسن خاں کی تصانیف کی مضمون وار تفصیل حسب ذیل ہے:

تفسیر و متعلقات تفسیر پر چھ کتابیں' حدیث اور متعلقات حدیث پر ۴۳' عقائد اور اس کے متعلقات پر تیس کتابیں' فقہ اور متعلقات فقہ پر تیئس' اتباع سنت پر گیارہ' اصول سیاست و حکمرانی پر چھ' تاریخ و سیر پر بائیس' علوم و ادبیات پر بائیس' اخلاقیات پر ۳۸' تصوف پر سترہ' مناقب و فضائل پر تیرہ' ان میں سے عربی زبان میں تقریباً پچپن' فارسی میں پچیس اور اردو میں سو سے زائد۔

قرآن مجید کی ایک تفسیر عربی زبان میں لکھی جس کا نام فتح البیان فی مقاصد القرآن ہے۔ یہ کتاب سات جلدوں میں کئی بار چھپ چکی ہے۔ مصنف نے اس تفسیر میں سلفی انداز میں قرآن فہمی کے لیے بڑی مفید کوشش کی ہے اور بیشتر قدیم مستند تفسیروں کا ماحصل محفوظ کر دیا ہے۔ یہ تفسیر علمی اور تفسیری اعتبار سے بڑی جامع اور مستند تصور کی جاتی ہے۔ عالم عرب کے علمائے دین بھی اس کی تفسیر بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مصنف نے اردو دان حضرات میں قرآن فہمی کا شوق پیدا کرنے کے لیے ایک ضخیم اور پر از معلومات تفسیر اردو زبان میں لکھی اور اس کا نام ترجمان القرآن رکھا۔

اصول تفسیر پر اسی زبان میں ایک عمدہ اور جامع کتاب اکسیر فی اصول التفسیر تصنیف کی۔ اس کتاب میں قدیم تفسیروں اور مفسروں پر بھی بحث کی ہے۔

کتب حدیث کے تراجم اور شروح پر بھی کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں عون الباری لحل ادلۃ البخاری (۲ جلدیں)' السراج الوہاج فی شرح مختصر الصحیح لمسلم بن الحجاج (۲ جلدیں)' فتح العلام بشرح بلوغ المرام (تینوں کتابیں عربی میں) اور بلوغ المرام کی ایک ضخیم اور مدلل شرح (فارسی میں) مسک الختام کے نام سے لکھی۔ صحاح ستہ کے احوال و کوائف پر ایک کتاب زبان عربی الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ تصنیف کی۔

فقہ حدیث پر فتح المغیث بفقہ الحدیث لکھی اور مصطلحات حدیث پر منہج الوصول الی اصلاح حدیث الرسول تصنیف کی۔

فقہ اور عقائد پر بہت سی کتابیں اردو' فارسی اور عربی میں تحریر کیں۔ عدلیہ اور قاضی کی اہمیت بڑی واضح اور اہم ہے۔ قاضی کے فرائض و واجبات اور آداب وغیرہ پر ایک عربی زبان میں کتاب بعنوان ظفراللاضی بما یجب فی القضا علی القاضی تصنیف کی۔

اصول سیاست و حکمرانی پر دو کتابیں (بزبان اردو) خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

(۱)حسن المساعی الی اصلاح الرعیۃ والراعی؛ (۲)فلاح البرایا فی اصلاح الراعی و الرعایا۔ سیرو تراجم کے سلسلے میں بھی نواب صدیق حسن خاں کی چند کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱)اتحاف النبلاء المتقین باحیاء ماثر الفقہاء والمحدثین (فارسی)؛ (۲)اختصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار (فارسی)؛ (۳)التاج المکلل (عربی)؛ (۴)ریاض الجنہ فی تراجم اہل السنہ (عربی)۔

نواب صدیق حسن خان نے ایک بڑی عمدہ کتاب عربی لغت نویسی کی تاریخ و ارتقا کے موضوع پر عربی زبان میں بعنوان البلغہ الی اصول اللغہ لکھی۔ علاوہ ازیں لسانیات پر ان کی دو کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں: العلم الخفاق من علم الاشتقاق اور لف القماط علی بعض ما استعملہ العامہ عن المعرب و الدخیل والاغلاط مصنف موصوف نے دائرہ معارف کے طرز کی کتابیں بھی تصنیف کیں' مثلاً" ابجد العلوم تکمیل العیون بتعاریف العلوم والفنون اور السحاب الرکوم فی بیان انواع الفنون والعلوم (تینوں عربی میں)۔

مختصر یہ کہ نواب صدیق حسن خاں نے علم و ادب کی بھرپور خدمت کی۔ (اسلامی اور عربی تمام تصانیف کے ناموں کے لیے دیکھیے ماثر صدیقی اور تراجم العلمائے حدیث ہند)۔

(۵)علوم کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس پر مصنف کی یادگار نوعیت کی تصانیف موجود نہ ہوں۔ موصوف نے ایک عظیم الشان خانہ بھی قائم کیا۔ جس کا ایک حصہ ان کی وفات

کے بعد ندوۃ العلما لکھنؤ میں منتقل کر دیا گیا۔

ان کی اولاد میں دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ ایک بیٹا یعنی نواب علی حسن خان (م ۱۳۴۶ھ) علم و ادب سے مزین' فارسی اردو کا شاعر اور صاحب تصنیف تھا۔ ان تصانیف میں مآثر صدیقی (چار جلدیں) خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن میں نواب صدیق حسن خاں کے حالات زندگی اور علمی کارناموں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں کی مساعی جمیلہ کے باعث اس برصغیر میں علوم دینیہ کا احیا ہوا اور مذہبی حلقوں میں چہل پہل پیدا ہوئی۔

○○○

مولانا ابُوالوفا ثناءُاللہ امرتسری

یہ کتنی بڑی خوش نصیبی اور سعادت ہے کہ راقم الحروف کو بچپن ہی سے شیخ الاسلام حضرت مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری کی زیارت کا شرف حاصل رہا ہے۔ مولانا موصوف جب کبھی لاہور تشریف لاتے تو ہمارے غریب خانے پر قیام فرماتے اور یہ اعزاز و شرف قیام صرف مولانا کی ذات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ملک بھر کے اہل حدیث علما جب بھی لاہور آتے تو اپنے قیام کا شرف ہمیں بخشتے۔ مرحوم والد صاحب الحاج منشی فضل الدین علمائے کرام کی خدمت اور مہمان نوازی کو اپنے سارے خاندان کے لیے باعث عزت و سعادت سمجھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری اور دیگر متعدد علماے کرام نیز حاجی علی جان دہلوی کے خاندان کے حاجی عبدالغفار دہلوی' حاجی عبدالستار دہلوی جیسے موقر اور وجیہ اکابر جماعت بے تکلف اکثر و بیشتر آتے جاتے رہتے تھے اور غریب خانے کو اپنا گھر سمجھتے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ والد صاحب احباب و بزرگان دین کی خدمت میں بخوشی خاصا وقت صرف کرتے اور دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ انجمن اہل حدیث لاہور اور پنجاب کے دفاتر بھی ہمارے ہی غریب خانے میں قائم کئے گئے تھے۔ علاوہ ازیں چند کرم فرما احباب از راہ محبت بعض سرکردہ اور نامور بزرگوں کو تعارفی خط دے کر لاہور بھیج دیتے۔ انہیں بزرگوں میں روس کے نامور عالم دین اور محقق موسیٰ جار اللہ بھی تھے جنہیں بنارس کے مشہور و معروف محقق و ادیب مولانا عبدالمجید امرتسری نے راقم الحروف کے نام تعارفی خط دے کر لاہور بھیجا تھا۔ حضرت مولانا مرحوم کا عمر بھر یہ وطیرہ رہا کہ جب کبھی لاہور تشریف لاتے تو غریب خانے کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے ضرور نوازتے تھے۔ میرے لیے یہ بات بھی باعث سعادت و افتخار ہے کہ لاہور میں ان کا آخری قیام بھی غریب خانے پر ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا

Marfat.com

مستقل رہائش کے لیے سرگودھا جانے کی غرض سے گوجرانوالہ سے ایک روز لاہور پہنچ گئے اور ایک دن اور ایک رات غریب خانے پر قیام فرمایا اور حسب معمول مولانا مرحوم جماعتی امور پر گفتگو فرماتے رہے۔

لاہور میں نشتر (برانڈرتھ) روڈ پر کراؤن ہوٹل کی جگہ کراؤن بس سروس کا اڈہ تھا اور یہاں سے بس سرگودھا جایا کرتی تھی۔ حضرت مولانا صبح سویرے بس میں سوار ہو کر سرگودھا روانہ ہوئے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ اسلامی اور عربی علوم میں ایک بحر ناپید کنار تھے۔ تفسیر' حدیث اور فقہ پر بڑا عبور تھا۔ فروعی اور فقہی مسائل میں بھی ید طولی رکھتے تھے۔ مذاہب عالم پر بھی گہری نظر تھی۔

وسعت نظر کے ساتھ اللہ تعالی نے قوت حافظہ ایسی اچھی عطا کی تھی کہ ہر نوع کے احکام و مسائل اور ہر قسم کے مباحث و مضامین خوب مستحضر تھے۔ عربی' فارسی اور اردو کے ہزارہا اشعار یاد تھے اور اپنے خطبات و مواعظ اور تقریر و تحریر میں بر محل اور برجستہ اشعار کلام میں جادو کی تاثیر پیدا کر دیتے۔

فلسفیانہ مزاج اور متکلمانہ ذہن کے باوجود تقریر و تحریر میں بڑی سادگی اور سلاست تھی۔ گفتگو بڑی مدلل مگر مختصر ہوتی۔

موصوف بڑی باوجاہت اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالی نے علم و فضل کی وسعت کے ساتھ رعب و جلال اور حسن و جمال سے بھی نوازا تھا۔ خوش قامت' خوش شکل' خوش اطوار اور خوش اخلاق بھی بدرجہ غایت تھے۔ سرخ و سپید رنگ' دیدہ زیب چہرہ اور اس پر خوب سجی ہوئی داڑھی۔ خوش بیان اور شگفتہ مزاج عالم دین اور اپنے عہد کے کامیاب ترین مناظر اور متکلم تھے۔ ان تھک لکھنے پڑھنے والے مولوی' مصنف اور صحافی۔ آپ بڑی ملنسار' ہنس مکھ' ہمدرد اور وسیع القلب شخصیت تھے۔

انگریزوں نے برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کی سلطنت چھین لینے کے بعد یہ

Marfat.com

سفارش کی کہ اس عالمگیر ملت کے ماننے والوں کو اسلام و ایمان کی دولت سے بھی محروم کر دیا جائے۔اس ناپاک مقصد کے حصول کے لیے انگریز حکمرانوں نے کئی حربے استعمال کیے۔ ایک حربہ یہ تھا کہ ملک بھر میں عیسائی مشنریوں کو پھیلایا گیا اور پادری عیسائیت کے پرچار کے لیے ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔ مگر انگریز نے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے سلسلے میں بڑا غلط اندازہ کیا۔ وہ یہ نہ سمجھ پایا کہ سلطنت کا زوال الگ چیز ہے اور ایمان اور دین کا زوال الگ چیز۔ سلطنت اور حکومت تو آنی جانی چیز ہے' مگر دولت ایمان و اسلام بڑی پائیدار' پختہ اور لازوال شے ہے۔

بہرحال انگریز نے اپنی حکومت کے بل بوتے پر جگہ جگہ گرجے قائم کیے۔ سکول اور ہسپتال بنا کر غریبوں اور بیماروں کے ایمان کو لوٹنا چاہا۔ اسی پر بس نہیں کیا مختلف طریقوں سے مسلمانوں کے اندر رخنے ڈالنے کی بے حد کوشش کی گئی۔ کہیں فتنۂ انکار حدیث کے رنگ میں مسلمانوں کو بہکانے لگے اور کہیں نبوت کے جھوٹے دعویدار اور مسیح موعود ہونے کے مدعی کھڑے کر دیئے۔ حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ نے ہر محاذ پر مخالفین اسلام کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سچ تو یہ ہے کہ دین اسلام کی مدافعت اور حفاظت کا حق ادا کر دیا۔

انگریزوں کی دیدہ دلیری دیکھ کر ہندو نے بھی انگڑائی لی اور ہندو دھرم کا پرچار شروع کر دیا۔ شدھی کی تحریک چلائی' سنگھٹن کا نعرہ بلند کیا اور مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے لگے۔ ایک طرف عیسائیت کے گھناؤنے ارادے تھے اور دوسری طرف ہندو کے ناپاک عزائم کہ مسلمانوں کو دین اسلام سے منحرف اور بدظن کر کے اپنے اپنے مذاہب اور دھرم میں شامل کر لیا جائے۔ مولانا موصوف نے تحریر کا جواب تحریر سے دیا۔ تقریر کا مقابلہ تقریر سے کیا اور میدان مناظرہ میں سب کو للکارا اور دلائل و براہین سے سب کے منہ بند کر دیے۔

حضرت مولانا موصوف نے تبلیغ دین اور مدافعت اسلام کے لیے حقیقی معنوں میں زندگی وقف کر رکھی تھی بڑے چاق و چوبند اور مستعد و برق رفتار تھے۔ برعظیم کے

گوشے گوشے میں پہنچے۔ جہاں کہیں اسلام کے خلاف آواز بلند ہوئی فوراً وہاں پہنچ کر اسلام کا پیغام سنایا۔ کلکتہ سے مدراس تک اور پشاور سے حیدر آباد دکن تک آپ کی ترک و تاز رہتی۔

اتنے مستعد انسان تھے کہ جب تک کسی معترض کے اعتراضات کا شافی جواب لکھ کر شائع نہ کر لیتے چین سے نہ بیٹھتے تھے۔

حاضر جوابی اور مستعدی کے ساتھ بیباک' بے خوف اور نڈر اتنے کہ بڑے سے بڑے آدمی کے سامنے بھی بات کہنے سے نہ گھبراتے تھے۔ آپ کی جرأت اور بے باکی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ مولانا ابوالوفاء کی ایمانی قوت اور استدلال کی جرات دربار رامپور میں دیکھنے کے قابل تھی۔ نواب صاحب رامپور اور ان کے معتمد علیہ شیعہ علما کے سوالات کے جوابات جس بے باکی اور جرأت سے مولانا ثناء اللہ نے دیے وہ انہیں کا حصہ تھا۔ مولانا میر سیالکوٹی کہتے تھے کہ میں خود ڈر گیا تھا کہ ایسے نازک مسائل کا جواب اس شیعہ ماحول اور شیعہ نواب کے دربار میں کیوں کر بن پڑے گا' مگر اللہ تعالیٰ نے مولانا ثناء اللہ کی زبان پر اس طرح حق جاری کر دیا کہ سب مخالف خاموش ہو گئے۔ میں اس دن مولانا کے علم و فضل' حق گوئی' بے باکی اور قوت ایمانی کا قائل ہو گیا۔

مولانا کے تمام معاصرین ان کے علم و فضل کے قائل اور قدردان تھے۔ ندوۃ العلما کی علمی محفلیں یا جمعیت العلما ہند کے اجلاس ہر جگہ مولانا کی بڑی عزت و تکریم اور قدر و منزلت تھی۔

موجودہ سیاسی تحریکات سے پہلے جب شہروں میں اسلامی انجمنیں قائم تھیں اور مسلمانوں اور قادیانوں' آریوں' عیسائیوں میں مناظرے ہوا کرتے تھے تو مرحوم مسلمانوں کی طرف سے عموماً" نمائندے ہوتے تھے اور اس سلسلے میں وہ ہمالیہ سے لے کر خلیج بنگال تک رواں اور دواں رہتے تھے۔

"اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا' اس کے

Marfat.com

حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کردی۔

"مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے۔ زبان و قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی ہوتے۔ اللہ تعالی اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطا فرمائے۔"

مولانا فضل الرحمٰن ہمارے شکریے کے مستحق ہیں، کہ انہوں نے ان صفات حمیدہ اور خصائل عالیہ کے حامل انسان کے اخلاق و کردار اور علمی و دینی اور تبلیغی کارناموں سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لیے یہ کتاب مرتب فرمائی ہے۔ مؤلف کتاب نے جس محنت و محبت اور لگن و دلسوزی سے معلومات فراہم کی ہیں کوئی قاری اس کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مولانا ثناء اللہ ایک مثالی عالم دین ہیں جن کی ذات میں بے شمار خوبیاں اور محاسن جمع ہو گئے ہیں۔ ایسے علما کے حالات و سوانح نئی پود کے لیے سرمایہ حیات اور چراغ راہ بھی ہیں۔

حضرت مولانا نصف صدی سے زائد عرصے تک اس برصغیر کی دینی، مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے مزاج اور عوامل و محرکات سے آگاہ رہے۔ اس طویل عہد کی ثقافتی، ملی اور وطنی سرگرمیوں پر ان کی گہری نظر تھی۔ ایسے باکمال انسان کے حالات کا مطالعہ کرنے سے قاری کو اس عہد کے حالات اور مسائل سمجھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے اور سمجھدار اور ذہین قاری بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ ہمارے مصلحین اور علمائے کرام کو دین اسلام کی تبلیغ اور حفاظت و مدافعت میں کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور یہ بزرگ کس خوش اسلوبی سے حصول مقصد میں کامیاب ہوئے۔

تمام اسلام دوست حضرات کو بالعموم اور نوجوان نسل کو بالخصوص ایسے تاریخ ساز انسانوں کے حالات اور کارناموں کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

(دیباچہ کتاب: مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری)

Marfat.com

مولانا بخش ندوی

آپ بنگال کے ضلع مرشد آباد میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں اپنے گاؤں کے مکتب میں پڑھتے رہے۔ پھر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خاطر لکھنؤ پہنچے۔ وہاں کے ندوۃ العلما سے فارغ ہو کر وطن مالوف کو واپس لوٹے۔ اور پیلڈانگا شہر میں ایک معیاری درس گاہ کی بنیاد ڈال کر اس میں تدریسی کام سرانجام دیتے رہے۔ تقسیم بنگال کے بعد آپ نے مشرقی پاکستان میں ہجرت کی۔ آپ بہت بلند پایہ عالم ہیں۔ فارسی میں بڑا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ جلسوں اور کانفرسوں میں اکثر وہ اپنے تحریر کردہ افتتاحی شعر پڑھ کر سناتے ہیں۔ بنگال کی اکثر و بیشتر کانفرنسوں میں مولانا محمد صاحب جونا گڑھی اور مولانا ابو القاسم صاحب بنارسی شرکت فرمایا کرتے تھے۔ یہ دونوں حضرات بنگلہ زبان سے آشنا تھے۔

مولانا ابو القاسم صاحب تو اس لئے کہ بنارس بنگال سے بالکل قریب ہے اور مولانا جونا گڑھی صاحب اس وجہ سے کہ ان کی بیوی بنگالن تھی۔ وہ بنگال کے قدرتی مناظر اور اس کی ہریالی کو بہت پسند کرتے تھے۔ چنانچہ جب کبھی وہ کسی جلسہ جلوس کے موقع پر بنگال جایا کرتے تھے تو اپنے سسرال میں ایک مدت گزار دیتے تھے۔ جو ٹوٹی پھوٹی بنگالی بولتے تھے تو اس پر طلبہ ہنستے تھے۔ وہ شکار کے بڑے دلداہ تھے۔ سابق انڈیا کے صوبوں سے بنگال میں جماعت اہل حدیث کی سب سے زیادہ کثرت تھی۔ مولانا عبداللہ الکافی صاحب اس جماعت کے وہ سرگرم کارکن تھے جنھوں نے اپنا خون جگر دے کر اس کی آبیاری کی تھی' مگر ان کی وفات حسرت آیات کے بعد پھر وہی جہالت اور تاریکی کا دور دورہ ہے۔ فی الحال اس جماعت کے دو پرچے نظر آ رہے ہیں جو اس کے داعی اور نقیب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک ماہنامہ "ترجمان الحدیث" اور دوسرا ہفتہ روزہ "عرفات"۔ ان دونوں کے مالک اور ناشر ڈاکٹر

Marfat.com

محمد عبدالباری (پی۔ ایچ۔ ڈی لندن) ہیں۔ مدرسۃ الحدیث کے نام سے جماعت کا قائم کردہ ایک مدرسہ بھی ہے جو صدر مقام ڈھاکہ میں بڑے شاندار طریقے سے چل رہا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اور بہت سے مدارس موجود ہیں۔ ڈاکٹر عبدالباری صاحب' مولانا کافی صاحب کے بھتیجے اور خلف الرشید ہیں۔ لندن جا کر "انقلاب وہابس" کے متعلق ریسرچ کر چکے ہیں۔ ان سطور کی تحریر کے وقت وہ راجشاہی یونیورسٹی میں صدر شعبہ تاریخ تھے۔

OOO

Marfat.com

مولانا عبدالرّحیم محمّدی

آپ بنگال (موجودہ بنگلہ دیش) کے مشہور بیر بھوم کے ایک "آمبھوھا" نامی گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ بچپن میں اپنے گاؤں میں ہی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر مزید تعلیم کا شوق انہیں کشاں کشاں دہلی لے گیا۔ پھاٹک جش خان کی مسجد میں مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث کے پاس پڑھتے رہے۔ پھر وہاں سے مشرقی پنجاب کی مشہور ترین درس گاہ "مرکز الاسلام" لکھو کے (ضلع فیروزپور) میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ حصول تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے وطن واپس لوٹے اور تدریسی خدمات میں اپنے آپ کو مکمل طور پر وقف کر دیا۔ جماعت اہلحدیث کی تعداد چونکہ بنگال میں سب سے زیادہ ہے اس لیے وہاں چھوٹی چھوٹی درس گاہوں کی بڑی بہتات و فراوانی ہے۔ مولانا موصوف پہلے تو مختلف درس گاہوں میں پڑھاتے رہے پھر بذات خود ایک نئی درسگاہ کی داغ بیل ڈالی۔ مختلف مقامات سے مدرس منگوائے اور تا زندگی اسی مدرسہ کے مہتمم رہے۔ بنگلہ زبان میں آپ کی تصنیفات بہت ہیں۔ جو آپ کے جیتے جی چھپ چکی تھیں اور بڑی مقبولیت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان کی کتابیں نظم و نثر دونوں میں ہیں' جن میں وہ اپنی جماعت کو خواب غفلت سے جھنجھوڑ کر بیدار کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں۔ موصوف کو اردو زبان سے اتنا لگاؤ تھا کہ باوجود بنگال میں رہنے کے اور بنگالی ہونے کے عموماً اردو بولا کرتے تھے۔ فتاویٰ' فرائض اور دینی مسائل وغیرہ کے لیے ہمیشہ ان کے پاس لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ قرب و جوار بلکہ دور دور تک کے لوگوں کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ جماعت اہلحدیث انہیں بمنزلہ پیر و مرشد کے سمجھتی تھی۔ موصوف کے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری' مولانا ابو القاسم بنارسی' مولانا عبدالمجید صاحب سوہدروی' مولانا داؤد صاحب غزنوی وغیرہ

Marfat.com

سے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ جماعت اہلحدیث کے تمام ماہناموں اور ہفت روزوں کے وہ بیک وقت خریدار تھے۔ مولانا محمد صاحب میمن جوناگڑھی سے ان کے تعلقات تو اس قدر گہرے تھے کہ آخر میں جاکر دونوں کے مابین رشتہ مصاہرت قائم ہوگیا۔ جب الاعتصام کے پرچے میں مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کی شہادت کی جانکاہ خبر آئی تو آپ کے رنج و غم کا یہ عالم تھا کہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگ پڑے تھے۔ جماعت مجاہدین کے ساتھ ان کا گہرا تعلق تھا۔ موصوف نے بڑی لمبی عمر پائی۔ طویل علالت کے بعد۔ ۱۹۶۰ء میں جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ اس وقت ان کی عمر سو سال کے لگ بھگ تھی۔ آپ بڑے مالدار تھے۔ بیک وقت چار بیویاں تھیں۔ اس لیے کثیر اولاد چھوڑ گئے۔

○○○

مولانا عبد اللہ ندوی

آپ سابق بنگال کے مشہور ضلع بردوان کے ایک گاؤں نور پور نامی میں پیدا ہوئے۔ آپ مولانا عبدالرحیم صاحب مذکور کے بڑے داماد اور راقم الحروف کے خالو لگتے ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بلا کا ذہن عطا فرمایا۔ چنانچہ ابتدا سے لے کر چار سال کی مدت میں ندوۃ العلما لکھنؤ سے فارغ التحصیل ہونے کی سند حاصل کی۔ آخری امتحان میں فرسٹ آئے تھے اور غالباً گولڈ میڈل بھی ملا تھا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سب سے پہلی تقرری ان کی دہلی کے مدرسہ رحمانیہ میں ہوئی تھی۔ ان دنوں یہ برصغیر کی مشہور ترین درس گاہ تھی۔ آپ اس میں شیخ الادبا کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ انہی دنوں سے آپ کی شہرت کا عام چرچا ہو گیا تھا۔ عربی ادب میں آپ کو اس قدر مہارت ہے کہ برجستہ قصیدے کہتے ہیں۔ مدرسۂ رحمانیہ کے بعد آپ کی تقرری مدرسہ عالیہ کلکتہ میں ہوئی تھی، جو انگریز گورنمنٹ کی قائم کردہ ایک مشہور و معروف درس گاہ ہے۔

موصوف کے بہت سے قصائد تھے۔ ان قصیدوں کو اگر یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم دیوان بن سکتا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد مولانا موصوف ڈھاکہ تشریف لے گئے۔ جماعت اہل حدیث کے آپ ان سرگرم کارکنوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے خون جگر سے اس کی آبیاری کی تھی۔ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد میں رقوم جماعت مجاہدین کے نام ارسال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حیات میں برکت عطا کرے اور جماعت کو ان کی ذات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ سادگی آپ کی زندگی کا ایک جزو ہے۔ جہاد کا نام سن کر فوراً جوش میں آ جاتے۔ مولانا عبد اللہ الکافی صاحب کے قائم کردہ مدرسہ اہلحدیث میں صدر مدرس کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ الارشاد جدید کراچی میں آپ کے

Marfat.com

مضامین شائع ہوتے ہیں جو معلومات سے پر اور معارف سے لبریز ہیں۔ آپ نے مختلف فنون میں کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کی سب سے مشہور تصنیف جماعت مجاہدین کے متعلق بنگلہ زبان میں ہے۔ بنگلہ اردو اور عربی و فارسی زبان میں آپ کو یکساں طور پر دست گاہ حاصل ہے۔

○○○

Marfat.com

مولانا محی الدین خان سلفی

آپ مشرقی بنگال کے ضلع مومن شاہی کے قصبہ ولدار تحصیل ننگائیل کی اہلحدیث جماعت کے یکتا و بے مثال عالم ہیں۔ آپ ابتدائی تعلیم حابلہ نامی دیہاتی مدرسہ میں حاصل کرتے رہے۔ آپ کی یادداشت بلا کی تھی۔ آپ کا کہنا ہے کہ کسی عبارت کو وہ ایک یا دو دفعہ دیکھ لیں تو انہیں ازبر ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر تھوڑے عرصے میں کامیاب ہوئے۔ تب انہیں ڈھاکہ کے "مدرسہ الحسینیہ" میں جو کہ حاجی محمد محسن کلدرسہ تھا ، بھیج دیا گیا۔ وہاں سے آپ قلیل المدت میں فارغ التحصیل ہوئے۔

آپ طالب علمی کے زمانے میں حنفی المذہب تھے' مگر فارغ التحصیل ہونے کے بعد اہلحدیث ہو کر قوم کے سامنے پیش ہوئے۔ اس زمانے میں آپکو بارہا مصائب و آلام سے دو چار ہونا پڑا۔ وہ انتہائی زہد و تقویٰ اور خشونت پسند بزرگ تھے۔ وہ دین کے بارے میں اتنے سخت تھے کہ اگر تھوڑا سا بھی فرق دیکھتے تو سر دھڑ کی بازی لگا دیتے اور کسی کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اس زمیندار صاحب کا بھائی جس کی زمینداری میں یہ مدرسہ واقع تھا اور جس کا مذکورہ بھائی کلکتہ میں رہتا تھا' جو کہ اوباش اور شرابی قسم کا تھا' بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔ اس وقت موصوف مدرسہ میں پڑھا رہے تھے کہ اچانک ایک قاصد پروانہ لے کر پہنچا جس میں مرقوم تھا کہ جناب مولوی صاحب میرا بھائی فوت ہو گیا ہے' لہٰذا فلاں وقت تشریف لے آیئے اور جنازے کی نماز پڑھایئے۔ موصوف نے جواب میں لکھا کہ آپ کا برادر چونکہ بے نمازی اور شرابی تھا اس واسطے میں نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا' کیونکہ وہ مسلمان نہیں تھا اور غیر مسلم کا کوئی جنازہ نہیں۔ لہٰذا اس کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹ کر باہر پھینکیے۔ جب یہ جواب تمام درباریوں کے سامنے اسے سنایا گیا تو وہ جوش میں آگیا اور آپ کو بلانے کا حکم دیا۔ آپ دربار میں حاضر ہوئے۔ تو زمیندار نے اپنا مقصد بیان کیا' آپ نے مکرر وہی جواب دہرایا' جس پر زمیندار ناراض ہو

Marfat.com

گیا۔

آخر کار مولوی صاحب نے اس مدرسہ کی مدرسی سے ہاتھ دھونا منظور کر لیا' مگر اپنی بات پر پوری استقامت کا ثبوت دیا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ہزاروں کارنامے سر انجام دیے اور بہت سے مناظرے کیے' جن کے بیان کرنے سے ایک طویل سرگزشت بن جاتی ہے۔ اس لیے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ آپ اپنی زندگی میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی جماعت مجاہدین میں برطانوی حکومت کے زمانے سے لے کر پاکستان کے قیام کے بعد دس سال تک تقریباً" چالیس سال کی مدت تک سفیر رہے اور بڑی دیانت داری کے ساتھ اس جماعت کی خدمات انجام دیتے رہے۔

آپ عربی' اردو' فارسی اور بنگالی زبان میں اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ وہ جماعت اہلحدیث کے مشہور رہنماؤں میں سے ہیں۔

○○○

Marfat.com

مسجد مبارک کی تاسیس و تعمیر

انجمن اہل حدیث لاہور جماعت اہل حدیث کا ایک بہت قدیم دینی ادارہ ہے۔ اس کا آغاز دراصل ۱۳۱۹ھ (= ۱۹۰۱ء) میں ہوا۔ میرے نانا مرحوم مولوی سلطان احمد اور والد مرحوم منشی فضل الدین نے جماعت کے چند احباب کو جمع کیا۔ یہ پہلا اجتماع ہمارے مکان واقع اندرون موچی دروازہ میں ہوا۔ اس وقت جماعت کے افراد بہت کم تعداد میں تھے اور پھر مختلف علاقوں اور محلوں میں بکھرے ہوئے۔ جماعتی تنظیم اور باہمی ربط و تعاون اور میل جول کے پیش نظر یہ فیصلہ ہوا کہ جماعت کے احباب کا ایک حلقہ قائم کیا جائے۔ چنانچہ "حلقہ احباب اہل حدیث" کے نام سے ایک مجلس کا قیام عمل میں آیا اور اس کے پہلے صدر مرحوم مولوی سلطان احمد مقرر ہوئے۔ "احباب اہل حدیث" آپس میں ملتے جلتے رہے اور باہم جمع ہو کر جماعت کی تبلیغ و اشاعت اور توحید و سنت کی ترویج و تبلیغ کے لیے کوشش کرتے رہے۔ اس کے بعد ۱۳۲۶ھ (=۱۹۰۶ء) میں اس "حلقۂ احباب اہل حدیث" کا نام "مجلس اہل حدیث" قرار پایا۔ باوجود اس امر کے کہ مقامی جماعت مختصر سی تھی، لیکن شوق نظم و تنظیم احباب کو آگے بڑھنے پر آمادہ کرتا رہا۔ مجلس اہل حدیث کی سرپرستی پنجاب بھر کے علما کرتے رہے اور مجلس کی تبلیغی اور اجتماعی مساعی کو صوبے بھر سراہا جاتا رہا۔

آخر کار ۱۳۲۷ھ (=۱۹۰۹ء) میں ایک ایسا وقت آیا کہ جماعت اہل حدیث کے بہت سے نامور علمائے کرام سے مشورے حاصل کرنے کے بعد لاہور میں ہمارے ہی غریب خانے میں ایک یادگار اجتماع ہوا جس میں پنجاب بھر کے علمائے کرام اور قائدین جماعت نے شرکت فرمائی۔ یہ مبارک اجتماع ۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (= ۱۰ اپریل ۱۹۰۹ء) کو ہوا۔ اس میں مندرجہ ذیل حضرات کرام نے شرکت فرمائی:

Marfat.com

شیخ الحدیث حافظ عبدالمنان وزیر آبادی' مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی' مولانا غلام حسن سیالکوٹی' مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی' قاضی غلام قادر کیلیانوالہ' مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری' مولانا احمد اللہ امرتسری' مولانا عبدالاحد خانپوری' مولانا عبدالستار' مولانا عبدالجبار پسران حافظ عبدالمنان وزیر آبادی' مولانا محمد عبدالحق ملتانی' مولانا محمد علی بن مولانا عبدالرحمٰن لکھوی' مولانا عبدالوحید (موگا' فیروزپور)' مولانا شیر محمد (فیروز پور)' مولانا محمد حسین لکھوی' خان بہادر فضل الدین' خواجہ حبیب اللہ سوداگرشال امرتسری' حافظ قادر بخش شجاع آبادی' مولوی سلطان احمد لاہور' منشی فضل الدین لاہور' خلیفہ محمد حسین لاہور' خلیفہ معین الدین حافظ لاہور' حکیم محمد عمر موگا' مولوی عبدالرحیم تاجر کتب لاہور' حکیم غلام محمد لاہور اور مولوی عطاء اللہ ولد عبدالقادر لکھوی۔

ان بزرگان اہل حدیث کی بابرکت مجلس میں مجلس اہل حدیث کا نام تبدیل کرکے بالاتفاق انجمن اہل حدیث لاہور رکھا گیا۔

سب حاضرین نے اپنے اپنے دستخط ثبت فرمائے اور حسب توفیق ایک ایک یا دو دو روپے بھی بطور ابتدائی اتفاقیہ چندہ کے عطا کیے۔ شیخ الحدیث حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کی خواہش کے مطابق ان کی جگہ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے ان کا نام تحریر کیا۔ یہی حضرات انجمن اہل حدیث لاہور کے بنیادی ارکان قرار پائے۔

انجمن اہل حدیث لاہور کی پہلی مجلس منتظمہ مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل تھی جس نے سالہا سال تک خدمات انجام دیں۔

انجمن اہل حدیث لاہور کے بنیادی مقاصد اور اغراض مندرجہ ذیل قرار پائے:

۱۔ توحید و سنت کی اشاعت و تبلیغ

۲۔ قرآن و حدیث کی ترویج و تعلیم کے لیے دینی مدارس کا قیام۔

۳۔ مخالف اسلام مذاہب مثلاً آریہ سماج' ہندو دھرم اور عیسائی اور

Marfat.com

دھرمو سماج کے اعتراضات کا جواب بذریعہ تحریر و تقریر
۴۔ مسلک اہل حدیث کی ترویج
۵۔ بدعات اور غیراسلامی رسوم کی روک تھام کے لیے مناسب تبلیغی وسائل اختیار کرنا۔

اس انجمن اہل حدیث لاہور نے ۱۹۱۳ء میں "مدرسۃ القرآن و الحدیث" کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی جس میں مولوی محمد حسن' مولوی عبیداللہ اور مولوی احمد دین کی خدمات بطور مدرسین و معلمین حاصل کی گئی تھیں۔ اس مدرسہ میں کشمیر' جموں' تبت (چھوٹا) اور دیگر علاقوں کے طلبہ زیر تعلیم رہے۔ یہ مدرسہ پہلے چینیانوالی میں اور بعد میں مسجد لسوڑیاں والی میں قائم رہا۔

انجمن اہلحدیث لاہور دیگر اسلامی انجمنوں' مثلاً انجمن حمایت اسلام لاہور' انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور اور اہلحدیث کانفرنس دہلی سے ملی' قومی اور دینی معاملات میں تعاون کرتی رہی۔

انجمن اہل حدیث لاہور کی رکنیت بالخصوص مجلس منتظمہ کی رکنیت کے لیے افراد جماعت کا متشرع اور متقی ہونا ضروری ہوتا تھا۔

مولانا محمد حسین بٹالوی' مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری کا تعاون اور سرپرستی انجمن اہل حدیث لاہور کو ہمیشہ میسر رہی۔

۱۹۲۰ء میں مسجد مبارک کی زمین خریدنے کے لیے تیاری شروع ہوئی اور جماعت کے بعض مقتدر احباب کی مرضی کے خلاف---- کیونکہ ان کی رائے اس وقت یہ تھی کہ جماعت قلیل ہے اور سردست مسجد کی ضرورت نہیں۔ یہ زمین خرید کر لی گئی تاکہ آئندہ کے پروگرام میں توسیع جماعت اور تبلیغی مقاصد کے پیش نظر یہ مسجد مبارک بڑی اہمیت کی حامل ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ثابت ہوا۔ والد صاحب مرحوم نے بالخصوص زمین کی خرید اور پھر عمارت مسجد کی تعمیر میں بڑی ہی سرگرمی کا اظہار کیا اور رات دن کوشش کر کے' بڑی محنت اور محبت سے اس منصوبہ تعمیر مسجد کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام

Marfat.com

احباب کرام کو جزائے خیر دے جنہوں نے اس مسجد کی تعمیر' تکمیل اور آباد کاری میں اب تک حصہ لیا ہے اور وہ جو آئندہ بھی حصہ لیتے رہیں گے۔ جزاهم الله احسن الجزاء

پھر اسی انجمن اہل حدیث لاہور اور مسجد مبارک کی بدولت انجمن اہل حدیث پنجاب کا قیام عمل میں آیا اور اس کی صدارت حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری' مولانا عبدالقادر قصوری' مولانا محمد سلیمان منصورپوری مصنف رحمۃ للعالمین نے فرمائی اور مولانا عبدالمجید سوہدروی اس انجمن کے سیکریٹری رہے۔

انجمن اہل حدیث مسجد مبارک لاہور کے شاندار کارناموں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے مرزائیت کی تردید اور ختم نبوت کی تائید میں "محمدیہ پاکٹ بک" شائع کر کے دنیائے اسلام سے خراج تحسین حاصل کیا۔

اسی مسجد مبارک سے پروفیسر عبدالقیوم کی تحریک' تجویز اور کوششوں سے مولانا محمد اسمٰعیل (گوجرانوالہ) اور مولانا محمد داؤد غزنوی مرحوم کے تعاون اور اشتراک سے "مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان" کا قیام عمل میں آیا۔ آغاز کار میں یہ مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کہلاتی تھی۔

انجمن اہل حدیث لاہور نے توحید و سنت اور تردید شرک و بدعت سے متعلق بیسیوں رسائل اور پمفلٹ ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے مفت تقسیم کیے۔

انجمن اہل حدیث لاہور کی صدارت کے فرائض مندرجہ ذیل حضرات انجام دیتے رہے ہیں:

۱۔ مولوی سلطان احمد مرحوم (۱۹۱۹ء تا ۱۹۳۴ء)

۲۔ شیخ عظیم اللہ ایڈووکیٹ مرحوم (۱۹۳۴ء تا ۱۹۵۳ء)

۳۔ میاں عبدالمجید (۱۹۵۳ء تا ۱۹۸۳ء)

میاں صاحب کی علالت اور ناسازی طبع کے باعث اب ان کی جگہ مولانا

Marfat.com

فضل الرحمٰن (تاجر) صدارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

انجمن اہل حدیث' مسجد مبارک' لاہور کی مجلس انتظامیہ ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء

۱۔ مولانا فضل الرحمٰن خطیب مسجد مبارک و صدر انجمن اہل حدیث
۲۔ پروفیسر عبدالقیوم ☆
۳۔ الحاج چوہدری محمد صادق
۴۔ حاجی بشیر احمد (وفات پاگئے) انا للہ وانا الیہ راجعون
۵۔ چوہدری عبدالحمید
۶۔ چوہدری عبداللطیف
۷۔ خواجہ قمرالدین
۸۔ خواجہ صلاح الدین
۹۔ میاں عبدالمعید
۱۰۔ حافظ محبوب عالم
۱۱۔ حافظ محمد بشیر
۱۲۔ چوہدری محمد رفیق

○

☆ (م ۸ ستمبر ۱۹۸۹ء)

Marfat.com

مسجد مبارک میں مولانا حنیف ندوی کا عہد مبارک

مسجد مبارک اپنے محل و قوع کے اعتبار سے اہل حدیث لاہور کی مساجد میں تیسری اہم مسجد ہے۔ مسجد چینیاں والی' بیسویں صدی کے دوسری تیسرے عشرے میں اہمیت اور مرکزیت کے اعتبار سے پہلے نمبر پر تھی۔ اس کے بعد مسجد لسوڑھیاں والی شمار ہوتی تھی۔ مسجد چینیاں والی میں امامت و خطابت کی ذمہ داری حضرت مولانا عبدالواحد غزنوی (متوفی ۱۹۳۰ء) کے سپرد تھی۔ جماعت اہل حدیث کی عیدین کی نمازوں کی خطابت و امامت بھی حضرت مولانا موصوف کے ہی ذمہ تھی۔ حضرت مولانا غزنوی کا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ زبان کی سادگی اور تقریر کی تاثیر میں وہ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ بدلتے ہوئے حالات اور پھیلتے ہوئے لاہور کے پیش نظر انجمن اہل حدیث لاہور نے یہ محسوس کیا کہ جماعت کا کوئی مرکز شہر کی چار دیواری سے باہر ہونا چاہیے۔ چنانچہ میرے والد محترم منشی فضل الدین اور میرے نانا بزرگوار مولوی سلطان احمد کی تحریک سے' جو اس زمانے میں انجمن اہل حدیث لاہور کے بالترتیب امین اور صدر تھے' یہ طے پایا کہ لاہور شہر کی چار دیواری سے باہر' مگر کہیں قریبی علاقے میں مسجد کے لئے جگہ تلاش کی جائے۔ چنانچہ مسجد مبارک کی موجودہ جگہ مسجد کی تعمیر کے لئے انتخاب کی گئی۔ اگرچہ جماعت کے بعض نیک دل حضرات کا خیال تھا کہ نئی مسجد کی ضرورت نہیں اور اگر کوئی نئی مسجد معرض وجود میں آبھی گئی تو اس کو آباد کرنے کے لئے پہلی دونوں مسجدوں کی رونق پر برا اثر پڑے گا' لیکن میرے بزرگوں نے ان حضرات کو یقین دلایا کہ اس قسم کے حالات انشاء اللہ پیدا نہیں ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالٰی کی رحمت اور توفیق سے مسجد مبارک کی تعمیر سے

Marfat.com

پرانی مساجد کی رونق پر کوئی اثر نہ پڑا۔ بلکہ ہم خود بھی ایک عرصے تک جمعۃ المبارک کی نمازوں کے لیے مسجد چینیاں والی میں حاضری دیتے رہے۔

مسجد مبارک کی تعمیر سے بڑے فوائد اور مقاصد حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ یہ مسجد لاہوری مرزائیوں کے مرکز کے بالکل قریب تھے۔ اور وہ آزاد خیال مسلمان جو انجانے میں مرزائیوں کی مسجد کی رونق بنتے تھے ان کے لئے مسجد مبارک باعث رحمت اور بڑی غنیمت ثابت ہوئی۔ دوسرے یہ کہ مسجد مبارک اسلامیہ کالج لاہور جیسی عظیم الشان درس گاہ میں تحصیل علم کے لئے آنے والے نوجوانوں کے لئے بھی باعث رحمت ثابت ہوئی۔ تیسرے یہ کہ لاہور پھلنے اور پھولنے لگا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ جو اندرون شہر کو چھوڑ کر باہر رہنے لگے ان کے لئے بھی مسجد مبارک نے مرکز کا کام دیا۔ اور اس ذریعے سے توحید و سنت کی اشاعت اور تبلیغ کا کام خاموشی اور محبت سے بڑھتا چلا گیا۔

ابتدا میں تو خطابت کے فرائض میرے نانا بزرگوار مرحوم مولوی سلطان احمد صاحب مدت تک انجام دیتے رہے۔ اس عرصے میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب کبھی کوئی جماعت کے بزرگ تشریف لاتے تو جمعے کی امامت و خطابت کے لئے ان سے درخواست کی جاتی۔ اس ضمن میں حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی' حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری' حضرت مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری' مولانا حکیم نور الدین لائل پوری اور ایسے دیگر بزرگان جماعت بارہا مسجد مبارک کے منبر پر رونق افروز ہوتے رہے۔ پھر ایک عرصے کے لیے حضرت مولانا عبدالمجید سوہدروی بھی خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ یہ قصہ ۲۹۔۱۹۳۰ء تک کا ہے۔

اس عرصے میں مسجد مبارک کی اہمیت اور مرکزیت خاصی ہو گئی تھی۔ ہر سال سالانہ کانفرس اور بے شمار ہنگامی جلسے منعقد ہوتے رہے۔ توحید و سنت کے بارے میں بے شمار رسائل شائع کئے جاتے رہے۔ درس و تدریس بالخصوص نماز فجر کے بعد درس قرآن کا بھی اہتمام ہوتا رہا اور قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری' مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری جب کبھی لاہور تشریف لاتے تو نماز فجر کے بعد درس

Marfat.com

قرآن مجید ضرور دیا کرتے۔ مؤخر الذکر دونوں بزرگ تو ہمارے غریب خانے پر قیام فرماتے، لیکن مولانا منصور پوری مال روڈ کے قریب قیام کرتے اور وہاں سے نماز فجر اور درس قرآن کے لئے تشریف لایا کرتے تھے۔

اسی زمانے کی بات ہے کہ جماعت اہل حدیث کی صوبائی انجمن اہل حدیث پنجاب کا قیام عمل میں آیا اور اس کے عہدیداروں میں قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری صدر اور مولانا عبدالمجید سوہدروی سیکرٹری منتخب ہوئے تھے۔

اس دور کی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مرزائیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں سے انجمن اہل حدیث کے مناظرے بھی بکثرت اور باالالتزام ہوتے رہے۔

بیسویں صدی کے پہلے اور دوسرے عشرے میں بہت سے مناظرے ہوئے بالخصوص ہندوؤں، عیسائیوں اور مرزائیوں سے ان مناظروں کی قابل ذکر خصوصیت یہ تھی کہ مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی پیش پیش تھے، مگر ان کی حمایت و رہنمائی کے لئے حضرت شیخ القرآن و الحدیث مولانا محمد حسین بٹالوی ان مناظروں میں بنفس نفیس شرکت فرماتے اور ہمارے بزرگ مناظرین کی رہنمائی کے فرائض سرانجام دیتے۔ ان کی یہ عنایت (رہنمائی) مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کے لئے خصوصی ہوا کرتی تھی۔

مسجد مبارک کی اس اہمیت کے پیش نظر انجمن اہل حدیث لاہور کو اس مسجد کی خطابت اور درس و تدریس کے لئے کسی موزوں عالم دین کی تلاش تھی۔ نگاہیں سیالکوٹ کی طرف اٹھتیں، پھر جب مایوسی ہوئی تو مولانا محمد اسماعیل سلفی کے مشورے سے مولانا محمد حنیف ندوی کا انتخاب عمل میں آیا۔ ان دنوں مولانا محمد حنیف ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء کے آغاز میں آپ مسجد کے محراب و منبر کی رونق بن گئے۔ مولانا محمد حنیف لکھنوی طرز کے لباس میں ملبوس رہنا ہمیشہ پسند فرماتے تھے۔ نحیف اور کمزور جسم، درمیانہ قد، اچکن پائجامہ اور لکھنوی طرز کی ٹوپی زیب سر ہوتی۔ لکھنوی لب و لہجہ اور پر شکوہ الفاظ ان کے کلام میں شان و شوکت پیدا کرتے تھے۔ آپ کی تقریر و تحریر میں مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا ظفر علی خان کے انداز بیان کا

Marfat.com

امتزاج نمایاں تھا۔ بھاری بھرکم الفاظ اور مشکل ترکیبیں بے تکلفی سے بکثرت استعمال کرتے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی زبان میں گفتگو کر رہے ہیں۔

مولانا نے لاہور میں تشریف لانے کے بعد نماز فجر کے بعد درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ کچھ عرصے کے بعد محسوس ہوا کہ صبح کے درس قرآن میں حاضری بہت کم ہوتی ہے۔ چنانچہ وقت تبدیل کر کے درس قرآن کا سلسلہ نماز مغرب کے بعد شروع کر دیا گیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سامعین کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا۔ اس زمانے میں لاہور میں کئی کامیاب درس قرآن کے سلسلے جاری تھے۔ قرآن کا درس دینے والے بزرگوں میں مولانا احمد علی لاہوری کا درس قرآن کا سلسلہ شیرانوالہ دروازہ میں جاری تھا۔ اس کے ساتھ ہی مولانا غلام مرشد سنہری مسجد میں درس قرآن دیا کرتے تھے۔ مسجد وزیر خان میں مولانا دیدار علی اور پھر ان کے صاحبزادگان درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ مسجد چینیاں والی میں مولانا عبدالواحد غزنوی یہ فریضہ ادا کر رہے تھے۔ مگر ۱۹۳۰ء میں ان کی وفات ہو گئی۔ پھر کچھ عرصے بعد یہ ذمہ داری حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے بطریق احسن نبھائی۔

مولانا محمد حنیف ندوی کچھ عرصہ تو سلفی طریقے کے مطابق قرآن مجید کا درس دیتے رہے اور اس سلسلے میں احادیث سے بکثرت استنباط و استخراج کرتے رہے، لیکن جب سامعین میں کچھ تعلیم یافتہ غیر مسلم اور مرزائی نیز دیگر مکاتب فکر کے لوگ شریک ہونے لگے تو مولانا کو تھوڑا سا انداز بیان تبدیل کرنا پڑا۔ مولانا کی عادت تھی کہ درس قرآن کے دوران میں اس کے اختتام پر حاضرین کے سوالات کے جوابات دیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں آیات قرآنی اور بیان کردہ احادیث پر شرح و بسط سے تبادلہ خیال ہوتا۔ میرے والد بزرگوار منشی فضل الدین مرحوم حضرت شیخ الحدیث مولانا نذیر حسین دہلوی، حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی اور دیگر بہت سے جید علمائے کرام کے درسوں میں بکثرت شریک ہوتے رہے تھے تو وہ ان حضرات کے حوالے سے تفسیری نکات بتاتے اور مولانا حنیف ندوی بڑے خوش ہوتے۔ اور بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے منشی صاحب کے تجربات اور علما

Marfat.com

کی صحبتوں کی فیض یابی سے بہت کچھ سیکھا ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مولانا محمد حنیف ندوی درس قرآن کے ضمن میں تقابل ادیان پر بھی بہت کچھ فرماتے۔ پھر ایک دور آیا' جب مولانا محمد حنیف ندوی رازیؒ' غزالیؒ اور ابن حزمؒ سے بہت متاثر ہو گئے' انہوں نے تفسیر ابن کثیر کے ساتھ تفاسیر اربعہ (بیضاوی' خازن' مدارک اور تفسیر ابن عباس) تفسیر کشاف اور رازی کی تفسیر کبیر کا خاص طور سے مطالعہ شروع کر دیا۔ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا نے رازی کی تفسیر کو بالا ستیعاب از اول تا آخر پڑھ ڈالا۔ اور ساتھ ساتھ غزالی کی کتابوں کا مطالعہ بھی جاری رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تفسیر کے ساتھ فلسفۂ و کلام بھی بکثرت زیر مطالعہ آئے۔ مولانا کی عربی علم و ادب پر بڑی گہری نظر تھی۔ قدیم عربی دوا دین اور مشہور ادیبوں کے نثری شاہکار پر بڑا عبور تھا۔ اب علم کلام اور اسلامی اور یونانی فلسفہ مزاج کا حصہ بننے لگا جس کی بنا پر مولانا کے بیان و اسلوب اور فکر و نظر میں ایک بڑا حسین انقلاب رونما ہوا۔ پڑھے لکھے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات تو مولانا کے گرویدہ ہو گئے' لیکن بیچارے عوام کے پلے کچھ نہ پڑا۔ اس کا ایک خوشگوار اور نتیجہ خیز اثر یہ ہوا کہ مولانا ندوی کا یہ راہوار قلم اتنی بلند پایہ' عظیم الشان اور خالص علمی اور فلسفیانہ کتابوں کی اشاعت کا باعث ہوا جس کی مثال پورے اس عہد میں نہیں ملتی۔ تعداد اور تنوع کے لحاظ سے تو بے شمار مصنف نظر آتے ہیں' مگر ان دنوں مولانا کے اسلوب اور فکر کی مثال نظر نہیں آتی۔

مولانا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ وہ پیکر صبرو قناعت تھے اور سادگی ان کا طرہ امتیاز تھا۔ ان کی محبت' ان کا خلوص اور ان کی شفقت اپنی مثال آپ تھے۔ میرے خاندان سے بڑی پر خلوص محبت رکھتے تھے۔ اکثر اوقات ملنے کے لئے تشریف لاتے' گھٹنوں کی تکلیف کے باوجود کبھی تنہا اور کبھی مولانا محمد اسحاق بھٹی کی رفاقت میں۔ کبھی گھر پر' کبھی دفتر تشریف لاتے اور میں اکثر شرمندگی کے ساتھ عرض کیا کرتا کہ آپ گھٹنوں کی تکلیف کے باوجود سیڑھیاں چڑھنے اور اترنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔ ٹیلی فون پر یاد فرما لیا کریں تو میں خود حاضر ہو جایا کروں گا' مسکرا کر فرما دیتے کہ ملنے کو جی بہت چاہ رہا تھا۔ پھر

Marfat.com

میرے خاندان کے ایک فرد کا نام لے کر اس کی خیریت دریافت فرماتے۔

مولانا محمد حنیف ندوی میں بڑی خوبیاں تھیں۔ زبان و قلم کے شہنشاہ' مودت و محبت میں بڑے مخلص' میل جول میں بڑے بے تکلف' رہنے سہنے اور کھانے پینے کے معاملات میں بڑے سادہ' میں نے پچاس برس کے دوران میں کبھی ان کی زبان سے کسی کے خلاف کوئی بات نہیں سنی۔ جب بھی کوئی ان کے سامنے کسی عالم کے بارے میں کوئی ذکر چھیڑ دیتا تو نہایت نرمی اور ملائمت سے فرما دیتے کہ ہر عالم کا اپنا نقطہ نظر اور زاویہ نگاہ ہوتا ہے اور اس کا انحصار اس کے مطالعہ پر ہے۔ خود بڑے وسیع القلب اور وسیع نظریات اور بڑے باخبر انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں مغفرت سے نوازے اور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے۔

ع: خدا بخشے بہت سے خوبیاں تھیں مرنے والے میں

○○○

Marfat.com

Marfat.com

ریڈیو و دیگر مواقع پر کی گئی تقاریر
قرآن وسنّت کی مختصر تشریحات

پروفیسر صاحب کی ریڈیو اور بعض دیگر مواقع پر کی گئی تقریریں

Marfat.com

Marfat.com

قرآنی اصطلاح فلاح اور اس کا مفہوم

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو رسول کریم حضرت مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی عربی زبان میں نازل کیا گیا۔ اس بابرکت اور مقدس کتاب الٰہی میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں جو تقریباً تیئیس سال کے عرصے میں نازل ہوئیں۔ قرآن مجید کا مرکزی پیغام توحید باری تعالیٰ ہے۔ توحید کے بعد خالق کائنات کی عبادت اور بندگی کی دعوت زیادہ اہم ہے۔ اس مقصد کے لیے نبوت و رسالت کا سلسلہ قائم کیا گیا' جس کی وضاحت کے لیے نبیوں اور رسولوں کے حالات اور واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

عقائد و عبادات کے علاوہ قرآن مجید میں معاشی' اقتصادی' معاشرتی اور اجتماعی مسائل و معاملات کے بارے میں احکام و قوانین بھی بیان کیے گئے۔ جرائم کی نوعیت اور ان کی سزائیں بھی بتا دی گئی ہیں' مختصر یہ کہ قرآن مجید کتاب ہدایت بھی ہے اور دستور زندگی اور ضابطۂ حیات بھی۔

پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید کی بعض خاص اصطلاحات ہیں جیسے تقویٰ' صلوٰۃ' زکوٰۃ اور فوز و فلاح وغیرہ۔

قرآن مجید کی اصطلاح فلاح کے لفظی معنی ہیں کامرانی' کامیابی' حصول مراد' حصول مقصد' فوز اور ظفر مندی۔ فلاح دو قسم کی ہے: ایک دنیوی اور دوسری اخروی۔ دنیوی فلاح تو یہ ہے کہ ان اسباب و ذرائع اور سعادتوں کو حاصل کر لیا جائے جن سے دنیا کی زندگی خوشگوار بن جاتی ہے' یعنی بقا و دوام' دولت و ثروت اور عزت۔ اس کے مقابلے پر فلاح اخروی چار چیزوں کے حصول کا نام ہے:

ا۔ ایسی بقا جس کے ساتھ فنا کا تصور اور خدشہ نہ ہو۔

Marfat.com

۲۔ ایسی دولت و ثروت اور تونگری جس کے ساتھ فقر و افلاس کا خدشہ اور احتمال نہ ہو یعنی اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ (النحل' ۱۱۶:۱۶)۔

۳۔ ایسی عزت و جاہت جس کے بعد ذلت و رسوائی کا سوال بھی پیدا نہ ہو۔

۴۔ اور ایسا علم جس کے ساتھ جہالت کا تصور ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔

ایسی کامیاب و کامران اور فوز و فلاح والی زندگی کے لیے قرآن مجید نے چند قاعدے اور ضابطے مقرر کر دیئے ہیں جن کے مطابق زندگی گزارنے سے فلاح کا حصول یقینی ہو جاتا ہے اور یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ فلاح کا قرآنی مفہوم فلاح اخروی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان دنیوی زندگی کو خوش گوار بنانے کے وسائل و اسباب مکمل طور پر حاصل نہ کر سکے۔ اس کی مالی اور معاشی حالت اطمینان بخش نہ ہو' اس کے دنیوی روابط اور تعلقات صفر ہوں۔ وہ بالکل فقر و درویشی کی زندگی بسر کر رہا ہو' لیکن قرآنی تصور فلاح کے لحاظ سے وہ تمام شرائط اور تمام تقاضے پورے کر رہا ہے جو اس کی اخروی زندگی میں اسے کامیاب و کامران اور فائز المرام قرار دے دیں۔

قرآن مجید نے دو گروہوں کا ذکر بڑی وضاحت سے کیا ہے ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جو فلاح نہیں پا سکتے۔ خواہ دنیا میں وہ کتنے ہی جاہ و جلال' حشمت و عظمت اور عزت و وجاہت کے مالک ہوں' لیکن اپنے جور و ظلم' کذب و افترا علی اللہ اور کفر و جرم کے باعث اخروی فلاح سے قطعاً محروم رہیں گے۔ قرآن مجید نے بڑی وضاحت سے فرما دیا ہے کہ دجل و فریب کرنے والے' دھوکا باز' ظالم' کافر اور مجرم آخرت میں فلاح و کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (الانعام' ۲۱:۶)

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ (یونس' ۷۷:۱۰)

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (المومنون' ۱۱۷:۲۳)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ على اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ (النحل' ۱۱۶:۱۶)

ساحر' کافر اور اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے والے آخری اور مستقل فلاح نہیں

Marfat.com

پانے کے۔ ان لوگوں کے لیے فلاح کی قطعی نفی کر دی گئی۔

قرآن مجید کے مطابق دوسرا گروہ ان خوش نصیب اور سعادت مند لوگوں کا ہے جو اخروی فلاح و کامیابی سے سرفراز ہوں گے۔ ان کے لیے قرآن مجید میں قَدْ اَفْلَحَ اور مُفْلِحُوْنَ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی کامیاب ہو گیا اور کامیاب ہونے والے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان دونوں گروہوں کا بکثرت ذکر فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ فلاح یافتہ لوگوں کو بہشت کے باغات اور جنت کے بے شمار انعامات اور راحتیں میسر آئیں گی۔ فلاح سے محروم لوگوں کو دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ انسانوں کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا سلسلہ قائم کیا جو سید المرسلین خاتم النبین سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا گیا۔ آپ آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ کے بعد کوئی رسول یا نبی نہیں آ سکتا۔

آیئے اب قرآن مجید کی ان آیات کا مطالعہ کریں جو نیک لوگوں کو فوز و فلاح کا حقدار ٹھہراتی ہیں؟ سورۃ البقرہ کی ابتدائی پانچ آیات اس سلسلے میں خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ کتاب مقدس متقی لوگوں کے لیے ہدایت اور راہنمائی کا موجب ہے۔ پھر متقی لوگوں کے اوصاف بیان کیے کہ متقی وہ لوگ ہیں جو عقیدے کے اعتبار سے غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ غیب میں ہر وہ چیز شامل ہے جو نظر سے چھپی ہوئی یا مشاہدے اور تجربے سے باہر ہو' یعنی ایسا عالم جو محسوسات اور معقولات سے ماورا ہو۔ ایمان بالغیب میں بن دیکھے خدا پر ایمان بھی شامل ہے اور احوال حشر و نشر اور کوائف جنت و دوزخ بھی۔ ایمان بالغیب کا عقیدہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد و یقین پیدا کرتا ہے جس میں انسان عزم و ہمت کا پیکر بن جاتا ہے۔ متقی لوگوں کا دوسرا وصف اور نشانی یہ ہے کہ وہ پورے خضوع و خشوع اور عجز و انکساری کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ان متقی حضرات کا چوتھا وصف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں بالخصوص قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں۔

Marfat.com

قرآن مجید کی ہر آیت علم و ایمان اور تسکین و اطمینان بخشتی ہے۔ اس مقام پر متقین کی آخری علامت یہ بتائی ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس زندگی کے ختم ہو جانے کے بعد جزا و سزا کا ایک جو مستقل نظام بنا رکھا ہے اس پر پورا ایمان و ایقان رکھتے ہیں۔ جب ایک مسلمان ان اوصاف حمیدہ کا حامل اور ان پر عامل ہو جاتا ہے تو وہ ہدایت یافتہ اور فلاح و کامرانی سے بہرہ مند ہونے کا حقدار ٹھہرتا ہے۔ فلاح پانے کے اوصاف سورۂ لقمان اور سورۃ المومنون میں بھی بیان کیے گئے ہیں۔

ان اوصاف کے علاوہ سورہ آل عمران (۳:۱۰۴) میں کامیاب ہونے والوں کا ایک وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔ سورۃ الاعراف (۷:۱۵۷) میں فلاح یافتہ لوگوں کی یہ نشانی بھی بتائی گئی ہے کہ وہ کتاب و سنت کی اتباع اور تبلیغ و اشاعت میں بڑی گرم جوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیک کاموں پر وہ صرف آپ ہی عمل نہیں کرتے' بلکہ دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین کرتے اور ترغیب دلاتے رہتے ہیں۔

سورہ التوبہ (۹:۸۸) میں فلاح کے مفہوم میں اور وسعت و عمومیت پیدا کرتے ہوئے فرمایا کہ کامیابی حاصل کرنے والوں کا یہ وصف بھی نمایاں ہے کہ وہ عقیدۂ و نظریہ اور ملک و ملت کی بقاءو سلامتی کے لیے جہاد کے وقت اپنے مال اور اپنی جان کانذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے گویا کہ مسلمان بوقت ضرورت جان پر کھیل جانے کے لیے آمادہ رہتا ہے۔ سورۃ المومنون (۲۳:۱ تا ۹) میں نماز کی محافظت و مداومت' زکوٰۃ کی پرخلوص ادائی کے ساتھ فرمایا کہ کامیاب و سرخرو ہونے والے ایماندار لوگوں کے چند اور بھی اوصاف ہیں' مثلاً یہ کہ وہ لغو و بے ہودہ باتوں سے احتراز کرتے ہیں۔ پاکبازی اور پاکدامنی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور سپردگی میں لی ہوئی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا لحاظ رکھتے ہیں۔

اسی سورۃ المومنون (۲۳:۱۰۲) میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو گا تو وہ کامیاب و سرفراز ٹھہرے گا۔

Marfat.com

سورۃ النور میں (۲۴:۵۱،۵۲) میں کامیاب و بامراد اور فلاح یاب لوگوں کی یہ علامت بھی بتائی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور احکام الٰہی کی اطاعت کے ساتھ اتباع سنت نبوی میں پیش پیش ہوتے ہیں۔

سورۃ الروم (۳۰:۳۸) میں معاشی نظام میں استحکام پیدا کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ کامیاب ہونے والوں اور فلاح پانے والوں کا لازمی وصف یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال انہیں دے رکھا ہے اور اس میں جو قرابت داروں اور مسافروں کا حق ہے وہ انفرادی اور اجتماعی بہبود کے لیے ان کا حق ادا کرتے ہیں اور جو کچھ بھی وہ خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کی نیت سے کرتے ہیں۔ اس میں ریا اور نمائش کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا۔

سورۃ المجادلہ (۵۸:۲۲) میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے والے لوگوں کی ایک خاص علامت یہ بھی بتائی ہے کہ بتقاضائے ایمان و محبت الٰہی وہ دوستی کے لیے ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست ہیں۔ اور اللہ کے منکروں اور باغیوں کو وہ اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ خواہ اس زمرے میں ان کے قریب ترین رشتے دار ہی کیوں نہ آتے ہوں۔

سورۃ الحشر (۵۹۔۹) میں فلاح پانے والوں کی ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ انتہائی نازک حالات میں بھی ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور خود فاقہ برداشت کر کے دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کرنا فرض سمجھتے ہیں اور طبعی بخل اور کنجوسی سے ہر وقت بچتے رہتے ہیں۔

سورۃ الاعلیٰ (۸۷:۱۴) اور سورۃ الشمس (۹۱:۹) میں تزکیۂ نفس کو فلاح و کامرانی کا ضامن قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى نیز قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ ان دونوں مقامات پر فلاح و کامیابی کے لیے ضروری قرار دیا کہ ایک مسلمان اپنے دل و دماغ کو کفر و شرک کی ہر قسم کی آلودگی سے پاک کرے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور

Marfat.com

مصیبت سے ہرچند بچتا رہے۔ ہر قدم پر احکام خداوندی کی اطاعت و اتباع کرے۔ زندگی کے ہر موڑ پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا طالب ہو۔ اعلیٰ اخلاق کو اپنائے اور اخلاق رذیلہ سے کنارہ کشی کرے۔ ذکر الٰہی اور فکر آخرت کو مقصد حیات قرار دے۔ ہر معاملے میں اللہ کا خوف اور آخرت کے حساب کتاب کا ڈر پیش نظر رہے۔

اس ساری گفتگو کا مفہوم و مقصود یہ ہے کہ مسلمان انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتا ہے۔ قرآن مجید کے بتائے ہوئے اصول پیش نظر رکھتا ہے۔ فلاحی معاشرے کے قیام کے لیے ہر ممکن کوشش بروئے کار لاتا ہے اور اس انداز زندگی سے اپنی آخرت سنوار لیتا ہے۔

OOO

Marfat.com

قرآنی اصطلاح اُمّتِ وسط اور اُس کا مفہوم

امت وسط قرآن مجید کی ایک اصطلاح ہے جو مفہوم و معنی کے اعتبار سے بڑی وسعت رکھتی ہے۔ وسط دراصل ایسی جگہ کو کہتے ہیں جس کا فاصلہ اور مساحت سب طرف سے برابر ہو' جیسے دائرے میں مرکز ہوتا ہے۔ پھر یہ فاصلہ بطور استعارہ اچھی خصلتوں اور عمدہ عادات کے لیے استعمال ہونے لگا۔ وسط تو افراط و تفریط کے درمیان کی راہ ہے' جیسے اسراف اور بخل کے درمیان سخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ۔ پھر وسط کا لفظ ہر اس شخص کے لیے استعمال ہونے لگا جو اچھی اور پسندیدہ خصلتوں کا حامل ہو۔

وسط کے مفہوم میں ہر عمدہ اور بہترین چیز شامل ہے۔ نیز یہ لفظ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے' جو اپنی قوم میں بلحاظ حسب و نسب سب سے اونچا' افضل و اعلیٰ' اشرف و برتر اور بلند و بالا ہو۔ امت وسط کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ قوم اپنے اخلاق و کردار' اعمال و افعال' اپنے منشور' اپنی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے سب قوموں اور سب امتوں سے افضل اور برتر و بالا ہے۔ وسط کے مفہوم میں عدل و انصاف بھی شامل ہے۔

واسطة القلادة اس شاندار اور قیمتی موتی کو کہتے ہیں جو ہار کے درمیان میں ہوتا ہے اور وہ سب سے نمایاں' سب سے قیمتی اور بہترین ہوتا ہے۔

امت محمدیہ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کو امت وسط اس لیے کہا گیا کہ یہ امت افراط و تفریط کی راہوں سے بچ کر راہ اعتدال پر قائم ہے اور اپنے عقائد و عبادات' نظم و نسق' اخلاق و آداب اور تمام دنیوی اور اخروی معاملات کے لحاظ سے دیگر تمام جماعتوں' گروہوں اور قوموں سے برتر اور افضل و اشرف ہے۔

Marfat.com

امت محمدیہ کو امت وسط کا لقب دے کر اس کی شرافت و کرامت اور عزت و فضیلت کا اعتراف و اعلان کیا گیا ہے۔ اس امت وسط کی فضیلت و برتری اس کے روحانی کمالات اور اخلاقی اقدار میں مضمر ہے۔ جس طرح کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی اور روحانی کمالات تمام انبیائے کرام سے زیادہ ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ امت وسط کی اصطلاح اپنے معانی کے اعتبار سے بڑی وسیع اور جامع ہے۔ اس سے مراد ایک ایسا افضل و برتر اور اشرف و اعلیٰ معاشرہ ہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہو اور دنیا میں عدل و انصاف قائم کرے اور خود ہر قسم کے افراط و تفریط سے کنارہ کشی اختیار کر کے توسط و اعتدال کی راہ پر گامزن ہو' جو اقوام عالم میں صدر مجلس کی حیثیت رکھتا ہو' جو سب کے ساتھ یکساں طور پر برتاؤ کرے۔

اس امت وسط کے پیش نظر حق و سچائی ہوتی ہے اور امت وسط کے افراد کسی شخص سے بھی ناروا سلوک نہیں کرتے۔ حق و صداقت کا نمونہ بن کر رہتے ہیں اور دنیا میں حق و صداقت کی تبلیغ و تلقین کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کو وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ سے شروع کیا ہے اور اس سے پہلی آیات میں تحویل قبلہ کا ذکر ہے' جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے رسالت محمدیہ کے ماننے والو اور شمع محمدیہ کے پروانو! جس طرح یہ حقیقت ہے کہ ہم نے ملت اسلامیہ کو امت وسط یعنی عادل اور نیک ترین امت ہونے کا درجہ عطا کر دیا ہے تاکہ تم ساری کائنات کے لیے حق و سچائی کی شہادت دے سکو اور تمہارے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہادت دینے والے ہیں۔ اس آیات نے یہ اعلان کر دیا کہ امتوں کا مرکز خانہ کعبہ ہے اور کعبہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے والی امت نیک ترین امت ہے۔ امت وسط کا لفظ قرآن میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۴۳ میں استعمال ہوا ہے ارشاد ربانی ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا' (یعنی اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت عادل بنا دیا ہے کہ تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ رہیں) یعنی' ایسی امت

جو ہر معیار اور ہر لحاظ سے بڑے اعتدال پر ہو۔ ہر قسم کے افراط و تفریط سے پاک ہو۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے عربی زبان میں لفظ وسط افضل و اشرف اور برتر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پھر اس کا استعمال عمدہ خصلتوں اور اچھی عادتوں کے لیے ہونے لگا۔ ایک حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں امت وسط کا مفہوم عادل امت بیان ہوا ہے۔

انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے مسلمان ساری دنیا کے لیے ایک نمونہ ہیں۔ مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ فسق و فجور اور اخلاقی پستی سے بچ کر اعلیٰ اور بلند تر زندگی بسر کریں۔ عمدہ خصائل اور بلند اخلاق کو اس طرح اپنائیں کہ دنیا کی اقوام انہیں کے نقش قدم پر چلنے لگیں۔ جس طرح حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت اسلامیہ کے لیے معیار اور نمونہ ہیں۔ اسی طرح تمام مسلمان اپنے کردار و عمل اور حسن اخلاق کی بدولت اقوام عالم کے لیے ایک عمدہ معیار اور اچھا نمونہ پیش کریں۔ ملت اسلامیہ کی یہ حیثیت قرآن مجید میں سورۃ آل عمران کی آیت میں بیان کی گئی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

یعنی تم سب امتوں سے بہتر اور نیک خصائل ہو' تمہارا مقصد حیات یہ ہے کہ لوگوں کو نیکی اور پاکبازی کی تلقین کرو اور برائی اور بدی سے روکو۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی لوگوں کی ہدایت فرمائی اور برے کاموں سے روکا۔ عقیدہ توحید کی اشاعت و تبلیغ فرمائی۔ نماز قائم کرنے کی تلقین کی' زکوۃ ادا کرنے کی ترغیب دلائی' غریبوں مسکینوں' محتاجوں اور حاجت مندوں سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ زندگی کی بے ثباتی کی طرف توجہ دلائی۔ آخرت کی زندگی پر ایمان و ایقان استوار کرنے پر زور دیا۔ حشر و نشر' جزا و سزا' جنت و دوزخ سب حقائق کو تسلیم کرایا۔ چونکہ نبوت و رسالت ختم ہو چکی ہے آپؐ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا' لہذا تبلیغ و اشاعت کا یہ بلند منصب اور مرتبہ جلیلہ امت محمدیہ کو سونپا گیا کہ وہ دنیا بھر کے لوگوں کے لیے ہے اور آپ کا پیغام ہر ابیض و اسود اور ہر اسمر و احمر کے لیے ہے۔ اسی طرح آپ کے ماننے والے' آپ کے امتی جنہیں

Marfat.com

امت وسط کے لقب سے سرفراز کیا گیا ہے ان کا بھی یہ دینی فریضہ ہے کہ وہ اسلام کے پیغام کو اور رسالت محمدی کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچائیں اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کریں۔ امت وسط اور خیر امت بن کر اخلاق و کردار اور شرافت و عظمت کا بہترین نمونہ پیش کریں۔ پھر اس تبلیغی تگ و دو میں ہر قسم کے مصائب و آلام خندہ پیشانی سے برداشت کریں۔

امت وسط کے دائرہ کار میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے لوگوں میں عدل و انصاف قائم کریں۔ حق و صداقت کی طرف ان کی راہنمائی کریں۔ لوگوں کو اعمال خیر کی دعوت دیں اور باطل تصورات اور خرافات سے روکیں۔ توحید و رسالت کے عقیدے کو دلوں میں جاگزین کرکے اور ان کے کردار اور عمل میں ایک حسن اور نور پیدا کریں۔ امت وسط کا فرض ہے کہ نور توحید سے توہمات و خرافات کو ختم کر دیا جائے۔ لوگوں کے فکر و شعور کو جلا دی جائے۔ ان کی روحانی اور اخلاقی اقدار کو بلندیوں سے روشناس کرایا جائے۔ اسلامی عقائد کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ اسلامی شعائر کی حفاظت و نگہداشت بھی اس امت وسط کو سونپی گئی ہے۔ قبیلے کے تقدس کا تحفظ بھی اسی امت کے ذمے ہے اور اس وجہ سے اس امت کا شرف اور قدر و منزلت برقرار ہے۔ اس برگزیدہ جماعت "امت وسط" کا ہر فرد اس کام کے لیے مامور ہے کہ وہ اسلام کی برکات و فیوض کو ہر زمانے میں اور ہر جگہ مخلوق خدا تک پہنچائے۔ ایک مسلمان اسلامی شریعت' اسلامی تہذیب اسلامی آداب و اخلاق' اسلامی عقائد و عبادات کا وارث ہے ایسا وارث جس نے تبلیغ اور عمل کے ذریعے اس مقدس ورثے کو دوسروں تک پہنچانا ہے خواہ اس کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں اسے تکالیف کا سامنا کرنا پڑے۔ خواہ مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ امت وسط کے ماننے والوں نے تو جان و مال کو خطرے میں ڈال کر اس امتیازی لقب کی شان کو برقرار رکھا اور بڑی آن بان سے برقرار رکھا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ امت وسط کی فضیلت کا ایک پہلو عدل و اعتدال ہے۔ اور اس کے نتیجے میں اس امت کو یہ شرف ملا کہ میدان حشر میں جب تمام انبیا کی امتیں اپنے اپنے نبی

Marfat.com

کی تبلیغ و ہدایت کا انکار کر دیں گی اور برملا جھوٹ بول کر اعلان کر دیں گی کہ ہمارے پاس نہ کوئی کتاب آئی اور نہ کوئی نبی آیا تو اس وقت امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام شہادت دے گی کہ انبیا علیہم السلام نے ہر زمانے میں اللہ کا پیغام ہدایت ان کو پہنچایا اور ان لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ امت محمدیہ کی یہ شہادت اس بنا پر ہو گی کہ صادق القول پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بذریعہ قرآن مجید اس بات کی خبر دی ہے کہ پہلی امتوں میں خدا کی طرف سے ڈرانے والے اور خوش خبری سنانے والے انبیاءؑ آئے۔ انہوں نے لوگوں کو توحید کا پیغام سنایا۔ نیکی کی طرف بلایا اور آخرت کے حساب کتاب سے آگاہ فرمایا' لیکن ان لوگوں نے سرکشی' غرور و نخوت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے پیغمبروں کی آواز کو ٹھکرا دیا۔ انہیں جھٹلایا' بعض کو ملک بدر کر دیا اور بعض کو قتل کیا۔

امت محمدیہ کی اس گواہی کی تصدیق و توثیق کرتے ہوئے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ اے اللہ! میری امت نے جو کچھ کہا ہے وہ درست اور صحیح ہے' کیونکہ قرآن مجید اور میری تعلیم کے ذریعے گزشتہ امتوں کے صحیح حالات ان کو معلوم ہو گئے تھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امت وسط کے اعتدالی مفہوم کی ذرا اور وضاحت کر دی جائے تاکہ اس قرآنی اصطلاح کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔

جب امت وسط کا مفہوم معتدل امت کہا جاتا ہے تو ہمارے پیش نظر ہماری زندگی کے ہر گوشے پر حاوی اعتدال ہوتا ہے مثلاً اعتقادات میں اعتدال' عبادات میں اعتدال' تمدن و معاشرت میں اعتدال اور اقتصادیات و مالیات میں اعتدال۔

ہمارے عقیدے میں اعتدال کی مثال لا الٰہ الا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ ہم اللہ کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں۔ اس کا کوئی شریک اور نظیر نہیں۔ وہ اکیلا ہے' واحد ہے' اس کا کوئی بیٹا نہیں اور نہ وہ کسی کا باپ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' کوئی مسجود و مقصود نہیں۔ دوسری طرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول برحق مانتے ہیں۔

Marfat.com

آپ کے ان گنت کمالات و فضائل اور محامد و مناقب کے باوصف آپ کو عبدہٗ و رسولہٗ مانتے ہیں اور اس کی شہادت دیتے ہیں۔ یہ ہے اعتقادی اعتدال۔

اعتقاد کے بعد عبادت و عمل کی باری آتی ہے۔ پچھلی امتوں کا جو نقشہ قرآن مجید نے کھینچا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شریعتوں کے احکام سے کس طرح مذاق کیا اور کس کس حیلے بہانے سے احکام شریعت کو مسخ کر دیا۔ حلال نعمتوں کو حرام ٹھہرایا اور حرام چیزوں کو حلال جانا۔ معاشرتی زندگی سے فرار کی راہ نکالنے کے لیے رہبانیت اختیار کرلی۔ اسلام نے عبادات میں ایک توازن اور اعتدال پیدا کیا۔ ترک دنیا کی ممانعت کر دی۔ فرمایا کہ اسلام میں رہبانیت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ امت وسط کو حکم دیا گیا کہ مسجدوں کو بھی آباد کرو اور منڈیوں اور بازاروں کو بھی۔ کسی حلال شئی کو حرام مت کہو اور حرام کو حلال نہ ٹھہراؤ۔ دین اور سیاست میں کوئی عداوت نہیں۔ دین کی حکمرانی مسجد میں بھی ہے اور دفتروں' بازاروں اور عدالتوں میں بھی۔ اسلام قانون الٰہی اور حکومت الٰہی کو ہر جگہ جاری اور نافذ کرنا چاہتا ہے۔

اسلام نے معاشرت و تمدن میں بھی اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ پہلی امتوں میں انسانی حقوق کا کوئی لحاظ نہ رکھا جاتا تھا۔ ہر شخص کے پیش نظر ذاتی مفاد اور ذاتی اغراض ہوتی تھیں۔ دوسروں کے نقصان سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا۔ کوئی قوم تو لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتی تھی اور کسی قوم میں مردہ شوہر کے ساتھ زندہ بیوی کو بھی نذر آتش کردینے کا رواج تھا۔ اسلامی شریعت نے امت وسط کے لیے ان تمام بے اعتدالیوں کو ختم کر دیا۔ انسان کو اس کے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا۔ ہر چیز کی ایک حد مقرر کر دی اور اس حد کو توڑنا جرم ٹھہرا دیا۔ اپنے حقوق کے معاملے میں عفو و درگزر کی تعلیم دی اور دوسروں کے حقوق کا پورا پورا لحاظ اور احترام سکھایا۔

امت وسط کے لیے جو مالی اور اقتصادی نظام تجویز کیا گیا اس میں بھی ایک اعتدال اور عدل و انصاف کا پہلو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نظام سرمایہ داری میں صرف ایک چیز پیش نظر ہوتی ہے اور وہ ہے زیادہ سے زیادہ مال و دولت جمع کرنا۔ اس مقصد کے

Marfat.com

لیے جائز و ناجائز حربہ اور ذریعہ استعمال کرلیا جاتا ہے۔ نہ حلال و حرام کی تمیز کی جاتی ہے نہ دوسروں کے حقوق پامال کرنے سے پرہیز کیا جاتا ہے اور نہ غریبوں اور بے آسرا لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام ایک ایسانظام ہے جو انفرادی اور شخصی ملکیت کو جرم عظیم قرار دیتا ہے۔

لیکن امت وسط کے لیے ایک ایسا نظام تجویز کیا گیا ہے جو دونوں نظاموں کی افراط و تفریط سے مبرا و پاک ہے۔ اس اسلامی نظام میں مال و دولت کو جمع کرنے کی اجازت تو دی، لیکن اسے مقصد حیات قرار دینے سے منع فرمادیا۔ نیز اس کے ساتھ کچھ شروط و قیود عائد کردیں۔ ذرائع اور وسائل کا جائز اور حلال ہونا ضروری ٹھہرایا۔ غریبوں اور بیکسوں، ضرورت مندوں اور محتاجوں کی ضروریات کی کفالت دولت مندوں پر عائد کردی۔ روٹی کپڑے کی احتیاج سے انھیں بے نیاز کردینا امراء کے ذمے لگایا۔ غرضیکہ معاشرے میں ملی و معاشی ہم آہنگی پیدا کرنا صاحب ثروت لوگوں کے لیے ضروری قرار دیا اور ایسی دولت و ثروت جو خزانوں کی صورت میں محفوظ کرلی جائے اور غریبوں اور حقداروں کے کام نہ آسکے اسے آخرت میں وبال جان قرار دیا۔ زکوٰۃ و عشر اور صدقات و خیرات کا ایک ایسا پاکیزہ اور مثالی نظام قائم کردیا کہ اس نظام پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کے بعد امیر و غریب کی تمیز کی اور تفریق تقریباً ختم ہو جاتی ہے باہمی نفرت و عداوت کی جگہ محبت و موانست پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے معاشرہ پرامن اور خوشگوار زندگی بسر کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ امت وسط سے مراد ایک ایسا برتر اور اشرف و اعلیٰ گروہ ہے جو اعتدال و توسط اور عمل و انصاف پر قائم ہو اور ساری دنیا کو حق و صداقت اور سچائی و راستی کی تلقین کرے اور بنی نوع انسان کو پیغام حق سنانے کی جو ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ اسے بطریق احسن انجام دے۔ ظلم و تعدی اور معصیت و گمراہی کے خلاف سراپا جہاد بن کر مظلوموں اور گمراہوں کی نجات کا ذریعہ بن جائے۔ اگر ہم یہ کام کرپائیں تو امت وسط کے معزز لقب کے بجا طور پر حقدار ٹھہرتے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے تو اس کا مطلب و مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اسلام ایک ایسا مکمل نظام حیات پیش کرتا ہے جس میں ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ اسلامی قانون' اسلامی دستور اور اسلامی قواعد سب ایسے مکمل ہیں کہ ہمیں اپنی زندگی باعزت اور باوقار طریقے سے بسر کرنے کے لیے کسی اور دستور اور کسی اور قانون کی قطعاً ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جس میں عقائد و عبادات اور معاملات سب شامل ہیں۔ پھر معاملات کا دائرہ بڑا وسیع ہے اور اس میں انفرادی' منزلی' اجتماعی' سیاسی' اقتصادی' عسکری' عدالتی اور بین الاقوامی معاملات سب شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران ۳: ۱۹)' یعنی اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کے لیے صرف ایک ہی نظام زندگی' ایک ہی ضابطۂ حیات اور ایک ہی دستور العمل درست ہے اور وہ ہے اسلام۔ اسلام کا مفہوم یوں سمجھایا جا سکتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا مالک و معبود تسلیم کرے اور اس کی بندگی و غلامی میں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے اور اپنی زندگی کو تمام معاملات میں اللہ اور اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع سمجھے۔ زندگی کے ہر مرحلے اور ہر معاملے میں پیغمبر اسلام خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو مشعل راہ بنائے اور آپ کے ارشادات کی روشنی میں زندگی بسر کرے۔

قرآن مجید میں اسلام کو دین حق' دین قیم اور دین اللہ یعنی اللہ کا دین بھی کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ المائدہ میں اسلام کے مکمل ضابطہ حیات ہونے کا اعلان یوں فرمایا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ ۵: ۳) یعنی آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم

پر پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔
اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالٰی نے تکمیل دین کی بشارت دی ہے۔ یہاں بھی دو چیزوں قابل توجہ ہیں: ایک دین اور دوسری اس کی تکمیل اور اتمام نعمت۔ مسلمان مفکرین اور مفسرین نے دین کی تعریف کرتے ہوئے بتایا ہے کہ دین اللہ تعالٰی کا مقرر کردہ ضابطۂ حیات اور نظام زندگی ہے جو اصحاب عقل و فکر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ لائحہ عمل کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ دین کو مکمل کر دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اسلام کو ہر لحاظ سے ایک مستقل ضابطہ فکر و عمل اور ایک ایسا مکمل نظام تہذیب و تمدن بنا دیا ہے جس میں زندگی کے تمام مسائل کا حل اصولاً یا تفصیلاً" موجود ہے اور ہدایت و راہنمائی حاصل کرنے کے لیے کسی حال میں اس سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اب دین میں کسی اضافے کسی ترمیم اور کسی تصرف کی گنجائش قطعاً نہیں رہتی۔

اسلامی میں ضابطۂ حیات کا سرچشمہ قرآن مجید ہے جس میں اجمالی احکام و قوانین اور قواعد و ضوابط مذکور ہیں اور اس اجمال کی تفصیلات سرور کائنات سید المرسلین خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ آپ نے اپنے اسوہ حسنہ اور اپنے اعمال و احکام سے سنت نبوی قائم کر دی اور اس کی پوری تفصیلات کتب حدیث بالخصوص صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ بعد ازاں ہنگامی اور مقامی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اجماع اور قیاس نے راہ ہموار کر دی۔ شریعت اسلامی کے احکام و قوانین کی پوری تفصیلات ہمارے قابل احترام فقہا اور محدثین نے کتب فقہ و حدیث کے متون اور ان کی شروح میں بھی محفوظ کر دیں تاکہ ان کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک انسان اپنی زندگی میں جن مسائل سے دوچار ہوتا ہے وہ یہ ہیں: عقائد' عبادات' اخلاق' مسائل' نکاح و طلاق اور نان و نفقہ وغیرہ' معاملات از قسم خرید و فروخت' ٹھیکا' تجارت اور شرکت وغیرہ' احکام قصاص و قتل وغیرہ' صلح و جنگ کے احکام' حقوق و فرائض اور شوریٰ وغیرہ کے احکام' مسائل وراثت۔ یہ تمام مسائل قرآن مجید میں اجمالی صورت میں اور کتب حدیث و فقہ میں تفصیلی صورت میں

Marfat.com

محفوظ ہیں۔ عقیدے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو اسلام کی اساس و بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار اور پھر زندگی بھر اس پر قائم و عامل رہنا بڑا ضروری عقیدہ ہے۔ عبادات میں نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج شامل ہیں۔ اس میں بھی نماز پنج گانہ اساسی طور پر اہم ہے۔ نماز کو دین کا ستون اور مومن کی معراج کہا گیا ہے۔ عقیدے کا تعلق فرد سے بھی ہے اور قوم سے بھی۔ اسی طرح نماز کی اہمیت انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔

مالی معاملات میں اسلام نے جائز اور حلال طریقوں سے حصول روزی کی اجازت دی ہے اور حرام اور ناجائز طریقوں سے حصول رزق کی ممانعت کر دی ہے۔ ایک دوسرے کا مال ہڑپ کر جانے کی سخت وعید آئی ہے۔ امانتوں کو ان کے مالکوں کے سپرد کرنا' یتیموں اور نابالغوں کے مال کی حفاظت کرنا' قرض کا ادا کرنا سب دین کا حصہ ہیں۔ اس سلسلہ میں زکوٰۃ کا ذکر ضروری ہے۔ مالداروں کے مال میں غریبوں اور مسکینوں کا حق ادا کیا جاتا ہے اور اس طرح ضرورت مند طبقے کی ضرورتوں کو پورا کر کے افلاس و غربت کے خاتمے کی طرف قدم اٹھایا جاتا ہے۔

عائلی معاملات' مثلاً مسائل نکاح' حقوق والدین' حقوق اولاد' حقوق اقارب' افراد خاندان سے تعلق' حسن سلوک اور صلہ رحمی سب چیزیں اسلامی ضابطۂ حیات میں شامل ہیں۔ قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازدواجی زندگی کی بیاد محبت و مودت' شفقت و رحمت اور حسن سلوک کو قرار دیا ہے۔ نکاح و طلاق' مہر و نفقہ' رضاعت' عدت وغیرہ کے مسائل و احکام قرآن' قرآن و حدیث اور کتب فقہ میں بڑی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

اسلام کے قانون وراثت میں بھی ہزاروں خوبیاں ہیں۔ اس سے ایک طرف تو ارتکاز دولت کا خاتمہ ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ نظام وارثوں اور قریبی رشتے داروں کی ضرورتیں پوری کرنے کا ذریعہ ہے۔ وراثت کے سلسلے میں بھی اسلامی ضابطہ حیات میں عورتوں کے حقوق کی نگہداشت کی گئی ہے۔ جس طرح اسلام نے عورتوں کو ملکیت' خلع

Marfat.com

اور گواہی کے حقوق دیئے ہیں۔ اسی طرح وراثت میں بھی عورتوں کو حقدار اور حصے دار ٹھہرایا ہے۔ ایک عورت بحیثیت ماں، بحیثیت بیوی، بحیثیت بہن اور بیٹی میراث کی حصے دار ہے۔ قانونی وارثوں کے علاوہ غیر وارث رشتے داروں اور غربا مساکین سے بھی حسن سلوک کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک مالدار آدمی کو یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی جائداد کا ایک تہائی حصہ رفاہ عامہ اور نیکی کے کاموں میں خرچ کر سکتا ہے۔

چونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس لیے اسلامی شریعت میں جرائم اور ان کی سزاؤں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اسلام انسانوں کی فلاح و بہبود چاہتا ہے اور معاشرے میں امن و امان اور صلح و سلامتی کی فضا پیدا کر کے، عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا اسلام کا اولین مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جرائم کی روک تھام کے لیے ایسی سزائیں تجویز کی گئی ہیں جو عبرتناک اور سنگین ہیں ان سزاؤں کی موجودگی اور ان پر عمل درآمد کرنے سے معاشرہ جرائم سے بہت جلد پاک ہو جاتا ہے۔ یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اسلام کے پیش نظر معاشرے کی فلاح و بہبود ہے اور وہ اسلامی ملک میں بسنے والے ہر انسان کے لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر جان و مال ک حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جو قانون عزت، ناموس اور جان و مال کی حفاظت کی ضمانت نہ دے سکے وہ قطعاً لائق تحسین اور قابل قدر نہیں ہو سکتا۔ قتل، چوری، ڈاکہ، زنا، تہمت (قذف)، شراب نوشی وغیرہ سے متعلق اسلامی قوانین اسی لحاظ سے قابل قدر ہیں کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کو جرائم سے پاک کر کے عدل و انصاف قائم کیا جائے اور انسانی عزت و شرافت اور وقار و احترام کو برقرار رکھا جائے۔ جس طرح یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ اسلامی قانون کا مقصد جان ومال، عزت، و ناموس دین و عقیدہ فکر و عقل اور نسل انسانی کی حفاظت کرنا ہے اسی طرح یہ بھی تسلیم شدہ بات ہے کہ قانون اسلامی انسانیت کے لیے رحمت ہے۔

اسلامی ضابطہ حیات میں حسن اخلاق کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ اخلاق کا بہترین نمونہ ہیں۔ آپ نے حسن خلق کو دین و ایمان کا حصہ

Marfat.com

قرار دیا ہے اور خندہ پیشانی سے پیش آنے کو نیکی ٹھہرایا ہے۔

اسلام نے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا ہے جس کا ہر فرد دوسرے فرد کا بھائی ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ہمدرد اور غمگسار ہیں اس معاشرے میں امیر اور غریب میں کوئی تمیز نہیں۔ اعلیٰ و ادنیٰ بحیثیت شہری سب برابر ہیں دولت اور منصب اپنی جگہ' اللہ تعالیٰ نے عزت و احترام کا حقدار اسے ٹھہرایا ہے جو اپنے چلن میں متقی پرہیزگار اور خدا ترس ہے۔ شرافت کا معیار تقویٰ اور نیکی ہے۔

اسلامی معاشرے کو حکم ہے کہ وہ غیر مسلم افراد اور اقوام سے بھی نیک سلوک اور اچھا برتاؤ کرے۔ ان کے حقوق کی حفاظت کرنا' ان کے جان و مال اور مذہب کی حفاظت کرنا بھی اسلامی معاشرے کا فرض ہے۔

اسلامی ضابطہ حیات کے مطابق حکومت کا فرض ہے کہ احکام الٰہی کے تحت دین و دنیا کے معاملات میں مختلف طبقات کے درمیان عدل و انصاف کے اصول پر مساوات اور خوش حال زندگی کے نظام کو قائم کیا جائے۔

اسلامی ضابطۂ حیات میں عفو و کرم' رحمت و محبت اور لطف و مہربانی کو بھی بڑی اہمیت دی گئی ہے ہر مسلمان کو ان اوصاف کا پیکر بن جانا چاہیے۔ ظلم و جور اور ناانصافی کے لیے اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔

فوج بھی اسلامی معاشرے کا ایک اہم جز ہے ایک موقع پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسلامی فوج کا موقف بیان کرتے ہوئے اسے خدا کی فوج کہا اور فرمایا کہ فوج عوام کا قلعہ ہے حاکم کی زینت ہے۔ دین کی قوت ہے' امن کی ضمانت ہے' عوام کا قیام فوج ہی سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فوج کے لیے ایسے پاک دل اور بے داغ لوگوں کو منتخب کرنا چاہیے جو ہمت و شجاعت اور جود و سخاوت سے آراستہ ہیں۔ نیز فرمایا کہ فوج کی ضرورتوں کا پورا خیال رکھنا چاہیے تاکہ وہ پوری یکسوئی سے اپنے فرائض میں منہمک رہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لیے زندگی

Marfat.com

کے ہر شعبے اور ہر دور میں رہنما اصول بتا دیئے ہیں۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو حکم ہے کہ اس کے کان میں اذان دی جائے اور دنیا میں آنکھ کھولتے ہی اسے اللہ کی بڑائی اور وحدت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ نیز نماز کی حقیقت اس کے کان میں ڈال دی جاتی ہے۔ ساتویں دن اس کے سر کے بال مونڈ دیئے جائیں اور عقیقہ کیا جائے۔ پھر ختنہ کرنا بھی ضروری ٹھہرایا گیا۔ بچے کی تربیت خوراک اور صحت کے احکام بتا دیئے۔ حکم دیا کہ زندگی کے ہر مرحلے پر بچے کو اسلامی ضابطہ حیات سے آشنا کرتے رہنا چاہیے۔ نماز کے ساتھ قرآنی تعلیم کو اس کی تعلیم کا ضروری حصہ قرار دیا۔

اسلام نے ہمیں ایک تہذیب اور ایک تمدن عطا کیا ہے۔ اسلام نے ہمیں رہنے سہنے کھانے پینے اور مرنے جینے کے آداب سکھائے ہیں۔ حکم دیا ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ پیو اور بائیں سے کھانے پینے سے ممانعت کر دی۔ وضو کے طور طریقے' نہانے کے آداب و مسائل شادی بیاہ کے احکام' میت کے غسل اور تجہیز و تدفین کے مسائل غرضیکہ ہر مرحلے پر ہماری رہنمائی کی ہے۔ فرد' خاندان اور معاشرہ سب کا اسلام نے خیال رکھا ہے۔

خاندان میں ماں باپ کی عزت تکریم' ان کی اطاعت و فرماں برداری' ان کی دلجوئی ان سے حسن سلوک اور نرم گفتاری کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ معاشرے میں بزرگوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں پر رحم و کرم کرنے کو اسلام کا امتیازی نشان ٹھہرایا۔ غریبوں' بے کسوں اور مسکینوں سے حسن سلوک کرنا لازمی قرار دیا۔ آپس میں محبت و شفقت بڑھانے کے لیے ایک دوسرے کو سلام کرنا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا' حاجت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا اسلامی شعار ٹھہرایا گیا۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

مسجد کی عسکری اہمیت

سب سے پہلے یہ تو بات یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام جنگ و جدال کا مذہب نہیں ہے' بلکہ بنیادی طور پر صلح و سلامتی اور امن و آشتی کا مذہب ہے۔ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین ہیں اور آپ دنیا کے لیے رحمت کا پیغام لے کر آئے۔ لڑائی اور جنگ کی خاطر تشریف نہ لائے۔ اسلام کی جنگیں مجبوری کی بنا پر لڑی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ آکر جنگ کی' یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی چارہ کار نہ رہا تو دشمنان دین کی شرارتوں اور سازشوں کو روکنے کے لیے آپؐ کو میدان جنگ میں اترنا پڑا۔

دوسری بات یہ ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ اسلام میں مسجد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مسجد بذات خود ایک ادارہ اور انسٹیٹیوشن (Institution) ہے' مسلمان جہاں گئے اور جن جن علاقوں کو فتح کیا اور جس جس جگہ اپنی چھاؤنیاں اور بستیاں آباد کیں وہاں سب سے پہلے ایک مسجد تعمیر کی۔ برصغیر پاک وہند میں بھی جب مسلمان محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی زیر قیادت سندھ کے علاقوں کو مسخر کر لینے کے بعد ملتان کو فتح کرتے نظر آتے ہیں تو انہوں نے پہلا کام یہی کیا کہ ہر جگہ مسجد کی بنیاد رکھی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکے سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو سب سے پہلے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں رونق افروز رہے اور مسجد کی تعمیر کے بعد آپ نے اپنی رہائش کے لیے ایک کمرہ بنوایا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں سات مہینے قیام فرمانے کے بعد آپؐ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

عہد نبویؐ میں نماز پنجگانہ کے علاوہ تمام مشورے' اجلاس و اجتماع اور وفود کا قیام

Marfat.com

مسجد نبوی میں ہوتا۔

مسجد کی دینی اہمیت تو ظاہر ہے کہ ہم اس میں پانچوں وقت نماز ادا کرتے ہیں۔ مسجد کی ایک عسکری اہمیت بھی ہے۔ اس عسکری اہمیت کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ نماز بذات خود عسکری اہمیت کی حامل ہے۔ مؤذن کی اذان سن کر مسلمان مسجد کی طرف لپکتے ہیں۔ سب مل کر ایک امام کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں۔ امام حکم دیتا ہے تو ہم قیام میں بالکل سیدھے کھڑے رہتے ہیں۔ وہ حکم دیتا ہے تو ہم سب رکوع میں جھک جاتے ہیں۔ وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے تو ہم پھر سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ حکم دیتا ہے تو ہم سب مسجد میں زمین پر گر پڑتے ہیں۔ وہ حکم دیتا ہے تو ہم سب سجدے سے اٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اول سے آخر تک سارے کا سارا عمل ایک عسکری تربیت ہے۔ قیام' رکوع' سجدہ' سب حالتوں میں امام کی اطاعت فرض ہے۔ ہم کسی حالت میں بھی اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ عبادت اور فرض کی بجاآوری کے ساتھ ہی اس سے ایک طرف تو امام اور کمانڈر کی اطاعت اور فرمانبرداری کا سبق ملتا ہے اور دوسری طرف اس میں جسمانی ورزش اور عسکری ڈسپلن کا پہلو بھی ظاہر ہے۔ اگر کبھی امام غلط حکم دے' یعنی کہیں اس سے بھول اور سہو ہو جائے تو تمام نمازی اس کی بھول اور سہو میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ گویا یوں سمجھیے کہ نماز ہی وقت کی پابندی اور امام کی اطاعت سکھاتی ہے۔ جو ایک سپاہی اور فوجی کے لیے لازمی ہے۔ نماز ہمیں عزم و ارادے کی پختگی کا سبق دیتی ہے۔ سخت دھوپ ہو یا بارش' ہمیں مسجد میں جا کر امام کی اطاعت میں نماز ادا کرنا ہوتی ہے اور یہی وہ سبق ہے جو ایک فوجی سپاہی کی زندگی کا نصب العین ہوتا ہے۔

جس طرح فوج ملکی سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے اسی طرح مسجد اخلاقی سرحدوں اور اعلیٰ قدروں کی حفاظت کرتی ہے۔ اور ہمیں ہر برائی اور عیب سے روکتی ہے۔ جس طرح فوج مصیبت اور المیہ کے وقت قوم کے کام آتی ہے اسی طرح مسجد مصیبت زدہ افراد کے کام آتی ہے۔ محتاجوں اور مستحق لوگوں کی امانت مسجد کے ذریعے باآسانی ہو جاتی ہے۔ مسجد کی عسکری اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ عہد نبوی میں تمام غزوات اور جنگوں کے

Marfat.com

لیے مشورے اور تیاریاں مسجد نبوی میں ہوتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد ہی میں بنفس نفیس جہاد کے لیے وعظ فرماتے' فوجی ضرورتوں کے لیے چندہ (فنڈز) کی اپیل کرتے اور سامان جنگ کی فراہمی کے لیے ضروری ہدایات دیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کم و بیش ستائیس چھوٹے بڑے معرکوں اور مہموں میں بنفس نفیس شرکت فرمائی اور ۳۸ جنگوں اور مہموں پر لشکر روانہ فرمائے۔ ان سب کا انتظام و اعلان مسجد نبوی ہی میں ہوتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت مسجد میں امام بھی تھے اور خطیب بھی۔ آپ روحانی پیشوا اور پیغمبر آخر الزمان' سید المرسلین اور ختم الرسل بھی تھے اور میدان جنگ میں قائد لشکر اور سپہ سالار بھی۔ مسلمان عربوں کی عسکری تربیت میں آپؐ نے بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔ بعض جنگوں میں دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بالکل نئے انداز اختیار فرمائے اور نئے اسلوب اپنائے۔ بدر و احد کے معرکے آپ کی عسکری قیادت کے شاہد عادل ہیں۔ جنگ احزاب میں مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے خندق کھود کر آپؐ نے طائف والوں کی سرکوبی کی ٹھانی اور ان کے عزائم کو ناکام بنانے کے لیے طائف کا محاصرہ کیا تو فنون جنگ کے نئے تجربات کیے۔ آپؐ نے عرب کی جنگوں میں پہلی مرتبہ منجنیق کا استعمال کیا۔ منجنیق ایک قلعہ شکن آلہ تھا جس کے ذریعے پتھر پھینکے جاتے تھے اور قلعے اور دیواروں کو گرایا جاتا تھا۔ اسی طرح دبابے بھی استعمال کیے۔ یہ بھی قلعہ شکن آلات تھے۔ آپؐ نے اپنے دو ساتھیوں کو فارس کے علاقے میں بھیجا تاکہ وہ قلعہ شکن آلات کے استعمال میں تربیت حاصل کریں۔ ہم ان آلات کو اس زمانے کی توپیں اور ٹینک کہہ سکتے ہیں۔

عہد نبوی میں جب مختلف قبیلوں کے وفود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وفد کو اس کی سیاسی اور عسکری اہمیت کے پیش نظر مختلف گھروں میں ٹھہراتے' لیکن بعض وفد خاص وجوہ کی بنا پر مسجد نبوی میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ طائف سے بنو ثقیف کا وفد آیا تو آپؐ نے اس وفد کو ٹھہرانے کے لیے مسجد نبوی میں ایک خیمہ نصب فرما دیا۔ یہ وفد ایک ایسے قبیلے کی طرف سے آیا تھا جو

Marfat.com

بڑا جنگجو اور دلیر تھا۔ اس قبیلے نے محاصرہ طائف میں مسلمانوں کا بڑا سخت مقابلہ کیا تھا۔ چنانچہ اس قبیلے کے وفد کو مسجد نبوی میں ٹھہرانے کا خاص مقصد تھا۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے وفود کو بڑے تلطف سے ملتے اور بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ آپؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپؐ حسن اخلاق کے ساتھ ساتھ ان پر اعتماد و اعتبار کا اظہار بھی فرماتے۔ آپؐ اپنے صحابہؓ کو بھی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی قوم کا سردار تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت و تکریم کیا کرو۔ چنانچہ وفد ثقیف کی خدمت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو مقرر فرمایا۔ حضرت بلالؓ صبح کے وقت ان کا ناشتہ تک خود لاتے اور ہر طرح ان کی آسائش کا خیال رکھتے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز نماز عشا کے بعد بنفس نفیس ان کے پاس تشریف لاتے اور بات چیت کرتے۔ باتوں باتوں میں محاصرہ طائف کا ذکر بھی آتا رہا۔

مسجد نبوی کی عسکری اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ عہد نبوی میں جنگوں میں زخمی ہونے والے مجاہدوں میں سے بعض خطرناک مریضوں کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا جاتا تھا۔

جنگ خندق میں حضرت سعد بن معاذؓ زخمی ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مسجد نبوی میں خیمہ لگا دیا اور حضرت رفیدہ اسلمیہ کو ان کی تیمارداری اور مرہم پٹی کے لیے مقرر فرمایا۔ یہ بات تو معلوم ہے کہ عہد نبوی میں خواتین مریضوں کی دیکھ بھال اور زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے اکثر خدمات سرانجام دیتی تھیں۔ بیماروں کی دیکھ بھال اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے والی خواتین میں حضرت رفیدہ خاص طور پر مشہور تھیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بنفس نفیس ان کی تیمارداری کے لیے تشریف لاتے تھے۔

آج تقسیم کار کے اصول کے تحت الگ الگ محکمے اور شعبے قائم ہیں۔ فوجی سپاہیوں کے قیام کے لیے چھاؤنیاں ہیں۔ مریضوں اور زخمیوں کے لیے ہسپتال ہیں۔ وفود

Marfat.com

کے قیام کے لیے بڑے بڑے ہوٹل۔ اس کے باوجود مسجدوں کی عسکری اہمیت اب بھی قائم ہے۔ مسجدوں میں جہاد کے خطبے ملک وملت کی حفاظت کے لیے ترغیب اور جنگ کے وقت اپنے مجاہدوں کی فتح و نصرت کے لیے دشمن کی ہزیمت' ناکامی اور نامرادی کے لیے رب ذوالجلال کے حضور میں دعائیں کر کے یہی مساجد ایک عسکری فضا قائم رکھتی ہیں اور مسجد کے نمازیوں کو میدان جنگ میں لڑنے والے مجاہدوں سے قریب تر کر دیتی ہیں۔ عسکری جذبہ تازہ رکھنے اور جوش جہاد پیدا کرنے کے لیے مسجدیں آج بھی اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

OOO

Marfat.com

حصولِ تقویٰ.....خشیتِ الٰہی

اس عنوان پر پروفیسر صاحب کے تین مضامین و خطبات دستیاب ہیں' چونکہ بعض بنیادی باتوں میں اتفاق و اشتراک کے باوجود نتائج و ثمرات اور انداز بیان میں فرق ہے' اس لیے یہ تینوں ہی شامل اشاعت کیے جا رہے ہیں..... (مرتب)

لفظ تقویٰ وقایہ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں کسی شے کو ہر ایذا اور تکلیف دینے والی چیز سے بچانا' ضرر رساں چیز سے اسکی حفاظت کرنا۔ تقویٰ کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ دینی معاملات میں ہر اس بات اور فعل سے اجتناب کیا جائے جس سے نقصان یا ضرر یا پشیمانی کا خدشہ ہو۔ اس میں فضول باتیں اور گناہ و معصیت کے کام سب شامل ہیں۔ تقویٰ کے مفہوم میں خوف خدا' خشیت الٰہی' اطاعت و عبادت' ترک معصیت' اعمال و اقوال میں اخلاص' احکام دین کی معرفت' اوامر شریعت پر سختی سے کاربند ہونا اور عقیدہ توحید پر یقین محکم سب شامل ہیں۔ دوزخ کے عذاب سے ڈر کر نیکی کی طرف راغب ہونا اور جنت کے خوش کن اور جاذب نظر' حسین مناظر پڑھ کر اور سن کر نیکوکاری' پرہیزگاری' راست بازی اور اخلاص کی زندگی بسر کرنا بھی تقویٰ ہے۔ مختصراً یہ کہ اس دنیا میں اپنے دامن کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی اور گناہوں سے اس طرح بچا کر نکل جانا تقویٰ ہے۔ جس طرح ایک راہگیر خار دار جھاڑیوں سے اپنے دامن کو سمیٹ کر نکل جاتا ہے۔

تقویٰ کا عام فہم مفہوم اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر بیان کیا جاتا ہے جو کسی حد تک مطلب و معنی خیز بھی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال میں ایک ہیبت اور خوف کا پہلو بڑا نمایاں ہے۔ اس کی ناراضی اور غصے کا ڈر' اس کے غیظ و غضب' دوزخ کی آگ' قبر کے عذاب اور اسی قسم کے دوسرے خوف ایک طرف تو انسان کے رویئے اور طرز

Marfat.com

عمل میں انقلاب پیدا کرنے کے موجب ہوتے ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ سے محبت کا باعث بھی بنتے ہیں۔ اردو میں تو ہم تقویٰ کا مفہوم ادا کرنے کے لیے ڈر' خوف' خشیت اور ہیبت وغیرہ الفاظ استعمال کر لیتے ہیں' لیکن دراصل اہل زبان اور ماہرین لغت عرب کے نزدیک ان الفاظ میں ایک لطیف سا فرق موجود ہے۔ خشیت تو خوف اور تعظیم کے امتزاج کا نام ہے' جس کے ساتھ علوم و معرفت بھی ضروری ہے۔ اسی طرح ہیبت ایسا خوف ہے جس کے ساتھ و عظمت و جلالت' رعب اور محبت وابستہ ہے۔ خوف والا انسان اپنے آپ کو بے سہارا محسوس کر کے پناہ تلاش کرتا ہے جب کہ صاحب خشیت کو علم کا سہارا حاصل ہوتا ہے۔ تقویٰ ایک جامع اصطلاح ہے جو خوف و خشیت اور ہیبت و محبت کا حسین امتزاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل تقویٰ کو اعتماد و یقین کی دولت زیادہ حاصل ہوتی ہے اور وہ کبھی شک اور تذبذب کا شکار نہیں ہوتے۔

اہل لغت کی نکتہ آفرینیوں سے قطع نظر قرآن مجید میں خوف اور خشیت کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے بکثرت استعمال ہوتے ہیں مثلاً:

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران' ۳ : ۱۷۵)' یعنی اگر تم ایماندار ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا (الاعراف' ۷: ۵۵)' یعنی اللہ سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ' (المائدہ' ۵: ۳۱)یعنی میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ ان آیات میں اللہ کے خوف کی بات کی گئی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں کئی مقامات پر خشیت الٰہی کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "بعض پتھر بھی ایسے ہیں جو اللہ کی خشیت اور ڈر سے گر پڑتے ہیں۔" مطلب یہ ہے کہ جب پتھروں جیسے بے جان چیز پر خشیت الٰہی کا اتنا اثر ہے تو اشرف المخلوقات انسان کیوں اس تاثر سے محروم ہے۔ (البقرہ' ۲: ۷۴) میں فرمایا کہ ان ظالم لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ہی ڈرو۔ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ (البقرہ' ۲: ۱۵۰) وہ متقی لوگ ہی ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ پیغمبروں ایسے پاکباز اور اہل تقویٰ بھی ہیں جو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہ (الاحزاب' ۳۳:۳۸) ایک مقام پر یہ بھی فرمایا کہ اللہ کا زیادہ حق ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ (الاحزاب' ۳۳:۳۷)' یہ بھی ارشاد ربانی ہے کہ اللہ سے تو اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُ (الفاطر' ۳۵:۲۸) قرآنی اصطلاح میں خوف اور خشیت دونوں اللہ تعالیٰ کے ڈر کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

صاحب تقویٰ کو متقی کہتے ہیں۔ اور اس کی جمع متقین ہے۔ قرآن مجید نے ایک اصولی بات بیان کی ہے کہ قرآن مجید کتاب ھدایت ہے اور اس سے وہی لوگ ہدایت و راہنمائی حاصل کرتے ہیں جو متقی ہیں' یعنی جن کے دلوں میں خوف خدا اور خشیت الٰہی موجود ہے۔ صاحب تقویٰ کے اوصاف کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے ازخود وضاحت فرما دی۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (البقرہ' ۲: ۳) صاحب تقویٰ وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو کتاب رشد و ہدایت قرار دیا اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے شرائط و صفات کو ضروری ٹھہرا دیا۔ ان صفات کے حامل کو متقی (یعنی صاحب تقویٰ) کے نام سے موسوم کیا۔ یہ متقی انسان پرہیزگار ہوتا ہے نیکی اور بدی کو پہچانتا ہے۔ اچھائی اور برائی میں امتیاز کر سکتا ہے۔ یہ صاحب تقویٰ انسان گناہوں سے بچتا ہے۔ اچھے کاموں کی طرف راغب ہوتا ہے۔ خوف خدا اس کے دل میں بستا ہے۔ معصیت اور نافرمانی سے اجتناب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ڈر اس کا اوڑھنا بچھونا بن جاتا ہے۔

حصول تقویٰ کے لیے ایمان بالغیب ضروری ہے' یعنی انسان بن دیکھے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر' اس کے فرشتوں پر' وحی الٰہی پر' جنت اور دوزخ وغیرہ پر ایمان لائے۔ اس صاحب تقویٰ انسان نے ان میں سے کسی حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو نہیں' لیکن اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر اعتماد کامل اور یقین محکم

Marfat.com

ہے اور چونکہ آپ نے ان چیزوں کی خبر دی ہے اس لیے یہ حقائق برحق ہیں۔ ایمان بالغیب سے ایک گونا اعتماد پیدا ہوتا ہے جس سے سکون قلب میسر آتا ہے انسان ایمان بالغیب کی بدولت تذبذب اور شک و شبہہ سے نجات حاصل کرلیتا ہے۔ حصول تقویٰ کے لیے یہ بھی لازمی امر ہے کہ ایمان و اقرار کے بعد نیک اور صالح انسان اطاعت و فرماں برداری کا فوری اظہار کرے اور عملی اطاعت کی سب سے بڑی اور اہم علامت نماز ہے۔ حصول تقویٰ کی اہم شرط یہ ہے کہ نماز پنج گانہ باجماعت اور خشوع و خضوع کے ساتھ مطلب و مفہوم سمجھتے ہوئے ادا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر اتنا عجز و نیاز ظاہر کیا جائے کہ گویا وہ سامنے نظر آ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت طاری نہ ہو سکے تو پھر کم از کم اتنا ضرور ہو کہ وہ ذات قدوس مجھے دیکھ رہی ہے۔ میں اس کی نظروں کے سامنے ہوں۔ اس کی اس کیفیت سے خشوع و خضوع اور عجز و انکسار بڑھ جاتا ہے۔

حصول تقویٰ کی ایک شرط یہ ہے کہ آدمی خود غرض اور خود پسند نہ ہو' بلکہ حرص و آز سے بری ہو۔ اس پر دولت کی محبت اتنی غالب نہ آ جائے کہ اپنے بھائیوں اور ہم جنسوں کی تکلیف اور دکھ میں اس کی دولت کوئی کام نہ آ سکے۔ اہل تقویٰ وہ انسان کہلانے اور بننے کا مستحق ہے جو اللہ کی دی ہوئی دولت کو اللہ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر اللہ کی مخلوق پر خرچ کرتا ہے۔ اہل تقویٰ بخیل اور کنجوس نہیں ہوتا۔ وہ دولت کو ذاتی اور دائمی ملکیت نہیں سمجھتا۔ وہ روپے پیسے کو امانت تصور کرتا ہے اور جب اور جہاں ضرورت ہوتی ہے: ملی' وطنی اور قومی کاموں میں حسب توفیق بے دریغ خرچ کرتا ہے اور خرچ کرنے کے بعد دلی مسرت اور سکون محسوس کرتا ہے۔

حصول تقویٰ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں کی تصدیق کرے۔ قرآن مجید کو سرچشمہ ہدایت تسلیم کرے۔ اس کتاب مقدس کو وحی الٰہی مانے۔ حصول تقویٰ کے لیے عقیدۂ آخرت پر ایمان و ایقان بھی نہایت ضروری ہے۔ عقیدہ آخرت کے معنی یہ ہیں کہ یہ دنیا فانی ہے اس کے لیے نظام کائنات کا وقت مقررہ کے بعد خاتمہ ہو جائے گا۔ ساری نوع انسانی کو دوبارہ زندگی عطا کر کے اپنے حضور

Marfat.com

جمع کرے گا۔ پھر ہر ایک انسان سے اس کے اعمال و افعال کا حساب لے گا۔ اور ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دے گا۔ نیکو کار لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ جہاں ہر قسم کی نعمتیں اور آسائشیں میسر ہوں گی۔ اور بدکار لوگوں کو دوزخ میں ڈالے گا۔ ان صفات کے حامل صاحب تقویٰ یعنی متقین ہی ہدایت یافتہ ہیں اور یہی لوگ ہیں حقیقی معنوں میں دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی سے نوازے جانے والے ہیں۔

حصول تقویٰ کا ایک اہم طریق کار یہ ہے کہ انسان زندگی کو اپنے خالق حقیقی کی بندگی اور عبادت میں صرف کر دے۔ یعنی احکام الٰہی اور شریعت اسلامی کو اپنی زندگی پر پوری طرح نافذ کر دے۔ اس سے انسان تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو جاتا ہے ارشاد ربانی ہے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ ۲: ۲۱) یعنی اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم عذاب سے بچ جاؤ۔ یہاں یہ نکتہ بیان ہوا کہ اہلِ تقویٰ کو دوزخ سے بچا لیا جائے گا۔ اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا کہ مسلمانو تم پر رمضان کے روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جس طرح پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے اور اس کا فائدہ اور مقصد یہ بتایا کہ تم متقی اور اہل تقویٰ بن جاؤ۔ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ ۲: ۱۸۳) صاحب تقویٰ لوگوں کے لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات کی بشارتیں سنائی گئی ہیں۔ قرآن مجید کے اپنے الفاظ میں سنیے' فرمایا: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰی (یونس: ۶۳ یعنی تقویٰ کا انعام اللہ تعالیٰ کی نصرت و اطاعت ہے۔ سورۃ النحل (آیت ۱۲۸) میں فرمایا اِنَّ اللّٰہ مع الَّذِیْنَ اتَّقَوْا۔ تقویٰ کے صلے میں علم و حکمت عطا ہوتا ہے۔ جس کے سبب فرقان اور نیک و بد میں تمیز کا ملکہ پیدا ہوتا ہے فرمایا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (الانفال ۸: ۲۹)' یعنی تقویٰ گناہوں کے کفارے کا موجب بن جاتا ہے اور بندے کے اجر میں ایسا اضافہ ہوتا ہے جس سے انسان کی عظمت بڑھ جاتی ہے ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا (الطلاق' ۵:۶۵)۔

Marfat.com

تقویٰ مغفرت اور بخشش کا موجب ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الانفال ۸: ۶۹) جو آدمی تقویٰ اختیار کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے کام میں آسانی اور سہولت پیدا کر دیتا ہے فرمایا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (الطلاق ۶۵: ۴) تقویٰ ایسی عظیم نعمت ہے کہ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ رنج و غم سے نجات دیتا ہے' رزق میں فراخی اور کشائش پیدا کرتا ہے اور ایسے وسائل اور ذرائع سے رزق عطا کرتا ہے جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے' ارشاد ربانی ہے۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق' ۶۵: ۲) نیز اہل تقویٰ کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو جاتی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (توبہ' ۹: ۴) تقویٰ اپنے ساتھ کامیابی و کامرانی اور فوز و فلاح لاتا ہے: وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ (الزمر) نیز فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (البقرہ' ۲: ۱۸۹) تقویٰ حاصل ہو جائے تو عذاب و اذیت سے نجات مل جاتی ہے۔ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا (مریم)۔ یعنی تقویٰ صدق و صفا کی شہادت ہے۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرہ' ۲: ۱۷۷) تقویٰ عزت و کرامت اور شرف و بزرگی کی نشانی اور علامت ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات' ۴۹: ۱۳) تقویٰ صدقات کی قبولیت کی ضمانت ہے۔ ارشاد ہے۔ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (المائدہ' ۵: ۲۷)' تقویٰ حاصل ہو جائے تو خوف و خطرہ اور حزن و غم مٹ جاتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (الاعراف' ۷: ۳۵)' یعنی جس کسی نے تقویٰ اختیار کیا اسے نہ صرف یہ بلکہ امن و سکون کی زندگی نصیب ہو جاتی ہے اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ (الدخان' ۴۴: ۵۱)

تقویٰ جنت اور اس کی بے بہا اور بے شمار نعمتوں کی راہ ہموار کرتا ہے' فرمایا: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (الحجر' ۱۵: ۴۵) اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا (النباء' ۷۸: ۳۱) اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانیوں کی قدر و منزلت وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے پاس دولت علم و تقویٰ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاحب تقویٰ اہل ایمان کو اپنا دوست اور ولی قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں کو خوف و خطرہ اور حزن و غم سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ٹھہرایا ہے اَلَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ

اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون الذین امنو و کانو یتقون۔

تقویٰ، خوف خدا اور خشیت الٰہی کا ثمر عمل صالح ہے اور صالح اعمال سے دنیا میں اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے، قلبی اور ذہنی آسائش نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسا پیدا ہوتا ہے اور اس کا نام ہے نفس مطمئنہ۔ یہ تو کیفیت ہے دنیا میں۔ اور آخرت میں جنت کی لاتعداد اور لازوال نعمتوں کا حصول تقویٰ اور خشیت الٰہی کا ثمر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں دولت تقویٰ نصیب فرمائے تاکہ اس کے ثمرات سے بہرہ مند ہو سکیں۔ آمین ثم آمین۔

OOO

Marfat.com

خوفِ خُدا

اسلام ایک ایسا مکمل ضابطہ حیات ہے' جس میں معاشرے کی تمام دینی اور دنیوی ضرورتوں کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ خالق کائنات نے اپنی مخلوق کی بھلائی' رہنمائی اور ہدایت کے لیے وحی و رسالت کا سلسلہ قائم کیا اور انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے اور اپنی کتابیں نازل کیں۔ لوگوں کو رہنے' سہنے' کھانے پینے' کاروبار اور تجارت کے اصول اور گر بتائے۔ عبادت اور بندگی کے طور طریقے سکھائے۔ حلال و حرام میں تمیز کرنے' مل جل کر رہنے' ایک دوسرے کا احترام کرنے اور ایک دوسرے کے حقوق کی نگہداشت کے اصول بتائیے۔ غرضیکہ ہماری معاشرتی' دینی اور اخلاقی اقدار متعین فرمادیں۔

زندگی کے کاروبار کو چلانے اور معاشرے میں توازن و اعتدال برقرار رکھنے کے لیے خوف خدا کو مرکزی حیثیت اور اہمیت حاصل ہے۔

آیئے اب دیکھیں کہ خوف خدا ہے کیا چیز؟

کسی پیش آنے والے خطرے کا اندیشہ خوف کہلاتا ہے۔ خوف خدا کا مطلب یہ ہے کہ جرم و گناہ کی سزا سے ڈر کر انسان گناہوں اور جرائم سے بچتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور حکم عدولی نہ کرے۔ کسی پر ظلم و ستم نہ کرے' کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ کسی کی دل آزاری نہ کرے۔ ناحق کسی کا مال نہ کھائے۔ کسی کے حقوق پامال نہ کرے۔ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرماں برداری کرے۔ اللہ کی مخلوق سے محبت کرے۔ ایک دوسرے سے حسن سلوک کرے۔ غریبوں سے ہمدردی کرے۔ ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کیا جائے۔ رشتے داروں اور ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔

ہر پیغمبر نے آ کر یہی پیغام سنایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ۔ اے لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ اور میری اطاعت کرو۔ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران' ۳:۱۷۵) یعنی اگر تم ایماندار

Marfat.com

ہو تو مجھ سے ڈرتے رہو۔ یہ بھی فرمایا وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ (البقرہ ۲:۴۱) صرف مجھ ہی سے ڈرو
نیز ارشاد ہے: یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ (الزمر ۳۹:۱۶) یعنی اے میرے بندو مجھ سے ڈرتے رہو۔ نیز فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ (النحل ۱۶:۵۱) سو تم لوگ صرف مجھی سے ڈرتے رہو فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (المائدہ ۵:۳)

ان آیات میں اور ان جیسی دوسری بہت سی آیات میں یہی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ دوسری کسی شخصیت سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر یہ فرض عائد کر دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔ سب آیات کا مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو برے کاموں سے بچتے رہنے کی تلقین فرماتا ہے تاکہ وہ گناہوں سے بچ کر اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ سزا و عتاب پر قادر ہے۔ اس نے نیکو کاروں کے لیے جنت تیار کر رکھی ہے اور بدکاروں اور نافرمانوں کے لیے دوزخ کا عذاب۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا اور اس کی فرماں برداری اور اطاعت کرنا ہی خوف خدا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جو شخص گناہوں سے نہیں بچتا اس کا دل خوف سے عاری ہے۔ اور جب دل میں خوف خدا ہی نہ ہو تو پھر معاشرتی اقدار کا لحاظ کس طرح پرورش پا سکتا ہے اور خوف خدا ہو تو معاشرتی اقدار میں تقدس اور رفعت پیدا ہو جاتی ہے۔ کسی کا حق مارنے' مال غصب کرنے اور تذلیل و توہین کرنے کی جرات پیدا نہیں ہو سکتی۔ خوف خدا نیکیوں کی اور برائیوں کی ترغیب کے لیے بڑا کارگر حربہ ہے۔

خوف خدا قلب و نظر کو پاکیزگی اور طہارت عطا کرتا ہے۔ اس سے تزکیہ نفس حاصل ہوتا ہے۔ خوف خدا کی بدولت معاشرتی ناہمواریاں ختم ہو جاتی ہیں اور معاشرتی اقدار کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا خوف' ہدایت اور رحمت کا موجب ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ (الاعراف ۷:۱۵۴)

هدایت و رحمت کے علاوہ' خوف خدا علم کی نشانی ہے۔ علم سے خوف خدا پیدا

Marfat.com

ہوتا ہے' خوف خدا علم میں اضافے کا موجب ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر' ۳۵:۲۸)' یعنی اللہ سے بس علم والے بندے ہی ڈرتے ہیں۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ معرفت الٰہی حاصل ہو جائے تو خوف خدا پیدا ہو جاتا ہے اور جتنا خوف خدا زیادہ ہو گا اتنا ہی معاشرتی اقدار میں توازن و اعتدال قائم رہے گا۔ خوف خدا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ضامن ہے: رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ اور یہ صفت عمل صالح کی دولت سے مالا مال کرتی ہے پھر اس کی جزا جنت اور اس کی بے بہا اور بے شمار نعمتیں ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جنت کا حصول ایمان اور نیک اعمال کے سبب' لیکن ایمان اور نیک اعمال خوف خدا کے بغیر نصیب نہیں ہوتے۔

سورۃ الرحمٰن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے سے ہر وقت ڈرتا رہے اور اس خوف اور ڈر سے اطاعت الٰہی میں لگا رہے تو اس کے لیے دو جنتوں کی بشارت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایسے ایمان دار بندوں کے لیے بہشت کے باغات مقرر کر رکھے ہیں۔ جن کے دلوں میں خوف خدا بستا ہے اور وہ ہر وقت احکام خداوندی پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ انسانی کمزوریوں کے باوجود خوف خدا کا صلہ جنت میں دو باغ ہوں گے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ (۵۵:۴۶)' یعنی جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہے اس کے لیے دو دو باغ ہوں گے۔

اس طرح سورۃ الطلاق میں خوف خدا کا شخصی اور انفرادی فائدہ یہ بیان فرمایا کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کشائش پیدا کر دیتا ہے اور اسے ہر قسم کی مشکلات' دشواریوں اور تنگیوں سے نجات دلا دیتا ہے اور ایسے ایسے راستوں اور وسیلوں سے کھانا پلانا اور رزق دیتا ہے کہ اس طرف انسان کا وہم و گمان بھی نہیں جا سکتا۔ (۶۵:۲'۳)۔ اس سے اگلی آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا کہ جو شخص بھی خوف خدا اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی اور آسائش پیدا کر دیتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات ضرور یاد رہنی چاہیے کہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی زندگی کے ہر شعبے میں اور عمر کے ہر موڑ پر کی جائے۔

Marfat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ: رَأسُ الحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ یعنی خوفِ خدا حکمت و دانائی کا سرچشمہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں۔

خوفِ خدا سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ انسان اور بالخصوص اہل ایمان اپنے مالک و خالق کو پہچان کر اس کی قدرتوں اور طاقتوں کا پورا پورا اعتراف کرتے ہیں اور نافرمانی اور معصیت سے بچ کر اطاعت شعاری اور فرماں برداری کی راہ اختیار کر لیتے ہیں اور اس سے قربِ الٰہی حاصل ہو جاتا ہے۔ خوفِ خدا قلب و نظر میں ایسا نور پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے انسان خیر و شر اور برے بھلے میں باآسانی تمیز کر سکتا ہے۔

یہ خوفِ خدا کا ہی کرشمہ تھا کہ مجرم جرم کرنے کے بعد مسجد نبوی میں حاضر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف و اقرار کرتا ہے اور جرم سنگین ترین سزا کا اپنے لیے مطالبہ کرتا ہے اور سزا پاتے پاتے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دیتا ہے۔

یہ خوفِ خدا کی برکت تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب ایک ماں اپنی بیٹی کو دودھ میں پانی ملانے کے لیے کہتی ہے تو بیٹی جواب دیتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے پانی ملانے کی ممانعت کر دی ہوئی ہے۔ ماں کہتی ہے کہ بیٹی! عمرؓ تھوڑا ہی دیکھ رہا ہے۔ بیٹی بولی اماں جان! عمرؓ نہیں دیکھ رہا تو نہ سہی۔ عمرؓ کا رب تو دیکھ رہا ہے۔
یہ خوفِ خدا ہی کی کارفرمائیاں تھیں کہ راتوں کو دنیا سو رہی ہوتی تھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ محلوں اور بستیوں میں گھوم پھر کر اپنی رعایا کی خبر گیری کر رہے ہوتے تھے۔ اگر کوئی گھرانا ضرورت مند نظر آتا تو اسی وقت اس کے لیے کھانے پینے کا سامان فراہم کر دیتے۔

آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم ان معاشرتی اخلاقی اور دینی اقدار کو اپنائیں جو قرآن و سنت نے ہمیں عطا کی ہیں۔ تاکہ ہمارا معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن سکے۔ آج کل قتل و غارت، ڈاکہ اور چوری، فریب اور دھوکا اس لیے زوروں پر ہے کہ

Marfat.com

ہم نے اس اسلامی اقدار کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے جن کی تلقین کتاب و سنت میں کی گئی تھی۔ ان معاشرتی اخلاقی اور دینی اقدار کے احیا اور ترویج کے سلسلے میں خوف خدا بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ خوف خدا کا جذبہ اور احساس ہماری تمام برائیوں کا خاتمہ کر سکتا ہے۔ حسنِ معاشرت، حسن معیشت، حسن اخلاق اور حسن سلوک سب کا سرچشمہ خوف خدا ہے اور خوف خدا کی بدولت امن و سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ خشیت الٰہی سے محبت الٰہی ملتی ہے، نیز اولیاء اللہ کے مقدس گروہ میں شمولیت نصیب ہوتی ہے۔ پھر دنیا و آخرت کے سب خوف اور اندیشے ختم ہو جاتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔) کہ کان کھول کر سن لو کہ اللہ کے دوست خوف و خطرہ اور فکر و غم سے آزاد ہوں گے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ خوف خدا سے ایمان میں پختگی پیدا ہوتی ہے عمل صالح کی توفیق میسر آتی ہے۔ ذاتی کردار کی اصلاح ہوتی ہے اور معاشرتی اقدار میں درستگی اعتدال اور توازن پیدا ہو کر اپنے آپ کو اور اپنے معاشرے کو امن و سکون اور آرام و راحت نصیب ہوتا ہے۔

○○○

Marfat.com

تقویٰ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے مبعوث ہوئے۔ آپ کا پیغام پوری انسانیت کے لیے ہے۔ آپ نے دنیا میں اتنا بڑا مادی اور روحانی انقلاب بپا کیا کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے انسانوں کی سیرت و کردار میں ایسی نمایاں تبدیلی پیدا کر دی کہ وہ لوگ عالم انسانیت کیلئے ایک نمونہ اور مثال بن گئے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ خود بنی نوع انسان کے لیے بہترین نمونہ تھے اور آپ نے اپنی مثال اور اپنے عمل و کردار سے ایک ایسا معاشرہ پیدا کیا جو دوسروں کے لیے سراپا رحمت' امن و سلامتی اور خوشی و مسرت کا موجب بن گیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اعلان کیا گیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے لیے نہایت اچھا نمونہ ہے: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ۔ تمام اسلامی عبادات میں قلبی احوال اور دلی کیفیتوں کا گہرا تعلق ہے اور یہ تو معلوم ہے کہ اسلام میں جو نیکی کا کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لیے کیا جائے عبادت کہلاتا ہے۔

لغت کے اعتبار سے تو تقویٰ کے معنے پرہیز کرنے' ڈرنے' بچنے اور لحاظ کرنے کے ہیں' لیکن اسوۂ حسنہ کے حوالے سے تقویٰ ایک خاص اصطلاح ہے جو دل کی کیفیت کا نام ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا کر کے دل میں خیرو شر میں تمیز کی خلش اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتی ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ تقویٰ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بنا پر ہر کام میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت و چاہت اور اس کی مخالفت سے شدید بیزاری و نفرت پیدا ہوتی ہے۔

Marfat.com

ایک صاحب دل بزرگ نے اس کا مطلب یوں سمجھایا ہے کہ ایک آدمی کو اگر کسی ایسی تنگ راستے سے گزرنا پڑے جس کے دونوں طرف خار دار جھاڑیاں ہوں اور ہر وقت دامن کا کانٹوں سے الجھ جانے کا خدشہ و خطرہ درپیش ہو تو وہ راہگیر اپنے دامن کو اس طرح سمیٹتا اور بچاتا ہوا نکل جائے کہ کوئی کانٹا اس کے دامن سے نہ الجھ جائے۔ یہی حال ہمارا ہے۔ اس خار زار دنیا میں اپنے دامن کو برائی اور شر کی آلودگی سے بچالیں تو ہم مقام تقویٰ پر فائز ہو سکتے ہیں۔

قرآن مجید کی رو سے تقویٰ کا مرکز دل ہے۔ سورہ حج میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ شعائر الٰہی کی تعظیم دلوں کے تقویٰ کی نشانی اور مظہر ہے: وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ

اسی طرح سورہ حجرات میں فرمایا کہ جو لوگ رسول خدا کے سامنے ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے آہستہ بولتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خوب جانچا ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا احساس بھی تقویٰ کی علامت ہے اور تقویٰ کا مقام و مرکز دل ہے۔

محمدی نظام اخلاق میں تقویٰ سے مراد جس طرح دلی کیفیت ہے' اسی طرح اس کیفیت کے اثر و نتیجہ کو بھی تقویٰ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کے جذبہ تسلیم و رضا ایسی مستحسن روش کو تقویٰ سے تعبیر کرتے ہوئے سورہ فتح میں ارشاد فرمایا کہ ان کو تقویٰ کی بات پر لگا دیا اور وہ اسی کے لائق اور اہل تھے۔ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کا اظہار کرنے کے لیے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صحابہ کرام کے ایک اجتماع میں ارشاد فرمایا کہ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا کہ تقویٰ کا مرکز دل ہے۔

دراصل تقویٰ دل کی اس پاکیزہ اور اعلیٰ کیفیت کا نام ہے جو تمام نیکیوں کی محرک ہے۔ تقویٰ ہی مذہب کی روح ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات کا ماحصل ہے۔ عبادات کی

Marfat.com

غرض و غایت تقویٰ قرار پایا اور اخلاقی تعلیمات کا مقصد بھی۔

اسوہ حسنہ کے حوالے سے یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب و نسب وطن و خاندان اور رنگ و نسل کو یکسر مٹا کر سب انسانوں کو برابر برابر قرار دیا اور شرف و بزرگی اور برتری و فضیلت کا صرف ایک ہی معیار قائم کر دیا اور وہ ہے تقویٰ۔

ارشاد ربانی ہے کہ یہ خاندان اور قبیلے صرف باہم شناخت اور پہچان کے لیے ہیں۔ اور عزت و شرافت اور تعظیم و تکریم کا سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ کا مالک ہے۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں فرمایا کہ میں تم میں سب سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہوں اور میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کو جانتا پہچانتا ہوں۔ آپ کے الفاظ گرامی یہ ہیں۔ انا اتقاکم و اعلمکم باللہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری تعلیمات کا ماحصل تقویٰ ہے۔ جس طرح آپ کے ہر عمل میں تقویٰ کی روح کارفرما تھی۔ اسی طرح آپ کی ہر تعلیم کا مقصد یہ تھا کہ انسانوں کے ہر عمل میں اسی تقویٰ کی روح پیدا کی جائے۔

سورہ البقرۃ میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو۔ اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم تقویٰ والے بن جاؤ۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ اسی طرح رمضان کے روزے رکھنے کی غرض و غایت یہ بتائی کہ تم تقویٰ حاصل کرنے کے لائق بن سکو۔ ارشاد ربانی ہے۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ حج کی غرض و غایت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ دلوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ قربانی کی سلسلے میں بھی ارشاد ربانی یہی ہے کہ اللہ کے پاس جانوروں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، لیکن تمہارا تقویٰ اس کو پہنچتا ہے۔ لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (الحج، ۲۲:۳۷)۔

حج کے سفر اور زندگی کے مراحل میں راستے کا توشہ مال و دولت اور ساز و سامان

سے بہتر تقویٰ ہے۔ فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی (البقرہ ۲:۱۹۷)۔

اسی طرح لباس تقویٰ کو زیب و زینب کے ظاہری لباس پر فضیلت دی: وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ۔ (الاعراف ۷:۲۶) عفو و کرم اور معافی و درگزر کو بھی تقویٰ کا ایک پہلو قرار دیا فرمایا: وَاَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (البقرہ ۲:۲۳۷)۔

قرآن مجید نے اہل تقویٰ کو آخرت کی تمام نعمتوں کا حقدار قرار دیا ہے۔ جس طرح اللہ کی محبت کی علامت تقویٰ ہے اسی طرح فلاح اخروی کامیابی کی ضمانت تقویٰ ہے۔ فرمایا: وَالْعَاقِبَۃُ لِلتَّقْوٰی (طٰہٰ ۲۰:۱۳۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ساری زندگی تقویٰ کا عملی نمونہ ہے۔ پھر آپ نے تقویٰ کا اعلان ہر اہم تقریب پر کیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اپنے اہم خطبے میں اعلان فرمایا کہ اللہ کے نزدیک فضیلت و برتری کا معیار حسب و نصب نہیں بلکہ تقویٰ ہے۔

آپ کا سب سے اہم خطبہ وہ ہے جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا۔ اس میں دیگر امور کے علاوہ آپ نے فرمایا:

> "اے لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اور عورتیں کے حقوق تم پر ہیں۔ تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہاری عزت کی حفاظت کریں۔ ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں اچھی طرح کھلاؤ پلاؤ اور پہناؤ۔ فرمایا کہ عورتوں سے اچھا سلوک کرو اور ان کے بارے میں تقویٰ اختیار کرو یعنی اللہ سے ڈرتے رہو۔"
>
> فَاتَّقُوا اللّٰہَ فِی النِّسَآءِ
>
> پھر فرمایا۔ سب ایماندار آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک دوسرے کا مال ہڑپ کر جانا قطعاً جائز نہیں ہے۔ تم سب کا رب ایک ہی ہے۔ تم سب ایک ہی باپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو۔ اللہ کے ہاں بزرگی و برتری کا معیار تقویٰ ہے۔ کسی عربی کو غیر عربی

Marfat.com

پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت و عزت کا معیار صرف اور صرف تقویٰ ہے۔

آپ کی عادت مبارک تھی کہ کسی شخص کو لشکر کا سردار و امیر مقرر فرماتے تو اسے تقویٰ کی ضرور نصیحت فرماتے۔ نیز آپ ہر معاملے میں تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔

OOO

Marfat.com

رشوت لینے اور دینے والے کا حکم

ارشاد نبوی ہے لعنۃ اللہ علی الراشی والمرتشی' یعنی رشوت دینے اور لینے والے پر اللہ کی لعنت و پھٹکار ہو۔ یہ روایت امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کی ہے۔ دوسری روایت ہے: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی' یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے اور لینے والے کو ملعون ٹھہرایا۔ یہ حدیث امام احمد بن حنبل' الطیالسی' ترمذی' ابو داؤد' اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ نیز امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اسے شامل کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ امام حاکم کے نزدیک بھی یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

رشوت دینے والے کو راشی کہتے ہیں اور رشوت لینے والے کو مرتشی۔ رشوت کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی حاجت برآری یا فضول مقصد کے لیے یا کام نکلنے کی خاطر کچھ مال نقد یا جنس کی صورت میں پیش کرے تاکہ متعلقہ اہل کار یا افسر مجاز وہ رقم لے کر کسی ناحق معاملے یا باطل مقصد میں اس کی مدد کرے۔

اگر کوئی شخص اپنے فرائض منصبی سرانجام دیتے وقت ضرورت مندوں سے کسی قسم کی کوئی رقم اپنی ذات کے لیے طلب یا وصول کرتا ہے تو یہ رشوت ہے۔ سرکاری یا غیر سرکاری ملازم ہونے کی حیثیت میں یہ اس اہل کار کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کے متعلقہ کام بغیر کسی معاوضے کے سرانجام دے۔ اگر کوئی اہل کار اور افسر مجاز رقوم لے کر ناجائز' ناحق اور "باطل کام کر دیتا ہے تو یہ بھی رشوت ہے۔

جو لوگ رشوت دیتے اور رشوت لیتے ہیں ان پر اللہ تعالٰی کی لعنت اور پھٹکار ہوتی ہے۔ لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت اور قرب سے دوری ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں اللہ کی رحمت سے دور کر دیئے جاتے ہیں اور جو اللہ کی رحمت سے محروم ہو گیا تو پھر اس کا ٹھکانا جہنم کے سوا اور کہاں ہو سکتا ہے۔

رشوت قانون کو بے اثر اور انتظامی ڈھانچے کو کمزور کر دیتی ہے۔ رشوت کے باعث عدل و انصاف کے تقاضے مخدوش نظر آتے ہیں۔ اس سے معاشرے میں بے اعتمادی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ رشوت کے باعث حق وانصاف دب جاتے ہیں۔ رشوت کی وجہ سے معاشرتی عدل و انصاف کا حصول' جو ہر انسان کا بنیادی حق ہے' ناممکن ہو جاتا ہے۔ رشوت سے حاصل کیا ہوا مال سراسر حرام ہے۔ اس میں خیر و برکت قطعاً نہیں' ایسا مال اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا باعث ہے۔

جس معاشرے میں رشوت رواج پا جاتی ہے اس معاشرے کی دیانت و امانت کا دیوالیہ نکل جاتا ہے۔ اس میں حق پرستی اور حق پسندی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے وہ معاشرہ انسانیت' شرافت' رحمدلی' ہمدردی سے یکسر بے بہرہ نظر آنے لگتا ہے۔ رشوتی معاشرے میں قیام امن کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ رشوت خور اہل کار ناجائز بلکہ حرام کی روزی کی بنا پر اپنے لیے ایک ایسا خود ساختہ اور پرفریب معیار زندگی بنا لیتے ہیں جو ان کی آئندہ نسلوں کو بربادی اور تباہی کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو ایسا دستور عطا کرتا ہے جس میں ہر فرد کے لیے حق و انصاف کے دروازے کھلے ہیں۔ جس پر حلال و حرام کو الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ اس دستور زندگی کے مطابق حلال کی روزی بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور رزق حرام سے کلی نفرت پیدا کر دی گئی ہے۔ قرآن و سنت میں رزق حرام اور باطل طریق سے مال اکٹھا کرنے کی سخت ممانعت آئی ہے۔ رزق حرام کا انجام دنیا میں مصائب' بیماریاں' اولاد کی طرف سے پریشانی بصورت نافرمانی اور آخرت میں جہنم کی آگ کا عذاب ہے۔ مال حرام میں برکت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ حرام مال میں صدقہ و خیرات بھی قبول نہیں کرتا۔ مال حرام کھانے والے کی عبادت قابل قبول نہیں ہوتی۔ جس شخص کے کھانے پینے اور لباس میں مال حرام کو دخل ہوا اس کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ قیامت کے روز میدان محشر میں اللہ تعالیٰ ہر بندے سے یہ پوچھے گا کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔

Marfat.com

موت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اور بہشت و دوزخ ہمارے، ایمان کا جزو ہے۔ ہم اس عارضی دنیا کی خود فریبی میں کیوں گرفتار ہوں۔ کیوں رشوت لے دے کر اپنی عاقبت خراب کریں؟

رشوت بہت بڑی لعنت کا باعث بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس لعنت سے نجات دے۔ ہمارے معاشرے کو اس لعنت سے پاک کردے تاکہ ہم اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اپنا کر اچھی اور پاکیزہ زندگی بسر کرسکیں۔

OOO

بچوں کے اسلامی نام رکھنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ناموں میں سے محبوب ترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ مسند امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کی ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ احب الاسماء الی اللہ عز وجل عبداللہ و عبدالرحمن، یعنی اللہ بزرگ و برتر کے نزدیک محبوب ترین نام عبداللہ و عبدالرحمٰن ہیں۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: من خیر اسمائکم عبداللہ و عبدالرحمن اس حدیث کی رو سے عبداللہ اور عبدالرحمٰن کو بہترین نام قرار دیا گیا ہے۔

اسلام سے پہلے جزیرۃ العرب میں شرک و بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ عقائد و اعمال کے شرک کے علاوہ مشرکین عرب ناموں کے سلسلے میں بھی مشرکانہ ذہنیت کا اظہار کرتے تھے۔ اپنے بچوں کے نام رکھتے ہوئے قبائل کے سرداروں کی غلامی اور بندگی کا اظہار کرتے۔ جیسے عبدالاشہل' عبد مناف' عبدالاسد' عبدالقیس وغیرہ اور کبھی وہ بتوں کے غلام اور بندے کہلاتے تھے جیسے عبد المغوث' عبدالعزی وغیرہ۔ عرب کے عیسائی عبدالمسیح وغیرہ نام رکھ لیتے تھے۔ ناموں کی یہ تمام صورتیں اور شکلیں اللہ کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ تھیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اہم مقصد اللہ تعالیٰ کی توحید کی تبلیغ تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد و اخلاق و کردار کی اصلاح فرمائی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ واحد پر ایمان و ایقان پیدا کر کے اس کی ربوبیت کا اعلان فرمایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فرد اور ہر قبیلے کو یہ بات سمجھائی کہ خالق کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ہے۔ وہی رازق ہے اور ساری مخلوق کو رزق عطا کرتا ہے۔ وہی اولاد دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے۔ لڑکے دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے۔ جسے

Marfat.com

چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں دونوں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بالکل بے اولاد رکھتا ہے۔ وہی بارش برساتا ہے۔ بیماری اور تندرستی' زندگی اور موت اسی ذات کے دائرہ اختیار میں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدۂ توحید اس طرح دل و دماغ میں نقش فرما دیا کہ کسی قسم کے ذہنی اور فکری شرک کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اسی ضمن میں ناموں کا انتخاب بھی آتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات نو مسلموں کے نام تبدیل کرتے وقت عبداللہ اور عبدالرحمٰن نام تجویز فرماتے تھے۔ نام کے اندر خود بھی ایک جاذبیت اور معنویت پائی جاتی ہے۔ نام سے مذہب و ملت کا پتا چلتا ہے۔ آدمیوں کے نام تہذیب و ثقافت اور کلچر کی نشاندہی کرتے ہیں۔ عبداللہ' عبدالرحمٰن اور اس قسم کے بے شمار دیگر اسلامی نام بین الاقوامی طور پر مسلمانوں کی ثقافت اور ملی و دینی وابستگی کے مظہر ہیں۔

اسلام نے عبودیت اور بندگی کے سارے بندھن توڑ کر ایک مسلمان کا رشتہ عبودیت و بندگی کا رشتہ اس اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیا جو ہم سب کا خالق و مالک ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم خالق و مالک تو اللہ تعالیٰ کو مانیں اور بندگی و عبودیت کا رشتہ استوار کرتے وقت غیر اللہ کی طرف جھک جائیں۔ ہمارے پیغمبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین اور خاتم النبین ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو ایک جامع شریعت اور کامل و مکمل ضابطہ حیات اور دستو زندگی عطا فرمایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے ہر قسم کی ہدایات مرتب فرما دیں۔ زندگی کے ہر مرحلے پر ہماری رہنمائی کے لیے سنہری اصول مقرر فرما دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک ضابطہ یہ ہے کہ ہم بچوں کے نام رکھتے وقت عبداللہ اور عبدالرحمٰن اور اس قسم کے نام تجویز کریں جن سے بندگی کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے قائم ہو۔

○○○

Marfat.com

انسانی صلاحیتوں کا جائز استعمال

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور دستور زندگی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اس کی تعلیم و تربیت کا پورا انتظام فرما دیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کی رہنمائی اور رہبری فرمائی' اسی طرح انسان کی رہنمائی کے تمام ذرائع اور وسائل پیدا کیے۔ دنیا میں کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی گئی۔ ہر مخلوق کی پیدائش کا ایک مقصد ہے اور وہ مخلوق مقصدیت کی بھرپور زندگی بسر کر رہی ہے۔ شہد کی مکھی کو لیجئیے۔ دیکھنے میں تو ایک مکھی ہے' لیکن جس محنت و مشقت سے وہ اپنی زندگی کا مقصد پورا کر رہی ہے اس سے ساری دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ شہد کی مکھی کی محنت کا ثمر اتنا شاندار' خوشگوار اور مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شہد کی افادیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شہد انسان کے لیے صحت بخش اور توانائی سے بھرپور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام بنی نوع انسان سے اپنی ربوبیت کا اعتراف کرایا اور اقرار لیا۔ پھر انسان کو پیدا کرتے وقت یہ بات واضح کر دی تھی کہ اس کی پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ وہ احکام الٰہی کی پیروی کرے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے ذریعے بھیجی ہوئی ہدایت پر عمل کرے۔ انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے بعثت انبیا کا ایک طویل سلسلہ جاری کیا۔ لاتعداد اور بیشمار رسول بھیجے۔ ہر زمانے' ہر قریے اور ہر بستی میں پیغمبر مبعوث فرمائے ان مقدس انبیا نے لوگوں کو خدا کے واحد ہونے کا پیغام سنایا کہ صرف اس کی عبادت کریں اور اس کا کوئی شریک نہ ٹھہرائیں۔ احکام الٰہی کو ماننے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائی اور حکم عدولی اور نافرمانی کرنے والوں کو دردناک عذاب سے ڈرایا۔ پیغمبروںؑ نے آکر بتایا کہ اچھے کام اور نیک اعمال سے اخروی سعادت نصیب ہوتی ہے اور برے کاموں کا نتیجہ بھی برا ہوتا ہے۔ نیکی کامیابی کی ضامن ہے اور برائی کا نتیجہ ہلاکت اور تباہی ہے۔

اس مقدس سلسلۂ انبیا کے آخر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث

Marfat.com

فرما کر آپ کو کتاب ہدایت، یعنی قرآن مجید ایسی نعمت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو صلاحیتیں اور قوتیں عطا کی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ آدمی ان قوتوں اور صلاحیتوں کا جائز استعمال کرے۔ حقیقت میں ہماری یہ چند روزہ زندگی ایک امتحان ہے۔ ہم جس حیثیت میں بھی ہوں اور دوسرے انسانوں سے ہمارے جو بھی تعلقات ہوں وہ سب ایک کڑے امتحان کا درجہ رکھتے ہیں اور یہ سلسلہ امتحان ہماری زندگی کے آخری سانس تک جاری رہتا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ہمیں آخرت میں اپنے خالق و مالک کے سامنے ہر عمل اور ہر بات کا جواب دینا ہے۔ اگر آخرت کی جوابدہی کا عقیدہ اور تصور ذہنوں میں پختہ اور راسخ ہو جائے تو پھر ہم اپنی تمام تر صلاحیتوں کو مفید کاموں میں صرف کریں گے اور کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہو کر دلی خوشی اور روحانی مسرت کی زندگی بسر کر سکیں گے۔ اور اگر آخرت کی جوابدہی کے تصور سے کورے رہے تو پھر مسرت اور خوشی کے بجائے تباہی اور ہلاکت ہمارا مقصد بن جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواس خمسہ سے نوازا۔ بصارت و سماعت اور گویائی کی قوتوں سے بہرہ ور فرمایا۔ عقل و خرد اور غور و فکر کی صلاحیت پیدا فرمائی۔ سوچنے والا دماغ دیا اور علم و عمل کی بے پناہ طاقت عطا کر دی۔ خالق کائنات نے قرآن مجید میں بارہا تفکر و تدبر کی دعوت دی۔ انسانی عقل و شعور کو بار بار پکارا۔ ہر قدم پر سوجھ بوجھ سے کام لینے کی ہدایت فرمائی، تاکہ انسان امتحان دینے کے قابل ہو سکے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان اتنے انعامات کے بعد اپنے کردار و عمل میں کتنا حسن اور کتنی رعنائی پیدا کرتا ہے اور یہ حقیقت تو معلوم ہے کہ حسن عمل، اللہ اور اسکے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع ہی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وحی الٰہی کی اتباع اور پیروی کریں۔ اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اللہ کے رسول کی اطاعت اور تابعداری کریں۔ پیغمبروں نے نیکی اور بدی کی راہیں متعین کر دیں۔ انہوں نے واضح طور پر بتا دیا کہ فسق و فجور کی راہ الگ ہے اور تقویٰ و نیکی کی راہ الگ

Marfat.com

ہے۔ انہوں نے بھلائی اور برائی کی پوری پوری نشاندہی کر دی۔ دلائل و براہین سے حق وباطل کو واضح کر دیا۔ مثالیں دے دے کر نیکی اور گناہ کی حقیقت اور نوعیت سمجھا دی۔

ان سب باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے خود انسان کے اندر ایک نعمت ودیعت کی ہے جسے ضمیر کی آواز یا نفس لوّامہ کہتے ہیں۔ یہ فطرتی محاسب ہے جو ہر انسان کے اندر بیٹھا ہے اور حقائق کو بے نقاب کرتا رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بے شمار نشانیاں ہمارے اردگرد پھیلا رکھی ہیں جو حقائق کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ اور پکار پکار کر نیکی کی طرف بلاتی ہیں اور برائی سے روکتی ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انبیائے کرامؑ نے لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا کہ نیکی کیا ہے اور برائی کیا ہے۔ انہوں نے نیکی اور اچھے کاموں کا حکم دیا اور برائی اور بے حیائی کے کاموں سے منع کیا۔ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی وضاحت فرمائی۔ قرآن مجید (الاعراف' ۷: ۱۵۷) میں ارشاد ربانی ہے' "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو نبی امی ہیں اور جن کے اوصاف اور نشانیاں تورات اور انجیل میں مرقوم ہیں اپنے متبعین کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال ٹھہراتے ہیں اور ناپاک اور گندی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔" برائی اور بھلائی' فسق و فجور اور تقویٰ پرہیزگاری کا معیار وہی ہے جو قرآن و سنت نے مقرر کر دیا ہے۔ تقویٰ اور نیکی وہی ہے جو اللہ کے نزدیک تقویٰ اور نیکی ہے۔ اور فسق و فجور وہی ہے جو اللہ کے نزدیک فسق و فجور ہے۔ پھر ہر انسان کو بھی نیکی اور برائی فطری طور پر سمجھا دی گئی۔ اب اللہ تعالیٰ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ دیکھے کہ کون اچھے عمل کرتا ہے اور کون برے عمل۔ ہر انسان کی علمی' اخلاقی اور دینی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی استعداد اور صلاحیتوں کو نیک کاموں پر صرف کرے۔ خود اچھے کام کرے۔ نیکی کو اپنائے اور پھیلائے۔ برائی سے بچے اور شر کو پھیلنے سے روکے۔ اس ذریعے سے انسان دنیا و آخرت میں سرخروئی اور نجات حاصل کر سکتا ہے۔ ہمارے لیے ایک مصیبت یہ ہے کہ ہماری ساری کوشش اور تگ و دو دنیا اور اس کی راحت و آسائش کے حصول پر مرکوز رہتی ہے ہمارا مطمع نظر صرف دنیوی فوائد اور منافع ہوتے ہیں۔ ہم بالکل بھول

جاتے ہیں کہ یہ دنیا بالکل عارضی ہے اور اس کے فوائد اور لذتیں فانی اور ناپائیدار ہیں فلاح و کامیابی کا یہ تصور سرے سے ہی غلط ہے۔ حقیقی کامیاب زندگی تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ عقائد و اعمال' عبادات اور معاملات میں اللہ کی رضا پیش نظر رہے۔ ہماری ہر سوچ اسلام کے تابع ہو اور ہمارا ہر عمل احکام الٰہی کے مطابق ہو۔ ہم ہر کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کریں گے اگر ہم اپنی تمام صلاحیتوں کو رضائے الٰہی کے تابع کر دیں تو سمجھ لیجئے کہ ہم نے کامیاب زندگی بسر کی ہے اور اپنے خالق کو راضی کر لیا ہے۔

قرآن مجید نے اس پر بڑا زور دیا ہے کہ حقیقی فلاح آخرت کی کامیابی ہے۔ دنیا کی خوشحالی اور مادی ترقی حقیقی فلاح نہیں ہے۔ حقیقی فلاح جو مقصود مومن ہے وہ تو رضائے الٰہی ہے اور یہ میسر آتی ہے زندگی کو اس سانچے میں ڈھالنے سے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے مقرر کر دیا ہے۔ توحید کا اثر اور شرک سے اجتناب' احکام اسلام کی پابندی' اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و اتباع یہ سب چیزیں اپنانے کا انسان کو مکمل اختیار ہے۔ ہمارے آس پاس دو قسم کے لوگ اکثر نظر آتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو عوام الناس کو گمراہ کرتے ہیں۔ انہیں اچھے اچھے ناموں سے بے اعتدالی اور بے راہ روی پر اکساتے رہتے ہیں۔ صحیح راہ سے ہٹا کر غلط راہ پر ڈال کر خوش ہوتے ہیں اور عوام میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو اندھے بن کر گمراہ کن افراد کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ یہ لوگ عقل و فکر سے بالکل تہی دامن ہو کر گمراہی اور برائی کو قبول کر لیتے ہیں اور بعد میں ہلاکت و بربادی کی صورت میں تقدیر کو کوستے رہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ایک گروہ ایسے لوگوں پر بھی مشتمل ہوتا ہے جو خیر اور بھلائی کی دعوت دے کر عوام الناس کو نیکی اور سعادت کے راستے پر چلاتے ہیں۔ یہ نیک افراد لوگوں کو غلط راہ سے ہٹا کر صحیح راستے پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ سعادت مند گروہ اس بات کا تہیہ کیے ہوئے ہوتا ہے کہ لوگوں کو راہ راست پر ڈالا جائے۔ انہیں سیدھی سمت بتا دی جائے اور صراط مستقیم پر گامزن کر دیا جائے۔ اگر کوئی شخص راہ راست اختیار کرتا ہے تو اس میں اس کا اپنا ذاتی

Marfat.com

فائدہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی احسان نہیں کرتا۔ اسی طرح جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے تو وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اس کی گمراہی سے نہ تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان ہوتا ہے اور نہ رسالت پر کوئی حرف آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس لیے پیغمبر بھیجے کہ وہ لوگوں کو سیدھی راہ دکھائیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام بے غرضی سے تبلیغ حق کرتے ہیں۔ ان کے پیش نظر انسان کی بھلائی اور بہبود ہوتی ہے۔ وہ دلیل اور برہان سے حق ثابت کرتے ہیں اور باطل کو باطل عقلندی تو یہ ہے کہ انسان تعصب اور مفاد پرستی سے بلند و "بالا ہو کر سچ کو پنائے سچ کا ساتھ دے کر غلط راہ سے ہر چند بچنے کی کوشش کرتا رہے۔ ہر انسان کی ایک مستقل اخلاقی اور ذاتی ذمہ داری ہے اور وہ اپنی شخصی حیثیت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔ ہر انسان اپنے اعمال کی وجہ سے جزاء و سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ صلاحیت اور استعداد طبعی طور پر ودیعت کی ہے کہ وہ برے بھلے میں امتیاز کر سکے۔ اس کو یہ قوت عطا کر دی گئی ہے کہ وہ نیکی اور برائی اور حق باطل میں تمیز کر سکے۔ جس طرح وہ روشنی اور اندھیرے میں فرق اور امتیاز محسوس کرتا ہے اسی طرح ہدایت اور گمراہی میں بھی اسے نمایاں فرق نظر آ جاتا ہے۔ انسان کی نیک بختی اور بد بختی' بھلائی اور برائی اس کے اپنے اعمال میں پوشیدہ ہے۔ وہ اپنے کردار اپنے اوصاف اور اپنے اعمال کی عمدگی سے سعادت کا مستحق ٹھہرتا ہے اور اس کے برے اعمال اس کی شقاوت کا باعث بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کو قوت فیصلہ کی استعداد سے نوازا۔ انسان کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ جو چاہے فیصلہ کرے۔ وہ اپنے اچھے اخلاق و اوصاف اور صحیح اور درست فیصلے کی بدولت' خوش بخت اور سعادت مند بن جاتا ہے اور اچھے لوگوں کی صف میں شمار ہوتا ہے۔ ایک انسان اپنے برے اخلاق و اوصاف اور غلط فیصلوں کی وجہ سے بدبخت اور برا آدمی قرار پاتا ہے۔ اس کی زندگی کا بگاڑ اور اس کی تباہی و بربادی اس کی اپنی بے تدبیری اور سرکشی کا نتیجہ ہوتی ہے اس کے مقابلے میں انسان کی کامیاب اور خوش گوار زندگی اس کی سلامتی اور اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنے میں ہے۔ توفیق الٰہی بھی اسی کو میسر آتی ہے جس کے دل میں تلاش حق کے لیے تڑپ ہو۔ راہ راست بھی اسی راہ نورد کو ملتی ہے جو منزل متعین کرنے کے بعد منزل مقصود کی جانب گامزن رہے' لیکن جو جان بوجھ کر بھٹک جائے اور پھر بھٹکے رہنے پر مصر رہے' اس کے لیے چراغ راہ بھی بے کار ہے۔

اللہ تعالٰی کا ڈر اور یوم آخرت کے محاسبے کا ڈر' ہمیں راہ اعتدال پر قائم رکھتا ہے قرآن مجید نے یہ اعلان فرما دیا کہ جو اہل ایمان اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتے ہیں اور اللہ تعالٰی ان کے لیے نجات اور مخلصی کی راہیں کھول دیتا ہے۔ انہیں فراواں روزی عطا کرتا ہے اور سب سے بڑی اہم بات یہ کہ انہیں برے بھلے اور نیک و بد اور جائز و ناجائز کی تمیز سے نوازتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کی ساری ضرورتیں دو ہی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی اس کا رب اور مالک ہو' کوئی سہارا اور آسرا ہو' کوئی حاجتوں کو پورا کرنے والا اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہو۔ ان ضرورتوں کو پورا کرنے والا اللہ تعالٰی کی ذات واحد کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ دوسری نوعیت کی ضروریات یہ ہیں کہ کوئی ایسا رہبر اور رہنما ہو جو دنیا میں زندگی بسر کرنے کے صحیح اصول بتائے اور جس کے بتائے ہوئے اصول و قواعد کی پیروی پورے اعتماد و اطمینان کے ساتھ کی جا سکے۔ یہ شخصیت صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالٰی پر ایمان یعنی ایمان بالغیب سے اعتماد و یقین حاصل ہوتا ہے اور شکوک و شبہات اور بے یقینی کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اعتماد سے صبر و توکل اور تسلیم و رضا کے خزانے میسر آ جاتے ہیں۔ اللہ تعالٰی پر ایمان جتنا قوی ہو گا' اتنا ہی اعتماد و توکل مضبوط و محکم ہو گا اور جتنا اعتماد محکم ہو گا اتنا ہی انسان سرگرم عمل رہے گا۔ اتنی ہی اس میں قوت کار بڑھ جائے گی۔ ایمان سے اعتماد و توکل کو طاقت اور قوت ملتی ہے اور اعتماد سے ایمان و ایقان قوی تر اور پختہ تر ہو جاتا ہے اللہ تعالٰی پر اعتماد جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی سکون قلب زیادہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰی پر توکل کی بدولت انسان مایوسی اور ناامیدی کے عالم

Marfat.com

میں بھی نہ تو گھبراتا ہے اور نہ بددل ہوتا ہے اور یہی توکل اور اعتماد اللہ تعالیٰ کے انعامات و احساسات کا موجب بن جاتا ہے اللہ پر توکل و اعتماد کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہوتا۔ سید المرسلین خاتم النبیین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیا۔ یہ جذبہ اعتماد و توکل تھا جسکی بدولت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے معرکے سر کیے اور تھوڑے سے لشکر کے ساتھ بڑے بڑے لشکروں کو مار بھگایا۔ اسے ایمان و ایقان اور اعتماد و توکل کے ذریعے انسان اپنی صلاحیتوں کو جائز طور پر استعمال کرنا سیکھتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دی۔ ان کا تزکیہ نفس کیا ان کے دلوں سے شرک کی گندگی کو نکال باہر پھینکا۔ ان کے اخلاق و اطوار کو پاکیزگی عطا کی۔ ان میں خلوص نیت پیدا کیا۔ بنی نوع انسان کی ہمدردی پیدا کی۔ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا جذبہ پیدا کیا۔ آپس میں رحمت اور محبت و مودت سے رہنے کے آداب سکھائے۔ حسن سلوک کی رسم ڈالی۔ بھوکوں اور کمزور و ناتوان انسانوں کی خدمت کا شوق اور ولولہ پیدا کیا۔ صرف آپ کی ذات اقدس اس قابل ہے کہ آپ کی رہنمائی اور رہبری پر کامل یقین اور پورا بھروسا کیا جائے۔ صرف اور صرف آپ کی پیروی اور اطاعت ہی میں نجات ہے۔ ہماری عبادات ہمیں یہ سبق دیتی ہیں کہ انسان اپنی صلاحیتوں کا جائز استعمال کرے۔ نماز ہمیں ہمدردی' تعاون' عجز وانکساری اور مساوات کا سبق دیتی ہے۔ برائی اور بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے۔ زکوۃ ہمدردی اور غمگساری سکھاتی ہے۔ غریبوں کی ضرورتیں پورا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ اپنے مال کا ایک مقررہ حصہ مستحق لوگوں کی خدمت میں پیش کرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح رمضان کے روزے بھی ہمیں تقویٰ اور خوف خدا کی راہ پر ڈال دیتے ہیں اور تقویٰ اور خوف خداوندی ایک ایسا جذبہ ہے جو ہمیں ناجائز کاموں سے روک دیتا ہے۔ ہماری نماز' ہمارا روزہ' ہماری زکوۃ ہمارا حج فرضیکہ ہماری تمام عبادات کا خلاصہ تقویٰ' خشیت الہی اور خوف خدا ہے اور آخرت کے محاسبے کا ڈر اور ان سب کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک

مسلمان اپنی انسانی صلاحیتوں اور فطری استعدادوں کا جائز استعمال کر کے اپنی اور اپنے بھائیوں کی بہتری اور بہبودی کا سامان مہیا کرے۔

اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر دو طرح کی صلاحیتیں رکھی ہیں۔ فجور اور تقویٰ اور ساتھ ہی برائی اور بھلائی کا شعور بھی عطا کر دیا ہے۔ اب انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ بدی اور برائی کو اختیار کر کے اپنی عاقبت خراب کر لے یا نیکی اور اچھائی کو اپنا کر سلامتی اور سکون کی زندگی بسر کر دے۔ یہ بات یاد رکھیئے کہ تقویٰ انفرادی اور اجتماعی استحکام پیدا کر کے معاشرے کو امن و سکون فراہم کرتا ہے۔

○○○

Marfat.com

اسلام میں عیادتِ مریض اور اُس کی اہمیت

ارشاد نبوی ہے: کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کی عیادت کرتا ہے یا اسے ملنے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو نے بہت عمدہ کام کیا اس لیے تو مبارکباد کے لائق ہے اور اس نیک مقصد کے لیے تیرا چل کر آنا بڑے ثواب کا کام ہے اور اس نیک عمل سے تو نے جنت میں اپنا گھر بنا لیا ہے۔

یہ حدیث امام ترمذیؒ امام ابن ماجہؒ اور امام ابن حبانؒ نے اپنی کتب حدیث میں بیان کی ہے اسی طرح اس مفہوم کی احادیث اکثر ائمہ حدیث نے بھی بیان کی ہیں۔

ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بارے میں ہمارے لیے مکمل ہدایات اور قواعد و ضوابط مرتب فرما دیے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ نے ایک نئے معاشرے کی بنیاد رکھی جسے ہم اسلامی معاشرے سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ نے اس معاشرے کو ایک الگ تہذیب عطا کی' ایک الگ تمدن دیا۔ اس معاشرے کی اپنی ثقافت ہے اور اس کے اپنے اصول و معانی ہیں۔ اس معاشرے کا اپنا ضابطہ اخلاق ہے۔ ہمارا رہنا سہنا دوسری قوموں اور تہذیبوں سے مختلف ہے۔ ہماری اپنی امتیازی خصوصیات ہیں۔

ہم سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: انما المؤمنون اخوۃ یعنی ایمان والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ یہی بات حدیث میں بیان ہوئی کہ المسلم اخو المسلم: یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

اسلامی معاشرے میں کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا بھی نیکی اور باعث اجر ہے۔ ایک دوسرے کی مدد کرنے اور ایک دوسرے کے کام آنا بھی موجب ثواب ہے۔ کسی

Marfat.com

بھائی کی ضرورت پوری کرنا اور حاجت روائی کرنا بھی عبادت اور نیکی ہے۔ راستے سے ایذا دینے والی چیز کو ہٹا دینا بھی ایمان کی نشانی ہے۔ ہمسائے سے نیک سلوک کرنا ہمارے فرائض میں داخل ہے۔ صداقت و امانت داری بھی ایک مسلمان کے ایمان کے حصے میں ہے۔ اسلامی معاشرے میں بدکلامی اور بدگوئی کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ بدخلقی بہت ہی قبیح اور ناپسندیدہ ہے اور حسن خلق کا مرتبہ و مقام بہت بلند اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ ایک مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دوسرے کی بھلائی اور خیر خواہی کا نام بھی دین ہے۔ اس طرح بڑوں کا ادب و احترام اور چھوٹوں پر شفقت اسلامی معاشرے کی امتیازی خصوصیت ہے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی بیمار آدمی کی عیادت ہے۔ جب کوئی مسلمان بیمار ہو جائے تو دوسرے مسلمان کو حکم ہے کہ وہ اس کی بیمار پرسی کے لیے جائے۔ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مریض کی عیادت کرنے والا اللہ کی رحمت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ زیر نظر حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ مریض اور بیمار آدمی کی مزاج پرسی کرنا یا محض کسی مسلمان بھائی کو ملنے جانا اللہ کے ہاں بہت ہی قابل قدر اور لائق تعریف بات ہے' جس کا اجر جنت ہے۔

جب ہم کسی بیمار کی خبر گیری کرتے ہیں تو ہماری ہمدردی اور سلوک سے وہ بہت ہی خوش گوار اثر قبول کرتا ہے۔ بعض اوقات عیادت کرنے والے اور ملنے والے کو دیکھ کر مریض کے تفکرات و توہمات دور ہو جاتے ہیں۔ اس کی مایوسی امید کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ پھر بیمار اپنے آپ کو تنہا محسوس نہیں کرتا۔ اپنے دوستوں اور ملنے والوں پر اس کا اعتماد بڑھ جاتا ہے۔ اس کا حوصلہ بلند ہو جاتا ہے اور وہ اس بیماری کی حالت میں اپنے آپ کو بے یارومددگار محسوس نہیں کرتا۔ ایک طرف تو معاشرتی اعتبار سے عیادت مفید اور نتیجہ خیز ہوتی ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ عمل بہت پسندیدہ ہے اور اس عمل کے بدلے میں جنت کی بشارت سنائی گئی ہے۔

مریض کی عیادت کے سلسلے میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ملنے والے مریض کے

Marfat.com

پاس بیٹھ کر شور و غل کرتے ہیں اور دیر تک اس کے پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں اس کے لیے تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ اسی چیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے ہمیں یہ آداب سکھائے کہ مریض کے پاس شور و غل نہ ہونے پائے اور دوسرے یہ کہ کم سے کم اس کے پاس بیٹھا جائے۔ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:من السنہ تخفیف الجلوس وقلة الصخب عند المریض' یعنی سنت نبوی یہ ہے کہ مریض کے پاس تھوڑی دیر بیٹھو اور شور نہ کرو۔ حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ افضل العیادة سرعة القیام' یعنی بہترین عیادت یہ ہے کہ مریض کے پاس سے جلد اٹھ کھڑے ہوں۔ آداب عیادت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مریض کو دیکھ کر اس کے لیے صحت و تندرستی کی دعا کی جائے۔اسال اللہ رب العرش العظیم ان یشفیک' یعنی میں عرش عظیم کے رب سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں صحت دے۔ اسے تسلی دی جائے اور اس کی دلجوئی کر کے اس کی ہمت بڑھائی جائے اور اسے ذکر الٰہی کی تلقین کی جائے۔

بہرحال مریض کی مزاج پرسی کرنا اور احباب کی ملاقات سے آپس میں ہمدردی اور تعاون کے جذبات تقویت پاتے ہیں۔ برادرانہ تعلقات میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور عیادت سے مریض کی بیماری اور اس کے تفکرات میں بڑی تخفیف ہوتی ہے۔ یہ امر مسلمان کے حقوق و فرائض میں داخل ہے۔ اور اسے اس فرض سے خوش اسلوبی سے عہدہ برا ہونا چاہیے جس طرح ہمارے رہبر اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی ہدایت فرمائی۔

OOO

Marfat.com

حرص و طمع

ارشاد نبوی ہے: آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کی دو چیزیں جوان ہو جاتی ہیں: مال کی حرص، اور زندگی کی حرص (مشکوٰۃ کتاب الرقاق، ح ۵۲۷۰)۔

امام ترمذی نے اپنی الجامع الصحیح میں یہ حدیث ابواب الزھد کے تحت نقل کی ہے۔ اس حدیث میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی ایک طبعی اور فطری کمزوری کا ذکر فرمایا ہے کہ جیسے جیسے آدمی بوڑھا ہوتا جاتا ہے حصول مال کی خواہش اور درازی عمر کی آرزو بڑھتی جاتی ہے۔ تقریباً" ہر آدمی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ دیر تک زندہ رہے اور جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو یہ خواہش تیز ہوتی جاتی ہے کہ کچھ دیر اور زندگی مل جائے اور پھر یہ بھی کر لوں وہ بھی کر لوں۔ ہزاروں منصوبے اس کے پیش نظر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس مال و دولت کے انبار جمع ہوں اور وہ اس کے لیے تگ و دو بھی کرتا رہتا ہے۔ جب بڑھاپا آلیتا ہے تو پھر یہ خواہش اور بھی زور پکڑتی جاتی ہی اور ہر وقت یہی آرزو ہوتی ہے کہ اور دولت مل جائے اور مال مل جائے۔ یہاں تک کہ ادمی خود مٹی میں جاملتا ہے۔ قرآن مجید نے بھی اس کمزوری کی طرف ارشاد فرمایا: الھاکم التکاثر حتی زرتم المقابر (التکاثر، ۱۰۲: ۱۔۲) لوگو! تمہیں مال کی کثرت طلب نے ہلاک کر دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبریں جادیکھیں۔ درحقیقت یہ کیفیت ہر اس آدمی کی ہوتی ہے جس کے سامنے کوئی اعلیٰ اور بلند نصب العین نہ ہو، یا جس کی زندگی کا واحد مقصد حصول زر اور جس کا مطمح نظر محض یہ ہو کہ جائز و ناجائز طریقوں سے مال و دولت جمع کیا جائے اور بس۔ اس مضمون کی اور کئی حدیثیں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

Marfat.com

"بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کی محبت میں جوان ہوتا ہے: درازی زندگی اور کثرت مال میں۔" حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں نہ لمبی عمر بری چیز ہے اور نہ کثرت مال۔ اس لیے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو ایک ذہن عطا کرتا ہے ان کے لیے ایک نصب العین اور ایک مطمح نظر مقرر و متعین کر دیتا ہے۔ اسلام میں زندگی کا ایک مقصد ہے جس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس امر کی وضاحت فرما دی ہے۔ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! اچھا انسان کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جس نے لمبی عمر پائی اور اچھے کام کیے۔ پھر اس نے پوچھا کہ برا آدمی کون ہے؟ فرمایا کہ جس نے عمر تو لمبی پائی، لیکن کام برے کیے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اللہ کے ہاں بہترین آدمی وہ مومن ہے جسے اللہ عمر عطا کرے اور وہ اس عمر کو تسبیح و تکبیر اور تہلیل میں صرف کرے"

اسی طرح اگر اسے زندگی میں خوشی میسر آئے تو شکر ادا کرے اور اگر مصیبت و تکلیف پہنچے تو صبر کرے۔

مال و دولت کے بارے میں بھی اسلام بلند مطمح نظر پیش کرتا ہے۔ حصول مال کے سلسلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ اسے حلال طریقے سے حاصل کی جائے۔ رزق حلال پر اسلام نے بڑا زور دیا ہے۔ اور حرام کی کمائی کو بالکل ناجائز قرار دیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رہنما ہیں۔ آپؐ نے ہمیں آداب زندگی سکھائے ہیں اور آداب زندگی میں یہ سنہری اصول ہمیں عطا کیا ہے کہ جائز وسائل سے جتنا چاہو رزق حلال حاصل کرو۔ ضرورت کے مطابق خرچ کرو۔ اور یہ بات یاد رکھو کہ تمھیں اپنی کمائی ہوئی دولت کا حساب دینا پڑے گا۔ کہ تم نے کہاں سے دولت حاصل کی اور کہاں خرچ کی؟ دولت اور مال و زر اس لیے نہیں کہ ہم سانپ بن کر اس پر بیٹھ جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ اس دولت کر بہت،

سے حق دار ہیں تمہارے اعزہ' تمہارے معاشرے کے مفلس و قلاش لوگ' غربا و مساکین۔ قومی اور ملی کاموں کے لیے بھی تمہاری دولت میں حصہ ہے۔

ایک انسان نیکی اور فلاح کے جتنے کار خیر ہیں ان میں جو کچھ خرچ کر جاتا ہے وہی دراصل اس کی حقیقی دولت اور پونجی ہے اور یہی کار خیر میں خرچ کیا ہو آخرت میں اس کے کام آئے گا۔ اسلام میں نیکی اور اچھائی کا معیار یہ ہے کہ وہ اخروی زندگی میں کام آئے۔

اسلام نے لوگوں کا ذہن بدل دیا۔ دولت کے خرچ کی حدیں مقرر کر دیں اور حصول دولت کے ذرائع پر پابندی لگا دی کہ صرف رزق حلال اور مال طیب ہی قابل قبول ہو گا۔ رزق حرام اور مال حرام وبال جان بن جائے گا۔ دولت اللہ کی دی ہوئی امانت ہے اور ان دونوں کو اسی طرح خرچ کرنے میں کامیابی اور کامرانی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایات دی ہیں۔ زندگی اور دولت اللہ تعالیٰ کی دین ہے اور خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو عمر دراز پا کر اللہ کی یاد اور اطاعت میں زندگی گزارتے ہیں اور اس کی دی ہوئی دولت کو اسی مالک حقیقی کی خوشنودی کے لیے اور ملی کاموں میں صرف کرتے ہیں۔

OOO

Marfat.com

نمازِ عید ادا کرنے کا طریقہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور دستور زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے مزاج کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ تمام بنی نوع انسان اور بالخصوص مسلمانوں کو اپنی روحانی اور جسمانی تربیت کے ہر قسم کے مواقع بہم پہنچائے گئے ہیں۔ اسلام نے ہر قدم پر ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ زندگی میں خوشی بھی ہے اور غم بھی' سکھ بھی ہے اور دکھ بھی' راحت و آرام بھی ہے اور تکلیف و بے قراری بھی۔ ہر موقع اور ہر تقریب پر ہمارے لئے ہدایات موجود ہیں۔

اس عید کے تہوار کو ہی دیکھ لیجئے۔ عید ہمارے لئے خوشیوں اور مسرتوں کا پیغام لے کر آتی ہے۔ ہم کئی دن اس کی تیاری میں صرف کر دیتے ہیں۔ رشتہ داروں اور دوستوں کو عید کارڈ کے ذریعے مبارک باد بھیجتے ہیں۔ نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہیں۔ بچے جوان سب عید کے لیے نئے نئے کپڑوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ ہماری خواہش ہوتی ہے کہ ہر چیز صاف ستھری ہو' نئی ہو تاکہ عید کی خوشیاں دو بالا ہو سکیں۔

مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ عید کا تہوار جو اپنے اندر ہزاروں خوشیاں اور مسرتیں لئے ہوئے ہے۔ اس کے باوجود یہ عبادت اور یاد الٰہی کا دن بھی ہے۔ دینی اور مذہبی لحاظ سے یہ بڑا متبرک اور مقدس دن ہے۔ ہر مسلمان چھوٹا ہو یا بڑا امیر ہو یا غریب عید کے روز نماز عید کے لیے ضرور مسجد میں یا عید گاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ دوست احباب سے عید ملتا ہے۔ عید مبارک کی آوازیں ہر طرف سے بلند ہوتی ہیں۔

ان سب باتوں کے باوجود یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اس عید کے پس منظر میں ایک بہت بڑی روحانی قوت کار فرما ہے۔ یہ عید یونہی نہیں آ گئی۔ محض چاند دیکھا تو عید منالی۔ یہ بات نہیں ہے۔ اس خوشی و مسرت کے اظہار کے اعلان سے پہلے

Marfat.com

مسلمان قوم اور پوری اسلامی ملت ایک ماہ کی سخت تربیت سے اپنی روحانی' اخلاقی اور جسمانی اصلاح کرتی ہے اور پورے مہینے کے روزے رکھتی ہے۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ روزے کیا ہیں اور وہ ہمیں کیا سکھاتے ہیں۔

اسلام کے پانچ ارکان ہیں: جن پر ایمان و یقین رکھنا اور عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(۱) کلمہ طیبہ: یعنی اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود و مقصود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(۲) اقامت صلوٰۃ: یعنی باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ پانچوں وقت نماز ادا کی جائے۔

(۳) ادائے زکوٰۃ: یعنی سال کے بعد اپنے قابل زکوٰۃ مال و دولت اور سونے چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ ادا کی جائے' یعنی سو روپے کی مالیت پر اڑھائی روپے۔

(۴) ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔

(۵) استطاعت رکھنے والے ہر مسلمان پر زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے۔

مسلمان رمضان المبارک کے مہینے میں روزے رکھتے ہیں اور گرمی کے موسم میں سحری سے لے کر غروب آفتاب تک تقریباً سولہ گھنٹے بخوشی اور ثواب کی نیت سے اللہ تعالیٰ کا حکم بجالاتے ہوئے بھوک پیاس برداشت کرتے ہیں۔ یہ محض بھوک پیاس کا مسئلہ نہیں ہے۔ اس سے پوری زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ روزے دار نہ تو لڑائی جھگڑا کرتا ہے' نہ بے ہودہ گوئی کرتا ہے' نہ غیبت اور چغلی میں ملوث ہوتا ہے۔ وہ جھوٹ بھی نہیں بولتا۔ غلط بات نہ کرتا ہے نہ سنتا ہے۔ اس طرح وہ محاسن اخلاق اور اعلیٰ کردار کی شاندار تربیت بھی حاصل کرتا ہے اور اپنے عملی نمونے سے ایک بلند و ارفع کردار کی مثال بھی قائم کرتا ہے۔ جب معاشرے کا ہر فرد اس انداز میں روزہ گزارتا ہے تو یہ معاشرہ جنت

Marfat.com

نظیر بن جاتا ہے۔

پھر یہ مبارک مہینہ جود و سخاوت کا مہینہ ہے۔ ہمدردی و غم خواری کا مہینہ ہے۔ اس مہینے کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں اور مسکینوں سے ہمدردی اور دل جوئی کا مہینہ قرار دیا ہے۔ اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لیے دن بھر بھوکے پیاسے رہ کر بھوک اور پیاس کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ معاشرے میں کم وسائل رکھنے والے افراد کی ضروریات کا احساس ابھرتا ہے۔ غریبوں' محتاجوں اور مسکینوں سے ہمدردی کا جذبہ نشونما پاتا ہے۔ خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان المبارک میں بے حد سخاوت کیا کرتے تھے۔ آپ کے سیرت نگار حضرات کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور راہ خدا میں خرچ کرنے کی رفتار تیز ہوا سے بھی زیادہ تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کے روزے افطار کرایا کرو۔ اس کا ثواب روزہ دار کے برابر ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں اور مسکینوں کو روزہ رکھنے اور کھولنے کے لیے سامان خورد نوش مہیا کرنے کا بے حد اجر بتایا ہے۔

معلوم ہوا کہ اخلاقی' روحانی اور جسمانی تربیت کے ساتھ ساتھ معاشرے کی اقتصادی اور مالی حالت کی طرف پوری توجہ دینے کے لیے یہ مہینہ خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ اس مہینے میں لوگ عام طور پر زکوۃ و صدقات بھی ادا کرتے ہیں' جو معاشرے کی اقتصادی اصلاح کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ روزہ کیا ہے؟ روزہ خدا کے احکام بجالانے اور ان پر سختی سے عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔

رمضان المبارک کی ایک بڑی فضیلت یہ بھی ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل ہوا جو مسلمانوں کا دستور زندگی ہے۔ جو ہمارے لئے ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ جس میں قوموں اور افراد کی روحانی' اخلاقی اور اجتماعی بیماریوں کے لیے شفا ہے اور جو سراپا رحمت ہی رحمت ہے۔ اس مبارک مہینے میں ایک بڑی درجے اور فضیلت والی رات ہے جسے "لیلۃ القدر" کہتے ہیں اور جس کی فضیلت کے بارے میں قرآن مجید کا فتویٰ یہ ہے کہ لیلۃ القدر ہزار راتوں سے افضل و بہتر ہے۔

پھر سارا دن بھوکا پیاسا رہنے کے بعد سورج غروب ہو جانے کے بعد مسلمان جب روزہ افطار کرتا ہے تو افطاری کے وقت اسے جو خوشی اور مسرت ہوتی ہے اس کا تو کوئی حساب ہی نہیں۔ دن بھر کی محنت اور کام کاج کے بعد وہ رات کو نماز تراویح بھی ادا کرتا ہے۔ قرآن مجید سنتا ہے۔ رکوع اور سجود میں خدا کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ اپنے گناہوں اور اپنی کوتاہیوں کی اپنے پروردگار سے معافی مانگتا ہے۔ اس طرح ایک بندہ اپنے خالق حقیقی سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے اور خدا کے حضور میں اپنی حاجات پیش کر کے روحانی معراج حاصل کرلیتا ہے۔ (**الصلٰوۃ معراج المومنین**)۔

مسلمان رمضان المبارک کا پورا مہینہ اس انداز میں گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش کا حقدار اور وارث ٹھہرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ اور اس کے گناہوں کو معاف کر کے اسے اپنی جنت کا مستحق قرار دیتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو خوش نصیب دوزخ کی آگ سے بچ گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو گیا اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کرلی۔ قرآن مجید کا یہی نظریہ ہے **فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز** (آل عمران' ۳:۱۸۵)۔ یعنی جس شخص کو دوزخ کی آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا تو وہ کامیاب اور بامراد ہو گیا۔

یہ بات بھی قابل ذکر اور قابل غور ہے کہ اسلام میں جنت و دوزخ کا عقیدہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

ہمارے تمام اعمال' ہماری عبادات اور ہماری ساری تگ ودو کی منزل مقصود جنت ہے۔ یہ ماننا اور اس پر ایمان رکھنا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ مرنے کے بعد ہر انسان کو قیامت کے روز دوبارہ زندہ کیا جائے گا اس کا حساب ہو گا۔ اس کا اعمال نامہ اس کے سپرد کیا جائے گا۔ نیک لوگ جنت میں امن و چین' سکون و آسائش اور مزے کی زندگی بسر کریں گے اور بدکار' کفار اور خدا اور اس کے رسولؐ کے نافرمان دوزخ کی آگ میں اپنے گناہوں اور ظلموں کی سزا پائیں گے۔

Marfat.com

خیر یہ تو ضمناً ذکر آگیا۔ اصل یہ بات یہ ہے کہ روزہ دار اللہ کی مہربانی اور توفیق سے اپنی کامیابی پر بے حد خوش ہوتا ہے۔ کہ اس نے پورے مہینے کے روزے رکھے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالایا ہے۔ اب اس انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ ہمیں یہ تعلیم دی کہ ہم اس خوشی کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں۔ اس کی بڑائی بیان کریں' اس کی کبریائی کا اعلان کریں۔ چنانچہ مسلمان رمضان المبارک کے ختم ہوتے ہی اگلے دن' یعنی یکم شوال کو عید گاہ کے لیے گھر سے نکلتا ہے۔ بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہتا ہوا عید گاہ میں پہنچتا ہے۔ وہاں بیٹھ کر تکبیریں پڑھتا رہتا ہے اور اللہ کی بڑائی اور حمد بیان کرتا ہے۔

اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الہ الا اللّٰہ اکبر وللہ الحمد۔

عید الفطر کے سلسلے میں ایک اہم چیز صدقہ فطر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہر مسلمان چھوٹے بڑے' مرد عورت' آزاد' غلام' غرضیکہ ہر ایک پر صدقہ فطر فرض فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مبارک سے صدقہ فطر میں کھجوریں یا کشمش وغیرہ کا ایک صاع دیا جاتا تھا۔ آٹا گندم بھی بطور صدقہ فطر ادا کرنے کی آپ نے اجازت دی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ میں رمضان کے آخر میں خطبہ دیا۔ اور فرمایا کہ لوگو! اپنے روزوں کا صدقہ ادا کرو۔ اور اس کی وضاحت یوں کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد' غلام' مرد اور عورت پر کھجور یا جو کا ایک صاع یا گندم کا نصف صاع فرض کیا ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ عربوں کے ہاں کھجور اور جو وغیرہ گندم کی نسبت بڑی بہتات میں پیدا ہوتے تھے بلکہ یوں سمجھئے کہ ان کی خوراک کا بیشتر انحصار کھجوروں یا جو پر تھا۔ گندم بہت کم تھی اور مہنگی بھی۔ اس لئے جو اور کھجوروں کا ایک صاع اور گندم اور آٹے وغیرہ کا نصف صاع ہے۔ ہمارے گھروں میں جو خادم ہماری خدمت کرتے ہیں جن کی کفالت ہمارے ذمے ہے ان کا بھی صدقہ فطر ہمارے ذمے ہے۔ گھر کے سربراہ پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھر کے تمام افراد کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے۔ جو روزے رکھتے ہیں ان کی طرف سے بھی اور جو روزے نہیں رکھتے' چھوٹے ہونے کی

Marfat.com

وجہ سے یا کسی اور معذوری سے' ان سب کی طرف سے صدقہ فطرادا کرنا ضروری ہے۔

صدقۂ فطرادا کرنے سے روزے مقبول ہو جاتے ہیں۔ اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم احسان کا شکرادا کیا جائے۔ کہ اس نے ہمیں توفیق ارزانی فرمائی کہ ہم اس مقدس اور مبارک مہینے میں روزے رکھنے کا شرف حاصل کر سکے ہیں۔

صاع غلہ تولنے کا ایک پیمانہ ہے۔ جس طرح ہمارے ہاں دیہات میں ٹوپہ وغیرہ ہوتا ہے۔ اور یہ پیمانے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔

صاع کے وزن میں بھی قدرے اختلاف ہے۔ اہل مدینہ اور اہل عراق کے صاع کے وزن میں فرق ہے۔ اہل مدینہ کے صاع کا وزن تقریباً پونے تین کلو اور اہل عراق کا سوا دو کلو بنتا ہے۔ صدقہ فطر جنس کی صورت میں بھی ادا ہو سکتا ہے اور اس جنس کی قیمت لگا کر نقدی کی صورت میں بھی ادا کیا جاتا ہے۔

صدقہ فطر کی ادائیگی جہاں اللہ تعالیٰ کے شکر کا اظہار ہے وہاں اس سے مراد یہ بھی ہے کہ غریبوں اور مسکینوں سے مالی تعاون کر کے ان کو بھی عید کی خوشیوں میں شریک کیا جائے۔ اسلام انفرادی خوشی اور مسرت کے ساتھ اجتماعی خوشی اور مسرت کا بھی حامی ہے۔

عید خوشیوں کا پیغام لاتی ہے۔ تو یہ خوشیاں اسی صورت میں مکمل اور پائیدار ہو سکتی ہیں جب سب لوگ اس میں شریک ہوں۔ چنانچہ صدقۂ فطر کا مقصد یہ ہے کہ غریب اور مسکین لوگوں کے ساتھ مالی تعاون کیا جائے۔ تاکہ وہ بھی اس موقع پر اپنی کچھ ضروریات پوری کر سکیں اور عید کے دن وہ مالی طور پر محتاجی محسوس نہ کریں۔

ہم نے یہ عادت بنالی ہے کہ صدقۂ فطر عید کے دن ادا کرتے ہیں' حالانکہ اس کے پیچھے جو فلسفہ کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ غریبوں اور مسکینوں کو بھی موقع مل جائے کہ وہ عید کے دن کے لیے کچھ تیاری کر لیں۔ اس لئے اکثر بزرگان دین اور اماموں نے یہ فرمایا ہے کہ رمضان کے مہینے میں کسی وقت بھی صدقہ فطرادا کیا جا سکتا ہے۔ اور بہتر صورت تو یہ ہے کہ ہفتہ دو ہفتے بلکہ تین ہفتے عید سے پہلے مستحق لوگوں کو ادا کر دیا جائے تاکہ وہ اپنی ضروریات اور احتیاج پوری کر کے عید کی خوشیوں میں برابر کے شریک ہو سکیں۔ البتہ یہ

Marfat.com

بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ صدقہ ہر حال میں نماز عید سے پہلے ادا کر دینا لازمی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے نماز سے پہلے ادا کر دیا اس کا صدقہ فطر مقبول ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو وہ عام صدقہ ہو گا صدقہ فطر نہیں ہو گا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مبارک تھی کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ صدقات کرتے۔ آپ کے پاس جو کچھ ہوتا وہ خدا کی راہ میں غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دیتے۔ آپ کے نزدیک سب سے محبوب عمل صدقہ کرنا تھا اور لطف یہ ہے کہ آپ مال یا جنس خدا کی راہ میں خرچ کر کے بے حد فرحت اور خوشی محسوس کرتے تھے۔ آپ کا صدقہ آپ کے حالات اور وسائل کے مطابق ہوتا تھا۔

اسلام میں دو عیدیں ہیں "عید الفطر اور عید الاضحیٰ" عید الفطر شوال کے مہینے کی پہلی تاریخ کو ادا کی جاتی ہے۔ اور عید الاضحیٰ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو۔ عید خوشی اور مسرت کا دن ہے۔ عید کے دن دو رکعت نماز بطور شکرانے کے پڑھنا واجب ہے۔

جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے ہوتا ہے لیکن عید کا خطبہ نماز ادا کر چکنے کے بعد مسنون ہے' عید کا خطبہ سننا واجب ہے۔

عید الفطر کے دن نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر اور ہو سکے تو خوشبو لگا کر اور کچھ ناشتہ کر کے' بال بچوں' دوست احباب اور عزیزوں کو ساتھ لے کر عید گاہ کو جانا چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ گھر سے وضو کر کے جائیں۔

عید گاہ کو جاتے ہوئے اور وہاں سے واپس آتے ہوئے یہ تکبیریں پڑھنی چاہیں۔ اللہ اکبر' اللہ اکبر' لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی یہ عادت مبارک تھی کہ وہ تکبیریں بلند آواز سے کہتے۔ نماز عید کو آتے جاتے راستہ بدل لینا سنت نبوی ہے۔

عید گاہ پہنچ کر نہایت ادب و احترام اور عجز و انکساری سے نماز کے انتظار میں بیٹھے رہیں اور تکبیریں پڑھتے رہیں۔

نماز عید کے لیے نہ تو ازان ہے اور نہ اقامت۔ نماز شروع کرنے سے پہلے یہ

نیت کرے:

دو رکعت واجب نماز عید' واجب تکبیروں کے ساتھ اس کے بعد امام کی اقتداء میں تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لے۔ **سبحانک اللھم و بحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولا الہ غیرک** (اے اللہ) تو پاک ہے۔ سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ تیرا نام بڑی برکت والا ہے۔ تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود و مقصود نہیں ہے) پڑھے پھر تین مرتبہ امام کے ساتھ اللہ اکبر کہے اور ہر مرتبہ تکبیر تحریمہ کی طرح اپنے ہاتھ دونوں کانوں تک اٹھائے اور بعد تکبیر کے ہاتھ لٹکا دے اور ہر تکبیر کے بعد اتنا وقفہ ہونا چاہیے کہ تین مرتبہ **سبحان اللہ** کہہ سکے۔ تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لے اور **اعوذ باللہ** اور **بسم اللہ** پڑھ کر سورۃ الفاتحہ پڑھے۔ یہ حنفی مسلک ہے' جبکہ اہل حدیث اور حنابلہ کے نزدیک پہلی رکعت میں اس موقع پر "سات تکبیریں" کہی جاتی ہیں۔ جن میں تکبیر تحریمہ بھی شامل ہوتی ہے۔ پھر امام سورۃ الفاتحہ کے بعد کوئی دوسری سورۃ پڑھے۔ اس کے بعد رکوع اور دو سجدے کرے اور دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے۔ دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کوئی دوسری سورہ پڑھنے کے بعد تین تکبیریں اس طرح کہی جائیں گی جس طرح پہلی رکعت میں۔ البتہ دوسری رکعت میں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہیں باندھے جائیں گے۔ بلکہ ہاتھ لٹکائے رکھیں اور رکوع میں چلے جائیں (یہ حنفی مسلک ہے' جبکہ مکتب اہل حدیث اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات کہی جاتی ہیں۔ اسی طرح مکتب اہل حدیث کے نزدیک کل تکبیرات بارہ ہیں' جبکہ حنفی مسلک میں کل چھ تکبیرات ہیں)۔ پھر تکبیر کے بعد رکوع میں جائیں حسب دستور دوسری رکعت مکمل کرکے التحیات' درود شریف اور دعا کے بعد سلام پھیرا جائے گا۔ اس کے بعد امام کھڑے ہو کر خطبہ دے گا۔ اور جمعہ کے خطبہ کی طرح خطبے کو دو حصوں میں تقسیم کرے گا۔ پہلا خطبہ دے کر تھوڑی دیر بیٹھ کر پھر کھڑا ہو گا اور دوسرا خطبہ دے گا۔

عید کے خطبے کی ابتدا بھی تکبیرات یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر سے ہو گی۔ خطبہ نہایت ادب و

Marfat.com

احترام اور توجہ اور دھیان سے سننا ضروری ہے۔

آپ نے دیکھا کہ مسلمانوں کے خوشی و مسرت کے اجتماع بھی اپنے اندر ایک روحانی پہلو رکھتے ہیں۔ مسلمان عید کے دن جمع ہوتے ہیں تاکہ خوشی کا اظہار کر سکیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے اپنی رحمت اور اپنے فضل و کرم سے انہیں توفیق بخشی کہ وہ رمضان المبارک کی برکتوں سے بھرپور فائدہ اٹھائیں چنانچہ شکریہ کا یہ طریق کارپسند کیا گیا۔ کہ اللہ کی بڑائی اور کبریائی کا اعلان کھلے بندوں کیا جائے۔ الغرض ہماری یہ عید در حقیقت روزے داروں کی عید ہے۔ خدا کے پیاروں کی عید ہے جو مہینہ بھر اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے روزے رکھتے ہیں۔ راتوں کو جاگ کر نماز تراویح پڑھتے رہے۔ نیز قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ عید کے دن اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام اور بخشش و مغفرت کے مستحق ٹھہرے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے روزے اور ہماری عبادت قبول فرمائے اور ہماری خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے۔

OOO

Marfat.com

فلسفۂ دُعاء

دعا کے معنی پکارنا' بلانا' سوال کرنا' مدد طلب کرنا' ضرورتیں پوری کرنے کے لیے درخواست کرنا' گڑگڑا کر اللہ سے مانگنا' اللہ کے سامنے عجز و انکساری کے ساتھ طلب حاجات کے لیے ہاتھ پھیلانا' الحاح اور زاری کے ساتھ مالک حقیقی سے رحم اور مغفرت طلب کرنا ہے۔

دعا اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان رابطے اور تعلق کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ دعا سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ پیدا ہوتا ہے۔ دعا بہت بڑا سہارا ہے' انسان کے لیے جب انسان دعا کرتا ہے تو اس کا یہ ایمان اور یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر قسم کے نفع و نقصان کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی شخص اور کوئی چیز نہ تو نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ فائدہ۔ پھر مانگنے والا اور دست دعا دراز کرنے والا یہ بھی جانتا اور مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع و علیم ہے وہ ہماری دعائیں سنتا ہے۔ ہماری پکار سے بے خبر اور غافل نہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہماری دعا کو پورا کرنے کا پوری طرح اہل ہے۔ اس کے خزانے بھرپور ہیں۔ وہ ساری کائنات کی ہر خواہش اور ہر آرزو اور ہر سوال کو پورا کر دے تو اس کے خزانوں میں اتنی بھی کمی نہیں آتی جتنی کہ سمندر میں ایک سوئی ڈبو کر نکال لینے سے سمندر کے پانی میں کمی آ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے تمام روحوں کو حاضر کر کے ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا' جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کرتے ہوئے اسے اپنی تمام ضرورتوں اور حاجتوں کا کفیل تسلیم کیا ہے۔ پھر اس کفالت و ربوبیت کا اقرار سورۃ الفاتحہ میں ہر روز بیسیوں مرتبہ نماز کے دوران میں کیا جاتا ہے۔ اس کے

Marfat.com

ساتھ ہی ہر نمازی ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ اقرار کرتا ہے کہ اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف اور صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! ہم تیرے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے اور تیرے سوا اور کسی سے مدد نہیں مانگتے۔ پھر سیدھی راہ پر چلتے رہنے اور قائم رہنے کی توفیق بھی طلب کرتے ہیں۔

ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بات واضح کر دی ہے کہ زمین و آسمان کی ہر مخلوق اور ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے در کی سوالی ہے۔ جو مانگنا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں: يَسْئَلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمٰن ۵۵: ۳۰)' یعنی' ساری کی ساری مخلوق خواہ آسمانی ہو یا زمینی' اپنی مرادیں اور حاجتیں اللہ تعالیٰ سے طلب کرتی ہیں اور سب کا حاجت روا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ مزید بر اں اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کی نشاندہی کرتے ہوئے سورۃ الزمر میں فرمایا کہ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ مصیبت کے وقت اسی کی طرف پلٹتا ہے اور اسے ہی آخری سہارا سمجھ کر پکارتا ہے۔ چونکہ وہ رب ہے اسی لیے وہ اسی کے حضور اپنی تکلیف مصیبت کے ازالے کے لیے عرضداشت پیش کرتا ہے۔ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ (الزمر' ۳۹: ۸)اسی طرح سورۃ یونس میں انسانی فطرت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اضطراب اور بے چینی کے عالم میں ہر وضع اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے۔ جب مصیبت کے مارے چین و قرار سے محروم ہو جاتا ہے تو پھر لیٹا ہوا' بیٹھا ہوا یا کھڑا ہوا' ہر حال میں اپنے رب کو پکارتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف دور کر دیتا ہے تو وہ ناشکرا انسان اپنے مہربان رب کو بالکل بھول جاتا ہے گویا کہ کبھی اس سے واسطہ پڑا ہی نہ تھا۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ (یونس' ۱۰: ۱۲)' مقصد یہ کہ مصیبت اور تکلیف کے وقت اپنے رب کو پکارنا انسانی فطرت ہے اور بحیثیت پروردگار وہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور قبول فرماتا ہے اور ان کے دکھ درد دور کر کے ان کی مرادیں برلاتا ہے۔ دوسری طرف اللہ

تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعا مانگنے کی عام دعوت دی: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن، ۴۰: ۶۰)، یعنی تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھ سے مانگو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ دوسرے مقام پر فرمایا أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرہ، ۲: ۱۸۶) یعنی میں ہی دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے۔ مطلب بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور رحیمی و کریمی کا ذکر فرمایا ہے کہ میرا بندہ جب مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے دے دیتا ہوں۔

احادیث میں دعا کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی فضیلت کی چیز نہیں۔ یہ بھی ارشاد ہوا کہ اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ، یعنی دعا ہی عبادت ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ دعا عبادت کا مغز ہے: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل و کرم مانگتے رہا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس سے مانگا جائے۔

ویسے تو اللہ تعالیٰ سے جب اور جو چاہیں مانگ سکتے ہیں اور وہ دیتا ہے اور خزانے لٹا دیتا ہے، لیکن اس کے باوجود دعا کی کچھ شرائط ہیں اور کچھ آداب ہیں:

دعا کرنے والا باوضو ہو۔ قبلے کی طرف منہ کر کے اطمینان و سکون اور عجز و انکسار کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا کے حضور میں اپنی حاجتیں پیش کرے اور اپنی درخواست سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔ اس کے بعد جو مانگنا ہو وہ مانگے۔ دعا ختم کرنے سے پہلے پھر حمد و ثنا اور درود پڑھے۔ خلوص دل سے دعا کرے۔ یکسوئی اور توجہ سے اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر جو مانگنا ہو عاجزی اور تضرع سے مانگا جائے۔ گڑگڑا کر، آہ زاری کے ساتھ مانگے۔

قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے دعا کی دعوت دی اور اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے پروردگار سے دعا کریں، ساتھ ہی آداب دعا سے بھی آگاہ کر دیا کہ عاجزی کے ساتھ دعا کرو۔ بندگی کی شان یہی ہے کہ سب کچھ رب سے مانگا جائے۔ وہ قادر و قدیر اور حی و قیوم ہے۔ تمام خزانوں کا مالک ہے۔ اپنے بندوں کی ضرورتوں سے واقف و آگاہ ہے۔ اس کے

پاس کسی چیز کی کمی نہیں۔ وہ اپنے بندوں کو دے کر خوش ہوتا ہے کیوں کہ وہ رب ہے۔ ہماری مادی اور روحانی حاجتوں کا کفیل ہے اور ہماری ہر قسم کی ترقی کا ضامن ہے اس کی شفقت و رحمت کا تقاضا ہے کہ ہماری دعاؤں کو سنے' شرف قبولیت بخشے اور ہمیں نعمتوں سے نوازے۔ اس لیے فرمایا: اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (الاعراف' ۷:۵۵ خشوع و خضوع اور الحاح و انکساری کے ساتھ مانگو۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ چپکے چپکے مانگو۔ چپکے چپکے اور آہستہ آہستہ مانگنے میں بھی ایک لطف اور مزا ہے جو باآواز بلند مانگنے میں نہیں ہے۔ ہمارے بزرگوں کا طریقہ بھی یہی رہا ہے کہ خاموش فضا میں سری اور خفی انداز میں ہاتھ پھیلا کر اپنے مالک اور رب سے سرگوشیاں کی جائیں۔ در حقیقت چپکے چپکے مانگنے والا ایمان رکھتا ہے کہ اس کا سمیع الدّعا رب ہر بلند و پست آواز اور خفی اور جہری دعا کو سنتا ہے۔ پھر ادب اور تعظیم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مالک الملک اور رب العالمین کے حضور نہایت مؤدبانہ طریقے سے درخواست کی جائے۔ نہایت نرمی' عاجزی اور بالکل آہستہ آواز میں عرضداشت پیش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر بالخصوص دعا کے الفاظ کو بہت آہستہ آہستہ ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی جلالت و عظمت کے سامنے جب ہم اپنی ذلت و مسکنت کا اظہار کرتے ہیں تو آوازیں پست ہو جاتی ہیں۔ چپکے چپکے مانگنے میں عجز و انکسار اور خشوع و خضوع کا زیادہ اظہار ہوتا ہے۔ خلوص قلب اور اخلاص نیت بھی خفی دعا میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ چپکے چپکے مانگنے والوں کے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کے بہت قریب ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث میں بھی دعا میں مناجات کو ترجیح دی گئی ہے۔ دعا کرنے والے کو قرب الٰہی کی نعمت میسر آتی ہے۔ قرب الٰہی کے تصور سے اللہ تعالیٰ کی محبت اس پر اعتماد و توکل اور بھروسا پیدا ہوتا ہے جس سے دلی سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اونچی آواز تھکا دیتی ہے۔ اس کے برعکس سری اور خفی دعا سے تھکن کا احساس نہیں ہونے پاتا اور آدمی دیر تک اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا رہتا ہے۔ چپکے چپکے دعا میں زیادہ نمائش کا خطرہ بھی نہیں ہوتا۔

بلند آواز میں دعا کرنے میں وہ دلجمعی کیف اور حضور قلب

Marfat.com

خفی دعا میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے خفی انداز میں راز و نیاز بہت بڑی نعمت ہے۔ دعا کرنے والا اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کا طالب ہوتا ہے جوں جوں وہ حمد و ثنا کرتا ہے تو اللہ کی محبت و محبوبیت کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔

دعا کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کا ڈر دل میں موجود ہو۔ اس کی معصیت اور نافرمانی کے خیال سے دل لرزتا ہو۔ اس کی نافرمانی سے آدمی ڈرتا رہے اور اس کے ساتھ دعا کرنے والے کو پورا یقین ہو کہ میرا رب سمیع الدعا ہے وہ قادر و قدیر ہے اور میری التجاؤں' درخواستوں اور آرزوں کو ضرور پورا کرے گا۔ دعا کرنے والے کو پر امید رہنا چاہئے اور بارگاہ خداوندی سے کبھی مایوس نہ ہونا چاہئے۔

ویسے تو اللہ تعالیٰ ہر وقت دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے' لیکن بعض خاص اوقات ایسے ہیں جن میں قبولیت دعا کی ضمانت دی گئی ہے' مثلاً رات کا پچھلا پہر کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عام اعلان ہوتا ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اسے دوں۔ اذان اور اقامت کا درمیانی وقفہ' فرضوں کی نماز کے بعد' جمعتہ المبارک کے بعض خاص اوقات' ماہ رمضان میں روزہ افطار کرتے وقت' رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتیں' بالخصوص شب قدر وغیرہ۔ تاہم حقیقت تو یہ ہے جب بھی دل لگ جائے اور دعا کے الفاظ دل کی گہرائیوں سے نکلیں اور دعا کے دوران میں قرب الٰہی محسوس ہو اور بندہ یہ جانے کہ مالک الملک اپنے بندے کی دعا سن کر رہا ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہی وقت قبولیت کا ہے۔

بعض اوقات دعا فوری طور پر قبول ہو جاتی ہے۔ الفاظ دعا زبان سے نکلے اور اللہ نے فوراً پورے کر دیے۔ بعض اوقات ذرا دیر سے دعا قبول ہوتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کا خلوص' تعلق باللہ اور صبر و توکل کا امتحان مطلوب ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مانگا کچھ جاتا ہے اور مل جاتا ہے کچھ اور۔ اللہ تعالیٰ سمیع الدعا بھی ہے اور علیم و حکیم بھی۔ اس کے علم و حکمت سے ہم لوگ بے خبر ہوتے ہیں۔ وہ ہماری بہتری کے پیش نظر ہمارے لیے درست اور صحیح فیصلے کرتا ہے۔ ویسے ہر ایسی دعا کا اجر ہمارے لیے محفوظ کر لیا جاتا ہے جو قبول نہ ہوئی ہو۔

Marfat.com

دعا انفرادی بھی ہوتی ہے اور اجتماعی بھی۔ باجماعت نمازوں اور عام اجتماعات میں دعائیں عموماً اجتماعی ہوتی ہیں' مثلاً اے اللہ! تمام ایمان والوں اور ایمان والیوں اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے گناہ معاف کر دے۔ ان میں جو زندہ ہیں انہیں بھی معاف فرما اور مر چکے ہیں ان سے بھی درگزر فرما: اللھم اغفر لجمیع المؤمنین والمومنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والا موات۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ' اے ہمارے رب! ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے بہرہ ور فرما اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچالے۔

اسی طرح ہم دعا کرتے ہیں: اے اللہ! ہمارے بیماروں کو بھی صحت عطا فرما اور سب مسلمان بیماروں کو بھی تندرستی اور شفا عطا فرما۔اللھم اشف مرضانا و مرضی المسلمین' جہاں تک انفرادی دعا کا تعلق ہے تو صبح سے شام تک ہر لحہ ایک مسلمان کی زبان پر کوئی نہ کوئی کلمہ دعا جاری رہتا ہے۔ ایک مسلمان صبح اٹھتا ہے تو اللہ کی حمد اور تعریف بیان کر کے دن بھر کی بھلائیوں کو طلب کرتا ہے اور دن بھر میں پیش آنے والی برائیوں اور خرابیوں سے پناہ مانگتا ہے وہ کہتا ہے:اللھم انی اسئلک خیر مافی ھذا الیوم وخیر مابعدہ واعوذبک من شر مافی ھذا الیوم وشر مابعدہ

اس طرح شام ہوتی ہے تو رات کی بھلائیوں کا طالب ہوتا ہے اور رات بھر میں ممکنہ برائیوں سے پناہ مانگتا ہے۔

جب ایک مسلمان گھر سے باہر نکلتا ہے تو وہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے گمراہی اور بے راہ روی سے بچائیو۔ نہ میں کسی پر ظلم کروں اور نہ کوئی مجھ پر ظلم کرے۔ اے اللہ! نہ میں کسی پر سختی کروں اور نہ کوئی مجھ پر سختی کرے۔ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو اللہ کی رحمت کا طلبگار ہو کر قدم مسجد میں رکھتا ہے اور جب نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر آتا ہے تو تب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کا طالب ہوتا ہے۔

جب کوئی مسلمان اللہ کو پیارا ہو جاتا ہے تو ہم اسے بڑے خلوص ار درد سے مغفرت کی دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتے ہیں۔ اس آخری دعا میں بھی میت کے ساتھ

Marfat.com

تمام مسلمانوں کی مغفرت و بخشش طلب کی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں بہت سے پیغمبروں کی دعائیں محفوظ کر دی گئی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم خسارہ اور گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے: رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف' ۷: ۲۳)۔ حضرت یونس علیہ السلام کی دعا: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ' (الانبیاء' ۲۱: ۸۷)' حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا: لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ (الانبیاء' ۲۱: ۸۹) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (البقرہ' ۲: ۱۲۹) کہ ہمارے پروردگار! ان میں سے ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرما جو ان لوگوں کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب و سنت کی تعلیم دے اور پاک و صاف کرے۔

جب ہم نیا چاند دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں اے اللہ! اس چاند کو ہمارے لئے امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کے پیغام کے ساتھ نکال: اللهم اهله علينا باالا من والامان والسلامة والاسلام۔

قرآن مجید کا آغاز سورۃ الفاتحۃ سے ہوتا ہے اور سورۃ الفاتحۃ تعریف و ثنا کے بعد

اے اللہ! ہم صرف تیری عبادت ہی کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں ہمیں سیدھی راہ پر قائم رکھیو۔ درمیان میں بیسیوں دعائیں ہیں اور آخری دو سورتیں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس بھی دعاؤں پر مشتمل ہیں۔ بہرحال دعا ہماری زندگی کا اہم جزو ہے اور اس کا اثر ہماری زندگیوں پر بڑا گہرا ہے۔ دعا کو موثر بنانے کے لیے یہ بھی ایک انداز قرآن ہے کہ جو چیز طلب کی جارہی ہو اس قسم کی صفات الہیہ کا ذکر کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے وہ دعا جلد قبول ہو سکے مثلاً

وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (المائدہ' ۵: ۱۱۴)' یعنی اے اللہ تو ہمیں روزی عطا فرما'

Marfat.com

تو ہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (المومنون' ۲۳: ۱۱۸)' اے میرے پروردگار! مغفرت اور رحم فرما کہ تو ہی سب سے بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ (الاعراف' ۷: ۱۵۵)' اے اللہ تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ بس تو ہماری مغفرت فرما' اور ہم پر رحم فرما' اور تو ہی بہترین بخشنے والا ہے۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ (الاعراف' ۷: ۸۹)

ایک مسلمان اپنے رب سے ہر وقت رابطہ قائم رکھتا ہے اور اس رابطے کا بہترین ذریعہ دعا ہے۔ دعا سے توکل علی اللہ قرب الٰہی اور اعتماد نفس پیدا ہوتا ہے۔ دعا بہت بڑا سہارا ہے۔ دعا میں اتنی طاقت ہے کہ اس سے نقدیر بھی ٹل سکتی ہے۔ دعا سے تسکین و راحت اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ دعا کرنے والے کبھی مایوس اور ناامیدی کا شکار نہیں ہوتا۔ ہر شے اپنے حی و قیوم رب سے مانگو۔ وہ دیتا ہے اور ضرور دیتا ہے اس لیے کہ اس کے خزانوں میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں۔

○○○

Marfat.com

صبر و استقامت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمتہ اللعالمین بنا کر بھیجا، تاکہ آپ بنی نوع انسان کو گمراہی اور ضلالت کی تاریکیوں اور اندھیروں سے نکال کر ہدایت و رشد کے نور اور اجالوں میں لے آئیں، لیکن یہ انسانوں کی کمزوری اور بدبختی ہے کہ وہ اپنے محسنوں اور کرم فرماؤں کی نصیحت پر کان دھرنے کے بجائے الٹے ان کے دشمن اور مخالف ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ مخالفت اور دشمنی ظلم و ستم کے وہ روپ دھارتی ہے کہ انسانیت تڑپ اٹھتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب اہل عرب کو رسول اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شرافت اور ان کے ذاتی حسن اخلاق، نیک نامی اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا تو وہ سب آپ کے دشمن ہو گئے۔ وہ لوگ جو اس دعوت اسلام سے پہلے آپ کو امین اور صادق کے معزز القاب سے یاد کرتے تھے اب وہ آپ کی جان کے دشمن ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے اسلام پھیلنے لگا اور غریبوں اور غلاموں کے ساتھ قریش مکہ کے مقبول گھرانوں کے نونہال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و ارشاد سے متاثر ہونے لگے تو سرداران قریش نے محسوس کیا کہ ان کا دینی اور سیاسی اقتدار خطرے میں ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اسلام کی تبلیغ کو روکنے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے جائیں۔ اس فیصلے کے مطابق قریش مکہ نے ایک تو یہ کوشش شروع کر دی کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے کے لیے بیرونی علاقوں سے آئیں۔ انہیں یہ کہہ کر روکا جائے کہ (نعوذ باللہ) آپ دیوانے ہیں اور آپ کا دماغی توازن درست نہیں ہے۔ کسی کو کہا جائے کہ آپ شاعر ہیں اور کسی کو یہ کہہ کر واپس پھیر دیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر ہیں۔ دوسری کوشش یہ شروع کی جو لوگ اسلام لا چکے ہیں یا بالخصوص غلام اور چھوٹے طبقے کے لوگ، ان کو خوفناک اور الم ناک

Marfat.com

اذیتوں اور تکلیفوں کا تختہ مشق بنایا جائے تاکہ وہ یا تو اسلام کو چھوڑ دیں یا ان کو دکھ دے کر شہید کر دیا جائے۔ ان کی تیسری کوشش یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہراساں کیا جائے۔ ان ارادوں کو عملی جامعہ پہنانے کے لیے قبیلہ قریش کے تمام سردار اور ذی اقتدار اکابر جمع ہو گئے اور ضعیف و کمزور اور شریف و باوقار سب مسلمانوں پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم و ستم ڈھانے لگے۔ مگر مسلمانوں نے ان کا مقابلہ جس صبر وتحمل سے کیا اور جس پامردی' ہمت اور حوصلے کا ثبوت دیا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان مظالم کی پوری تفصیل کی تو اس وقت گنجائش نہیں' البتہ چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قریش کے کئی لوگ وہاں موجود تھے اتنے میں ایک بد بخت عقبہ بن ابی معیط اونٹنی کی اوجھڑی اٹھا لایا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے اس نے اوجھڑی آپ کی پشت مبارک پر ڈال دی۔ آپ سر نہ اٹھا سکے۔ اچانک حضرت فاطمہؓ آگئیں اور انہوں نے اس اوجھڑی کو آپ کی پشت سے اتار پھینکا۔

اس طرح ایذا رسانی کا ایک اور واقعہ کتب سیر و احادیث میں آتا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ اچانک عقبہ وہاں آنکلا۔ اس نے آتے ہی اپنا کپڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک میں ڈالا اور نہایت شدت سے آپ کا گلا گھونٹا۔ اتفاق سے حضرت ابو بکر صدیقؓ آگئے اور انہوں نے عقبہ کو مونڈھوں سے پکڑ کر پیچھے ہٹایا اور یہ آیت پڑھتے ہوئے عقبہ کو ڈانٹا۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ' یعنی کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے۔ آپ کے گھر کے سامنے گندگی اور کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا۔ ہر قسم کی اذیت پہنچائی جاتی۔ صرف اس لیے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے بنی نوع انسان کو جھکانا چاہتے تھے۔ آپ کی دعوت تھی لا الہ الا

Marfat.com

اللہ محمد رسول اللہ۔ یعنی ساری دنیا کا خالق و مالک اور رازق و داتا صرف اللہ واحد ہے وہی عبادت کے لائق ہے۔ اس سے لو لگانا چاہیے۔ وہی حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے۔ اس کے سامنے دست سوال دراز کرنا چاہیے۔ زندگی اور موت اسی کے اختیار میں ہے۔ تندرستی اور بیماری' تنگدستی اور کشائش رزق سب اسی کے ہاتھ میں ہے' وہی اللہ واحد ہے۔ قریش مکہ کو یہ بات قطعاً گوارا نہ تھی۔ کفار مکہ نے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اذیتوں اور تکلیفوں کا ہدف نہیں بنایا' بلکہ ہر اس شخص کو ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا جس کے بارے میں انہیں علم ہو جاتا تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ کفار مکہ کا یہ حال تھا کہ جب کسی شخص کے اسلام لانے کی خبر سنتے تو تمام مخالفین اسلام اس پر ٹوٹ پڑتے۔ کسی کو حبس میں ڈال کر اور کسی کو بھوکا پیاسا رکھ کر اور کسی کو سخت گرمی میں تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر اذیت پہنچاتے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرم ریت پر لٹا کر ان کے سینے پر بڑا وزنی پتھر رکھ دیتے اور دھمکیاں دیتے کہ اسلام سے پھر جاؤ ورنہ اسی طرح مار ڈالیں گے، مگر وہ صبر و عزمت کے پیکر احد احد پکارتے تھے۔

حضرت عمارؓ' ان کے والد حضرت یاسرؓ اور والدہ حضرت سمیہؓ' جب اسلام لے آئے تو کفار قریش انہیں طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دینے لگے۔ اس حالت میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کبھی ادھر سے گزر ہوتا تو ان کی حالت زار دیکھ کر آپ فرمایا کرتے صبراً" یا ال یاسر ان موعد کم الجنہ (اے آل یاسر صبر کرو۔ بے شک جنت تمہارے لیے ہے۔) ابو جہل نے نیزہ مار کر حضرت سمیہؓ کو شہید کر دیا۔ آپ کی ذاتی تکالیف' پھر آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی المناک لذیتیں ایسی روح فرسا اور دل گداز تھیں کہ ان پر صبر و شکیب بڑا مشکل نظر آتا ہے' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب مصیبتوں پر صبر کیا۔ بڑے حوصلے اور بڑی ہمت کا ثبوت دیا اور عزیمت و استقامت کے ساتھ دین حق کو برابر پھیلاتے رہے اور اسلام کا پیغام توحید گھر گھر پہنچاتے رہے۔

آزمائش و ابتلا کا دور یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ ان زہرہ گداز اذیتوں کا بھی کچھ اثر نہ

ہوا۔ تو کفار مکہ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آوازے کسنے لگے۔ ہنسی مذاق اور ٹھٹھا مخول کرنے لگے۔ ابو جہل تو ایذا رسانی پر بدنام و رسوا ہوا اور ابو لہب اور اس کی بیوی ام جمیل دونوں استہزا میں بدنام ہوئے۔ آپ کو تنگ کرنے اور ایذا پہنچانے کی غرض سے ابو لہب آپ کے دروازے پر گندگی پھینک جاتا اور اس کی بیوی جو بڑی بدزبان اور دریدہ دہن تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرتی، گالیاں بکتی اور دوسروں کے پاس جا کر آپؐ کی بدگوئی کرتی۔ اس طرح ایک اور شخص عاصی بن وائل بھی استہزا میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔

اس ساری مخالفت و ایذا اور استہزا کے باوجود آپ کی تبلیغ دین سے اشاعت اسلام کا کام بڑھتا دیکھ کر قریش کی آتش غضب اور بھڑکی اور انہوں نے ایذا رسانی میں زیادہ شدت اختیار کر لی۔ جب مشرکین کی اذیتیں کمزور مسلمانوں پر حد سے بڑھ گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو ملک حبش کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ وہاں کا بادشاہ نجاشی ایک عادل اور نیک دل حاکم تھا۔ پہلے گیارہ مسلمان مرد اور عورتیں بعد میں بہتر مرد اور عورتیں وہاں پہنچے۔

کفار مکہ کی سب مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کے باوجود اسلام پھیلتا چلا گیا اور مسلمانوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ آنحضرت کو قتل کرنا تو شاید آسان نہ ہو، لیکن ان کے لیے جینا مشکل کر دینا آسان ہے۔ چنانچہ سرداران قریش نے یہ فیصلہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور دیگر ہمدردی کرنے والوں سے پورا مقاطعہ کر دیا جائے۔ آپ کے خاندان کے ساتھ رشتہ و ناطہ، میل جول، خرید و فروخت اور میل ملاقات قطعاً بند کر دی جائے اور کسی صورت میں مصالحت نہ کی جائے، یہاں تک کہ بنو ہاشم آپؐ کو ہمارے حوالے کر دیں۔ یہ عہد نامہ لکھ کر کعبے کے اندر لٹکا دیا گیا اور اس پر سختی سے عمل درآمد شروع کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خاندان سمیت شعب ابی طالب میں پناہ لینی پڑی۔ آپ تقریباً تین برس تک اسی گھاٹی میں محصوری کی زندگی بسر کرتے رہے اور کھانے پینے کی چیزیں ناپید تھیں۔ جس کی وجہ سے

Marfat.com

بچے بوڑھے، مرد اور عورتیں سب سخت پریشان اور مبتلائے تکلیف رہے۔ اس دور ابتلا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے مثل صبر و استقلال اور ہمت و حوصلے کا ثبوت دیا۔

OOO

اسلامی برادری ایک اُمّت ہے

اسلام ایک دین ہے۔ ایک ضابطۂ حیات اور دستور زندگی ہے۔ اسلام ایک دعوت ہے اور ایک انقلاب' نہایت حیرت انگیز انقلاب۔ اسلام نے لا الہ الا اللّٰہ کا اعلان کر کے ایک فکری اور ذہنی انقلاب پیدا کر دیا۔ اللہ کے سوا تمام معبودان باطل کا بطلان اور انکار پر انسانی وحدت کی بنیاد رکھ دی۔ صرف اس ایک کلمہ کی ب"بدولت غیر اللہ کی پرستش اور پوجا پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ دنیا جہان کے بتکدوں میں تہلکہ مچ گیا۔ اور اس کلمے کی بدولت اسلام نے ایک سماجی اور معاشرتی انقلاب بھی پیدا کیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کیا کہ تمام دنیا کے انسان آدمی ہونے کے حیثیت سے برابر ہیں۔ قومی' نسلی' وطنی' قبائلی' لسانی اور علاقائی امتیازات کی حیثیت سے آپ نے بالکل انکار کر دیا ہے اس لیے کہ یہ آدمیت اور انسانیت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے عوامل و اسباب ہیں۔ اسلام نے یہ موقف اختیار کیا کہ چونکہ انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں' اس لیے سب بھائی بھائی ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ((سورۃ النساء ۴؍۱) اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرتے رہو جس نے تم سب کو ایک ہی فرد سے پیدا کیا۔

اسلام نے قومی' نسلی اور علاقائی و لسانی امتیازات کو یک قلم مٹا کر ایک نیا نظریہ پیش کیا اور انسانی مساوات کو اپنی جگہ قائم رکھتے ہوئے بتایا کہ صحیح عقیدہ اور صحیح فکر ہی ایک مرکزی نقطے کا کام دے سکتا ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا کے انسان مختلف گروہوں میں منقسم تھے۔ دنیا میں قبائلی عصبیت اور نسلی تفاخر کا راج تھا۔ اسلام نے عقیدۂ توحید پیش کر کے ایک ایسی امت اور برادری کی بنیاد رکھی۔ جس کا تعلق نسل و خون اور رنگ و زبان سے نہیں' بلکہ یہ رشتہ اخوت عقیدے پر مبنی ہے۔ اللہ اس کے رسولؐ اس کی

Marfat.com

کتاب قرآن مجید اور آخرت پر ایمان لانے والوں کو مومن اور مسلمان قرار دیا گیا اور سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ ہر مومن امت مسلمہ کا ایک فرد ہے اور اسلامی معاشرے میں ہر فرد کے حقوق مساوی ہیں۔ مومن کے سامنے وطنیت' قومیت' قبائلی تعصب' نسلی امتیازات اور لسانی نخوت و غرور سب بے معنی اور بے حقیقت چیزیں ہیں۔ اسلام نے ایک نئی حقیقت دنیا کے سامنے پیش کرتے ہوئے اعلان کیا کہ رنگ و خون اور نسل و قوم وجہ شرف و عزت نہیں' بلکہ شریعت و کرامت اور عزت و عظمت کا راز عقیدہ توحید اور تقویٰ میں مضمر ہے۔ اسلام نے اس عقیدہ پر عالمگیر اخوت اور اسلامی برادری کی بنیاد رکھی۔ قرآن مجید نے اعلان کر دیا۔

یٰاَیُّهَاالنَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات ۴۹ : ۱۳)' یعنی اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو۔ یہ قبیلے اور برادریاں فخر و غرور کے لیے نہیں' بلکہ باہمی پہچان اور تعارف کے لیے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ بتائی کہ فضیلت و کرامت اور عزت و شرف کا انحصار نیکی اور اخلاقی برتری یعنی تقوی پر ہے نہ کہ قبیلے اور برادری پر۔ قرآن مجید نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو! ہم نے تمہیں ایک امت بنایا ہے عقیدہ توحید نے اسلام کے ماننے والوں کا تشخص قائم کر دیا اور انہیں امت مسلمہ کا معزز لقب عطا ہوا۔ اسلامی معاشرے یعنی امت مسلمہ کا ہر فرد دوسرے کا بھائی ہے۔ اس اخوت اور بھائی چارے کی اولین مثال اور علمی نمونہ عہد نبوی میں نظر آ گیا۔ خونی رشتے اور نسلی تعلقات ختم ہو گئے اور بندۂ و آقا کی تمیز اور سرخ و سفید' گورے اور کالے کے تمام امتیازات مٹ گئے۔ بلال حبشی' صہیب رومی اور سلمان فارسی اسلامی معاشرے میں اتنی معزز و بلند حیثیت رکھتے تھے کہ بڑے بڑے جلیل القدر بزرگان دین یا سیدی کہہ کر خطاب کرتے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کو اہل بیت کا فرد

ٹھہرا کر سب سے بڑا اعزاز اور شرف بخش دیا۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں دین اسلام کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ خاندانی برتری اور نسلی اونچ نیچ کو ختم کر کے اسلامی اخوت کا وہ عملی نمونہ پیش کیا جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپؐ نے قریش کی معزز خاتون اور اپنی پھوپھی زاد حضرت زینبؓ کی شادی اپنے ایک آزاد غلام حضرت زیدؓ بن حارثہ سے کر کے عالمگیر اسلامی امت کا اعلان فرما دیا۔ حضرت بلالؓ حبشی کو نہ صرف مؤذن مسجد نبوی کا شرف بخشا' بلکہ فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ کے اوپر چڑھ کر اذان دینے کا شرف بھی انہیں کو بخشا۔ سرداران قریش اور بزرگان مکہ کی خواہش تھی کہ یہ شرف ان کے حصے میں آئے' لیکن اسلام میں تمیز بندہ و آقا کے لیے کوئی گنجائش رکھی ہی نہیں گئی اور اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِندَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کہہ کر نیکی' تقوی اور پرہیز گاری کو فضیلت و برتری کا معیار ٹھہرا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اہم موقع پر یہی تلقین فرمائی کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اور رنگ و نسل کے امتیازات کو آپ نے یکسر ختم کر دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ۔' یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کی مدد میں کوتاہی اور سستی کرتا ہے۔ یہ بھی فرمایا المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا' یعنی مومن دوسرے مومن کے لیے اس دیوار کی طرح ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو مظبوط کرتا ہے۔ یہ بھی ارشاد نبوی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے ایذا نہیں پہنچاتا۔ دوسرے موقع پر فرمایا کہ ایمان والوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے وہ آپس میں محبت و شفقت سے رہتے ہیں۔ کسی ایک کی تکلیف ساری امت کو بے چین و بے قرار کر دیتی ہے جس طرح جسم کے ایک حصے میں تکلیف ہو تو سارا جسم بے قرار اور بے چین ہو جاتا ہے۔ آپ نے یہ بھی نصیحت فرمائی کہ ایک مسلم کی عزت و آبرو اور جان و مال کا پورا پورا احترام کیا جائے اور اس احترام اور حرمت میں سر مو فرق نہ آنے پائے۔ بلکہ تاکیدی طور پر فرمایا

Marfat.com

کہ اس کی حرمت یوم حج' ماہ حج اور مکہ مکرمہ کی حرمت کی طرح برقرار رکھی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کی عزت و آبرو اور مال و جان کی حفاظت اور تحفظ پر بڑا زور دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس میں کوتاہی کرنا اللہ تعالیٰ کی امداد سے محرومی کا باعث ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی حاجتیں پوری کر دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ بیعت اسلام لیتے وقت نماز و زکواۃ کی پابندی کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کی خیر خواہی کا عہد بھی لیتے (بخاری)۔ اسلامی اخوت اور بھائی چارے کو مضبوط کرنے کے لیے ہدایت فرما دی کہ آپس میں گالی گلوچ مت کرو اور ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑے سے بھی باز رہو (بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی امت کی داغ بیل ڈالی جس کی تمنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔ ایک طرف تو امت پر ذمے داری عائد کر دی کہ وہ نیکی اور بھلائی کے کام کرے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری کرے اور آپس میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر رہیں اور دوسری طرف یہ کام بھی اس کے سپرد کیا گیا کہ اس کا ہر فرد لوگوں میں اسلام پھیلائے' بھلائی اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ تمام مخلوق میں سے اس امت کو اس لیے منتخب کیا گیا کہ یہ خلق خدا کی اصلاح کرے۔ حق و انصاف قائم کر کے معاشرے میں امن و سلامتی اور سکھ چین پیدا کر دے تاکہ ہر فرد امن و سکون کی زندگی بسر کر پائے۔

اس اسلامی برادری اور امت کے لوگوں میں یہ جذبہ بھی پیدا کر دیا گیا کہ وہ نیکی سے محبت رکھتے ہیں اور برائی سے نفرت کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ نیکی پھیلانے کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں اور بدی کو روکنے کے درپے رہتے ہیں۔ اسلامی برادری کے افراد اپنے دین کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں۔ وہ دین اور عقیدے کی خاطر ہر چیز کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں' لیکن دین کو کسی چیز کی خاطر قربان نہیں کرتے۔ انہیں عقیدہ اتنا عزیز ہوتا ہے کہ اس کی خاطر گھربار چھوڑ کر جلا وطنی اور ہجرت کے خطرات اور

Marfat.com

تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں۔

اسلام نے ایک طرف امت مسلمہ کا آپس میں تعلق اور دینی وابستگی کا یہ عالم پیدا کر دیا دوسری طرف ایمان والوں کو یہ حکم دیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء ۴: ۱۴۴)' (اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ۔)

اسی طرح امت مسلمہ کو یہ حکم دیا کہ مسلمانوں کے مفادات کو کسی صورت میں نظر انداز نہ کیا جائے اور دشمنوں کے بارے میں ہر حال میں چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہیے۔

مختصر یہ کہ اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان کی اپنی برادری ہے یہ الگ امت ہے جسے امت مسلمہ کا لقب ملا۔ ان کا الگ وجود ہے ان کا مقصد دنیا میں نیکی کرنا' نیکی پھیلانا' برائی سے باز رہنا اور برائی سے دوستوں کو روکنا ہے تاکہ معاشرے میں عدل و انصاف میسر آ سکے۔ امن و سکون کی زندگی نصیب ہو سکے اور دنیا میں عقیدہ توحید کی بدولت وحدت ملی اور وحدت انسانی قائم ہو جائے۔

○

Marfat.com

حقیقتِ صوم

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو روزے کی حالت میں بغیر کسی ارادے اور اختیار کے خود بخود قے آجائے تو اس پر قضا واجب نہیں اور جس نے عملاً اور قصداً" قے کی اس پر قضا واجب ہے۔" محدثین کی جرح و تعدیل سے قطع نظر یہ بات قطعی ہے کہ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ نے جو مسئلہ روزوں کے سلسلے میں بیان کیا ہے وہ بڑا واضح ہے کہ روزے دار کو جب خود بخود اور بے اختیار طور پر قے آجائے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا' لہذا کوئی قضا نہیں۔ اور جب روزے دار قصداً اور ارادتاً قے کرے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا واجب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں قے کی پھر روزہ کھول دیا۔ تو محدثین کرام نے اس سلسلے میں یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ روزہ نفلی تھا اور قے آنے سے آپ ضعف اور کمزوری محسوس کرنے لگے تھے اس لیے روزہ کھول دیا' نہ کہ قے آنے سے ٹوٹ گیا۔ بہرحال حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ روزہ دار کو جب خود بخود قے آجائے جو منہ بھرنے سے کم ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ جب روزہ نہیں ٹوٹتا تو قضا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' البتہ جب قصداً" قے کرے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر قضا واجب ہے۔ اور جمہور اہل علم کا یہی مسلک ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ قصداً" قے کرکے روزہ توڑنے والے پر صرف قضا ہے یا کفارہ بھی۔ جمہور اہل علم کا تو فتوی یہ ہے کہ صرف اور صرف قضا ہے' یعنی روزے کے عوض روزہ رکھا جائے اور کفارہ نہیں۔ بعض علمائے کرام نے قے کی مقدار پر بھی بحث کی ہے اور کہا ہے کہ منہ بھر کر قے ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے دوسرے علما یہ کہتے ہیں کہ قے تھوڑی ہو یا بہت بہرحال یہ قے ہی ہے۔ اور مقدار کا کوئی مسئلہ نہیں۔

یہ اسلام کا فیضان اور اللہ تعالی کا احسان ہے کہ شریعت میں مسائل حیات پر

بھرپور ہدایات موجود ہیں۔ اسلامی عبادات میں ماہ رمضان کے روزے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

سید المرسلین خاتم النبیین رحمتہ للعالمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ آپ نے اس مہینے کو برکت و رحمت اور بخشش کا مہینہ قرار دیا ہے۔ اس مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور مواسات کا مہینہ ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ اس مبارک مہینے میں ہم ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو کر دکھیا لوگوں کے دکھوں کو کم سے کم کرنے کی کوشش کریں۔ پھر رمضان کے روزوں کا اجر بھی بے حساب ہے۔ ہر عمل اور عبادات کا اجر مقرر ہے' لیکن روزوں کے اجر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ الصوم لی وانا اجزی بہ' یعنی روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کا اجر دوں گا۔ اس بابرکت مہینے میں ہر نیکی اور ہر عمل کا اجر بہت بڑھ جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس مہینے کے بارے میں احتیاط بڑی ضروری ہے۔ وہ برائیاں جنہیں ہمارا معاشرہ بے اہمیت سمجھتا ہے اور بے دھڑک ہر وقت ان کا ارتکاب کرتا رہتا ہے مثلاً جھوٹ' غیبت' چغلی' غلط بیانی وغیرہ اور جنہیں ہم روز مرہ کی زندگی میں بالکل معمولی باتیں سمجھتے ہیں' ان سب سے کلی طور پر بچنا اور پرہیز کرنا بڑا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹ بولنے والے کا روزہ قابل قبول ہی نہیں' بلکہ اس کا روزہ تو سرے روزہ ہی نہیں۔ اسی طرح کسی کی غیرحاضری میں اس کی برائی بیان کرنے سے بھی روزے کا اجر و ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

در حقیقت روزہ ایک اہم عبادت و فریضہ بھی ہے اور جسمانی اور اخلاقی ریاضت اور تربیت بھی۔ ہمیں چاہیے کہ اس عبادت اور فریضے کو حسن نیت اور اخلاص کے ساتھ ادا کریں اور تمام احتیاطی تدابیر کو اختیار کریں جو روزے دار کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمائی ہیں اور اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ جس طرح قصداً قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا واجب ہے۔ اس طرح ان تمام دوسرے عوامل

سے بچنے کے لیے بھرپور کوشش کریں جو روزے دار کی محنت کو برباد کر دینے والے ہیں تاکہ ہمارے کردار کی صحیح تشکیل ہو پائے اور رمضان المبارک کے بعد ہم اپنے اندر ایک عظیم روحانی اور اخلاقی انقلاب محسوس کریں ایسا انقلاب کہ ہماری وجہ سے ہمارا وطن اور ہمارا معاشرہ جنت نشان نظر آنے لگے۔

OOO

عدل واحسان

اسلام ایک مکمل با ضابطۂ حیات ہے۔ امن و سلامتی کا دین ہونے کے باعث اسلام نے ہمیں ایک شاندار دستور زندگی عطا کیا ہے جو خوشگوار زندگی گزارنے کے سنہرے اصول پیش کرتا ہے۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ ایسا معاشرہ پیدا کیا جائے جس میں تمام افراد آپس میں محبت و مودّت اور امن و سکون سے رہیں۔ باہمی معاملات میں کسی کو کوئی شکایت پیدا نہ ہونے پائے' بلکہ ہر معاملہ خوشدلی اور فراخدلی سے طے پا جائے۔ کوئی ایک دوسرے کا حق نہ مارے۔ کسی پر جور و ظلم روا نہ رکھا جائے۔ کسی پر زیادتی نہ کی جائے۔ ہر ایک کو اس کا حق پورا پورا ملے۔ زندگی کی تلخیاں ختم کر کے خوشگوار فضا اور پر سکون ماحول پیدا کیا جائے۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے اسلام نے اس بات کی بڑی تاکید کی ہے کہ باہمی معاملات میں عدل و احسان سے کام لیا جائے۔ عدل کا مفہوم یہ ہے کہ ہم جو بات کہیں اور جو کام کریں اس میں کسی سے ناانصافی نہ ہو اور سچائی اور صداقت کی ترازو کسی طرف جھکنے نہ پائے۔ اور ہماری ہر بات اور ہمارا ہر کام عدل و انصاف کی کسوٹی پر پورا اترے۔

عدل و انصاف کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ دو شخصوں یا جماعتوں کے درمیان مساوات اور برابری قائم کی جائے۔ زندگی کے ہر شعبے میں توازن' ہم آہنگی' یکجہتی' برابری اور مساوات کا نام عدل و انصاف ہے۔ جھگڑوں کو چکانے' مجرموں کو سزا دینے اور ان سے بدلہ لینے میں بغیر کسی رو رعایت کے' قانون کے مطابق فیصلہ دینا بھی عدل کہلاتا ہے۔

عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کا پورا پورا حق دیا جائے۔ اس میں کسی قسم کی کمی بیشی روا نہ رکھی جائے۔

اس کے مقابلے پر احسان سے مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے سے اچھا سلوک کیا جائے۔ کسی شخص کو اس کے حق سے زیادہ دے دیا جائے اور اپنے حق سے دوسرے کی خاطر کوئی چیز کم لے لی جائے۔ بہرحال حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کو احسان کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عدل کرنے والا ہے اور اس کا ہر کام عدل پر مبنی ہے۔ یہ سارا نظام کائنات اس کے عدل کی وجہ سے چل رہا ہے اور یہ سارا کارخانہ قدرت اللہ تعالیٰ کے عدل کے ساتھ قائم ہے۔

زندگی کے ہر شعبے میں عدل کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ایک جامع آیت میں چند چیزوں کا حکم دیتے ہوئے عدل کا حکم سب سے پہلے دیا ہے۔ فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل)" یعنی اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ عدل و انصاف اقتضائے قانون ہے اور احسان و مروت اخلاق کا تقاضا ہے۔ پہلے عدل کا حکم دیا تاکہ نظام کائنات قائم و استوار رہے' پھر احسان و مروت کی تاکید کی جو ہماری روحانی تکمیل کا باعث ہے اور جس سے باہمی محبت بڑھتی ہے اور آپس میں عزت و احترام کا جذبہ ابھرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہماری زندگی کے اہم شعبوں کا ذکر کرتے ہوئے ان میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ معاشرتی زندگی میں سب سے قریبی رشتہ میاں بیوی کا ہے اور اس ضمن میں سب سے نازک مسئلہ ان لوگوں کا ہے جو ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو حکم دیا ہے: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ بیویوں میں عدل و انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی بیوی پر قناعت کرو۔)

ایک خاندان میں بعض اوقات یتیم بچوں کی پرورش و تربیت کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں اور خاندان میں یہ مسئلہ ضروری بھی ہے اور اہم بھی۔

Marfat.com

چنانچہ قرآن مجید نے یتیموں کے حقوق کی نگہداشت کے لیے بھی عدل و انصاف کی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر حکم دیا:

وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ (نساء ۴: ۱۲۹) یعنی یتیموں کے حق میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو۔ لفظ قسط عدل کا مترادف ہے۔

باہمی معاملات میں عدل کی زیادہ ضرورت روزانہ کی خرید و فروخت میں اوزان و پیمانہ وغیرہ کے استعمال میں ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

وَ اَوْفُوا الْکَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ (انعام ۶: ۱۹) یعنی عدل و انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپ تول کرو۔

قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں بار بار اس امر کی ہدایت کی گئی ہے کہ ناپ اور تول میں بے انصافی نہ کی جائے۔ خرید و فروخت اتنا اہم معاملہ ہے کہ ہر انسان کو اس کی ضرورت ہوتی ہے اور ناپ تول میں کمی بیشی سے پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رذیل اور گندے کام سے سختی سے روکا ہے اور ناپ تول کے معاملے میں عدل و انصاف کا حکم دیا ہے۔

عدالتی معاملات میں بھی عدل و انصاف کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام نے عدالتی معاملات کے ہر پہلو میں عدل و انصاف کو ملحوظ خاطر رکھنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا کہ دستاویز لکھتے وقت عدل و انصاف کا لحاظ رکھا جائے۔ وَ لْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ (البقرہ ۲: ۲۸۲) یعنی دستاویز لکھنے والا عدل و انصاف کے ساتھ لکھے۔

پھر فرمایا کہ اگر مقروض کم عقل یا معذور ہو یا خود لکھوا نہ سکتا ہو تو اس کا مختار یا ولی عدل و انصاف کے ساتھ لکھوا دے۔

عدالتی لحاظ سے گواہوں کی شہادت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی (انعام ۶: ۱۵۲) یعنی جب تم بات کہو تو عدل و انصاف کی کہو۔ اگرچہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔ دوسری جگہ (سورہ مائدہ میں) فرمایا کہ کسی قوم کی دشمنی و عداوت تمہیں عدل و انصاف سے باز نہ رکھنے پائے۔ ہر حال میں عدل

Marfat.com

کرو کہ یہ شیوہ عدل و انصاف کے زیادہ قریب ہے۔

قرآن مجید نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ زندگی کے سارے معاملات میں عدل و انصاف کا دامن تھامے رکھیں۔ خدا لگتی بات کریں۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ گواہی میں نہ تو اپنی جان کا خیال رکھیں' نہ عزیزوں اور رشتے داروں کا' نہ دولتمند کی طرف داری کریں اور نہ غریب و مسکین پر کرم و کرم کا جذبہ پیدا ہونے پائے۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء' ۴: ۸) فرمایا کہ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ دو۔

سورۂ حجرات میں فرمایا کہ جب دو مسلمان جماعتوں میں جھگڑا ہو جائے تو ان کے درمیان عدل و انصاف ملحوظ رکھتے ہوئے صلح کرا دو۔ سورہ المائدہ میں فرمایا: اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ فرمایا کہ عدل و انصاف کرو۔ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ کا ڈر تقویٰ پیدا کرتا ہے اور تقویٰ مطالبہ کرتا ہے عدل و انصاف کا۔ اور عدل و انصاف پر اچھی معاشرت کا انحصار ہے اور اچھے معاشرے سے خوشگوار زندگی وابستہ ہے۔

قرآن مجید کا منشا یہ ہے کہ ہم باہمی معاملات میں عدل و انصاف قائم کریں تاکہ گفتار و کردار لین دین' ناپ تول' کاروبار اور تجارت غرضیکہ ہر شعبہ زندگی میں توازن برقرار رکھا جاسکے۔ اور ہماری زندگی ہموار اور خوشگوار رہے۔

اسلام نے ہمیں احسان کی بھی تعلیم دی ہے اور قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ماں باپ سے حسن سلوک کرو۔ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا رشتے داروں' یتیموں' محتاجوں' ہمسایوں' غلاموں اور دوسرے لوگوں سے احسان' مروت' نیکی اور حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔

ہماری زندگی میں ایک بڑا ہی نازک موڑ آتا ہے جب کہ میاں بیوی کی بن نہ آئے تو معاملہ بگڑ کر طلاق تک نوبت آجائے۔ ایسے وقت میں جذبات بڑے تیز ہوتے ہیں۔ اکثر

Marfat.com

دشمنی و عداوت کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ الزام تراشی تو معمولی بات ہے۔ ایسے نازک مرحلے پر بھی اسلام تصریح باحسان کی تاکید کرتا ہے یعنی میاں بیوی ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے ہیں اور قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ مرد کو چاہیے کہ احسان اور حسن سلوک کے ساتھ اور دے دلا کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کرے۔

عدل کی طرح احسان کی اور بھی بہت سی صورتیں ہیں جس سے انسان کی شرافت و فضیلت' بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق کا پتہ چلتا ہے۔ انہی مقاصد کے حصول اور انہی فضائل کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے عدل اور احسان کا حکم دیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔

اگر ہم عدل و احسان کا دائرہ اپنی ساری زندگی پر پھیلا دیں تو ہمارے سارے معاملات سدھر سکتے ہیں اور ماں باپ' میاں بیوی' والدین اور اولاد' بہن بھائی' رشتہ دار' ہمسائے' گاہک اور دکاندار' دوست احباب سب کے ساتھ عدل و انصاف کریں اور حسن سلوک اور حسن و مروت سے پیش آئیں تو ہماری زندگی کی تلخیاں یکسر ختم ہو جائیں اور خوشگوار زندگی' مسرت و شادمانی کی ضمانت دے سکتی ہے۔

ooo

Marfat.com

دو بابرکت کلمے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو جملے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے پھلکے ہیں' میزان میں بڑے بھاری اور وزنی ہیں اور اللہ رحمٰن کو بڑے پیارے ہیں: سبحان اللہ و بحمدہ' سبحان اللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں ذکر الٰہی کی بڑی تاکید اور فضیلت بیان کی ہے۔ ذکر الٰہی کی مختلف صورتیں اور شکلیں ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت بھی ذکر الٰہی ہے۔ نماز ادا کرنا بھی ذکر الٰہی ہے۔ صرف اللہ اللہ کرنا بھی ذکر الٰہی ہے۔ تسبیح و تحمید و تکبیر و تہلیل یعنی سبحان اللہ' الحمد للہ۔

تخلیق آدم کے وقت فرشتوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ' یعنی اے اللہ! ہم تیری تسبیح اور تعریف و تقدیس بیان کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہ پسند تھا کہ فرشتوں کے علاوہ انسان بھی اس کی تسبیح و تقدیس کریں۔ مزید برآں قرآن مجید میں یہ اعلان کیا گیا کہ کائنات کا ہر ذرہ اپنے مالک حقیقی کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس بات کا ذکر بکثرت کیا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ اہل ایمان کو بھی اللہ تعالیٰ نے دعوت دی کہ وہ صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرتے رہیں۔

انہیں احکام کی اطاعت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو مختلف انداز میں یہ ترغیب دلائی کہ وہ تسبیح و تحمید بکثرت کیا کریں۔ یعنی صبح شام سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا ورد کیا کریں اور ان اوراد کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کو افضل الکلام قرار دیا اور فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ پڑھنے والے کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ روز قیامت کے لیے بہترین زاد راہ ہے۔ ایک حدیث میں سید

Marfat.com

المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین کلام وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لیے پسند فرمایا۔ پیش نظر حدیث میں بھی حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی ہے کہ ہر مسلمان سُبحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمدِہٖ، سُبحَانَ اللّٰہِ العَظِیم بکثرت پڑھا کرے۔ اس کے دنیوی فوائد تو یہ ہیں کہ پڑھنے والے کا دل و دماغ پاکیزہ اور صاف ستھرا رہتا ہے۔ دنیا کی آلائشوں اور کدورتوں سے نجات ملتی ہے۔ دل کو سکون اور راحت نصیب ہوتی ہے۔ رنج و الم مٹ جاتے ہیں۔ گناہوں سے پاک دامن ہو جاتا ہے۔ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ قیامت کے دن جب حساب کتاب ہو گا تو سُبحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمدِہٖ سُبحَانَ اللّٰہِ العَظِیم پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ٹھہرے گا اور اس کے اعمال میں یہ ورد وزنی اور بھاری بھرکم ثابت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم صبح و شام "سُبحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمدِہٖ سُبحَانَ اللّٰہِ العَظِیم پڑھتے رہیں۔ آمین۔

○○○

Marfat.com

Marfat.com

سفرنامہ یورپ و حرمین شریفین

Marfat.com

Marfat.com

سفرنامہ یورپ و حرمین الشریفین

(پروفیسر صاحب کے تین صاحبزادے کافی عرصے سے ہالینڈ میں مقیم ہیں۔ ان کی جانب سے اپنے والد محترم اور والدہ محترمہ کو ہالینڈ آنے اور وہاں کی سیاحت کرنے کا اصرار رہتا تھا۔ چنانچہ پروفیسر صاحب نے اواخر ۱۹۸۳ء میں ان کے ہاں جانے اور زیارت حرمین الشرفین کا پروگرام بنایا۔ اس سفر کے حالات انہوں نے اپنی ذاتی ڈائری میں بالتفصیل لکھے ہیں۔ اس سفر نامے میں پروفیسر صاحب کا خاص انداز اور اسلوب نمایاں ہے ....مرتب)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

۲ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ/ ۹ اکتوبر ۱۹۸۳ء: آج صبح گھر کو اللہ کریم کے سپرد کر کے تالے وغیرہ لگا کر سوا نو بجے ہوائی اڈے کے لیے روانہ ہوئے' زبیر قیوم بھی ہمارے ساتھ تھا۔ پونے دس بجے ہوائی اڈے پہنچے۔ کاغذات اور سامان کے سلسلے میں بفضل خدا کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ زبیر تمام مراحل میں ساتھ رہا۔ بی بی جان(۱) کی طبیعت کئی دنوں سے بہت خراب تھی۔ بہر حال دس بجکر چالیس منٹ پر جہاز نے پرواز کی اور ساڑھے بارہ بجے کے قریب کراچی پہنچے۔ سامان اکٹھا کیا اور کے ایل ایم (K.L.M.) کے دفتر سے کاغذات تصدیق کرا کر ہوٹل Mid way کی گاڑی میں ہوٹل پہنچے۔ کمرہ نمبر۱۲۰ میں قیام کیا۔ دوپہر کا کھانا کھایا۔ چار بجے کے قریب غزالہ بیٹی (۲) بچوں سمیت آگئی۔ بچے شام

۱۔ پروفیسر صاحب کی اہلیہ محترمہ۔
۲۔ پروفیسر صاحب کی بڑی صاحبزادی' بیگم کرنل حامد محمود بٹ۔

Marfat.com

تک رہے۔ رات کا کھانا ۹ بجے کے قریب کھایا۔ رات بارہ بجے ہوٹل کی گاڑی میں ہوائی اڈے پر پہنچے وہاں تمام رسمی کاروائی بخیریت ہو گئی۔ ہال میں بیٹھ کر جہاز کا انتظار کرنے لگے۔ رات کے پونے دو بجے جہاز پر سوار ہوے۔ کے ایل ایم کا جہاز جتنا بڑا تھا اتنا ہی آرام دہ بھی۔ صاف ستھرا پرسکون' رات کے دو بجکر دس منٹ پر پروازی اعلانات کے بعد جہاز نے پرواز کے لیے پر تولنے شروع کیے اور چند لمحوں میں آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا' رات کا سناٹا' ایک دنیا کو اپنے اندر سموئے ہوے جہاز فضاؤں کے سینوں کو چیرتا ہوا ایمسٹرڈم کی طرف محو پرواز رہا۔ پاکستان کی رات کی تاریکیاں اپنے دامن پھیلاتی چلی گئیں' چار گھنٹوں کے بعد بھی رات کا نصف حصہ ہی نظر آتا رہا چھ سات گھنٹوں کی پرواز بھی رات کی تاریکی کو دن کی روشنی سے بدل نہ سکی۔ یہ رات طول شب فراق سے بھی بازی لے گئی۔ آخر تنگ آکر میں نے جہاز کی ایک خادمہ میزبان سے پوچھا کہ سورج کب طلوع ہوگا۔ جواب ملا کہ ایمسٹرڈیم پہنچنے کے آدھ گھنٹہ بعد۔ یعنی تقریبا پونے سات بجے (ایمسٹرڈیم کے وقت کے مطابق)۔ میں نفسیاتی طور پر نماز فجر کے لیے بے چین تھا' پاکستانی وقت کے مطابق ۹ بج چکے تھے۔ میں نے اٹھ کر وضو کیا اور نماز فجر اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ادا کی۔ سہ پہر خدا خدا کر کے گیارہ بجے (پاکستانی وقت کے مطابق) اور ایمسٹرڈیم کے وقت کے مطابق سات بجے جہاز ہوائی اڈے پر اترا۔ ایمسٹرڈیم کا ہوائی اڈہ دنیا کے بہترین ہوائی اڈوں میں سے ہے۔ کے ایم ایل کا انتظام حسن کارکردگی' ہر شے میں نفاست اور صفائی قابل قدر ہی نہیں قابل رشک بھی ہے۔ مسافروں کے لیے بسوں کا انتظام' پھر گزرنے کے لیے پل' پلوں پر خودکار سڑک' خودکار سیڑھیاں' ہر قسم کے مسافروں' بچوں' بوڑھوں اور بیماروں کے لیے سہولت و آسائش کا پورا سامان' غرضیکہ ہر چیز قابل داد قابل تحسین ہے۔

ہوائی اڈے سے باہر جانے کے لیے پاسپورٹ کی پڑتال اور دیگر رسوم بخیر و خوبی انجام پا چکیں تو اپنا سامان اکٹھا کر کے ٹرالی پر رکھا اور باہر نکلنے والے

Marfat.com

دروازے کی طرف بڑھے تو سامنے سے عزیزوں نے ہاتھ بڑھائے۔ اب تک تو چھتوں کے نیچے تھے باہر نکلے تو ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا ویسے بھی باہر بہت گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ پہلے بارش ہو چکی تھی اب تو صرف ہلکی سی پھوار پڑ رہی تھی۔ سامان گاڑی میں رکھا اور گھر کو روانہ ہوئے۔ ہوائی اڈے اور ہماری اقامت گاہ کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔ بہر حال خوشگوار اور نظرافروز راستوں کی وجہ سے طویل فاصلہ بالکل تھوڑے سے عرصے میں طے ہو گیا۔

ایمسٹرڈیم کا کیا کہنا ہے یہ تو درختوں' سبزہ زاروں' پانیوں' یعنی نہروں اور اونچی اونچی عمارتوں کا شہر ہے۔ نہایت خوش منظر شہر' کشادہ سڑکیں' بارونق بازار' موٹروں اور ٹراموں کی بھرمار' جس طرف نکل جاؤ نہریں نظر آتی ہیں۔ دریائے ایمسٹل شہر کے درمیان سے گزرتا ہے۔ ہوٹل اور ریسٹوران بڑے آباد نظر آتے ہیں۔ ہر انسان مرد ہو یا عورت تیز گام نظر آتا ہے۔ ہر شخص کے چہرے پر رونق و شادابی دیکھنے میں آتی ہے۔ ہر آدمی تندرست و توانا اور چست دکھائی دیتا ہے۔ بوڑھی عورتوں اور بوڑھے مردوں کو بکثرت دیکھا تو اندازہ لگایا کہ یہاں لوگوں عمریں خاصل لمبی ہوتی ہیں۔

ٹرامیں اور بسیں ہر جگہ کے لیے مل جاتی ہیں۔ دنیا جہاں کے پھل اور سبزیاں یہاں میسر ہیں۔ کل میں نے تازہ خربوزہ کھایا' بڑا شیریں اور خوش ذائقہ تھا۔ سیب ہر قسم کے' کیلے اتنے بڑے بڑے کہ ایک کیلے سے پیٹ بھر جائے' پھر خوشبودار اور خوش ذائقہ بھی۔

بجلی کا نظام اتنا اچھا ہے کہ ٹیلی وژن سارا دن اور ساری رات چلتا رہتا ہے۔ جب سیاہ بادل چھا جاتے ہیں تو دن کے وقت بھی بجلی کی روشنی سڑکوں اور شاہراہوں کو جگمگاتی رہتی ہے۔ بچوں' بوڑھوں اور بیماروں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ بیمار' لاغر' بوڑھے اور لاوارث بلی کتوں کے لیے الگ گھر موجود ہیں جہاں ان کی دیکھ بھال ہوتی ہے۔

شہر کے باہر بیس پچیس میل دور بڑی خوبصورت آبادیاں معرض وجود

میں آ رہی ہیں۔ ان نئی بستیوں کے سامنے تمام بڑی بڑی دکانوں کے علاوہ بڑے بڑے تجارتی مراکز بھی قائم کیے گئے ہیں۔ یہ بڑی بڑی منڈیاں اور تجارتی مراکز قابل دید ہیں۔ اتنے بڑے بڑے تجارتی مراکز ہیں کہ انسان ان کے اندر گھوم پھر کر تھک جاتا ہے۔ دنیا کی ہر شے' استعمال اور ضرورت کی ہر چیز وہاں موجود ہے۔ خریداروں کا ہجوم بھی مثالی ہوتا ہے۔ ایمسٹرڈیم شہر سے کوئی بیس میل باہر ایک شاندار تجارتی مرکز Maxis کے نام سے قائم ہے۔ جہاں ہزاروں خریدار روزانہ جاتے ہیں۔ اس مارکیٹ کے باہر موٹرکاروں کا ایک سیلاب نظر آتا ہے۔ ہر شخص ضرورت کی اشیا اس ٹرالی میں رکھ کر کاؤنٹر پر آکر قیمت ادا کرتا ہے۔

اس تجارتی مرکز کے ساتھ ایک نہایت کشادہ' خوبصورت اور باغ و بہار قسم کا ریسٹوراں موجود ہے' جہاں اپنی اپنی پسند کی کھانے کی چیزیں' کھانے والے خود اپنے اپنے خوانچوں (Trays) میں لگا کر لاتے ہیں۔ دودھ' چائے' کافی' سوڈا واٹر' سیون اپ اور لسی وغیرہ ہر قسم کے مشروب میسر ہیں۔ مختلف انواع و اقسام کے پنیر' مکھن' کریم' پیسٹری' کیک' پھل تازہ اور خشک ڈبوں میں محفوظ پھل' دنیا جہاں کے ماکولات و مشروبات اس ریسٹوران میں موجود ہیں مختلف ملکوں اور قوموں کے لوگ عمدہ اور خوشنما نشستوں پر بیٹھے کام و دہن کی تواضع میں مصروف نظر آتے ہیں۔

اس طرح ایک تجارتی مرکز شہر کے دوسری طرف دیکھنے کا موقع ملا۔ یہاں بھی ہر طرح کی زیب و آرائش کے ساتھ ہر قسم کی اشیا جمع کی گئی ہیں۔ یہاں ہر شال پر الگ الگ کارندے کام کرتے ہیں اور ہر شال کی چیز کی قیمت وہیں ادا کرنی پڑی ہے۔ اس تجارتی مرکز کا نام وستورا Wastora ہے۔ یہاں ایک شال عینکوں کا قابل ذکر ہے۔ آنکھیں ٹیسٹ کرنے کی ایک بڑی مشین ہے جہاں کمپیوٹر کے ذریعے عینک کا نمبر تجویز کیا جاتا ہے۔ یہ مرکز ایک نئی خوبصورت آبادی میں ہے جس کا نام ساندم یا زاندم Zaandam ہے۔

شہر کے اندر ملکہ کا قدیم محل ہے۔ تمام سرکاری اور دفتری کاروباری

Marfat.com

اور تمام نظم و نسق سے متعلق اجلاس یہیں منعقد ہوتے ہیں۔ اس محل کے ایک پہلو میں ایک قدیم اور عظیم گرجا ہے۔ محل کے سامنے ایک چوک ہے' جس کے دوسری جانب ایک عظیم الشان اور بڑا آباد ہوٹل ہے' جس میں پانصد کے قریب کمرے ہیں۔ ویسے اس شہر میں ہوٹل اور ریستوران اپنی نفاست' زینت اور نظم و نسق کے لحاظ سے بے مثال ہیں۔ اس چوک میں دوسری جنگ عظیم کی ایک یادگار تعمیر کی گئی ہے جس میں لمبے لمبے قدآور بت بنائے گئے ہیں جو کہ بالکل برہنہ ہیں' بتوں کا عام رواج ہے۔

شہر کے اندرونی حصے میں بھی بازار بڑے بارونق ہیں۔ کھلی منڈیوں میں ہر قسم کی اشیا مل جاتی ہیں۔ ہر قسم کے پھل' ہر قسم کی سبزیاں' ہر قسم کے گوشت' مرغی' بکری (بھیڑ)' گائے کا گوشت۔ مچھلی بھی ہر قسم کی' سپی مچھلی' جھینگا' پتلی سانپ کی شکل کی' کھگا اور رہو وغیرہ۔ جمعہ' ہفتہ اور اتوار کو اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ چلنا اور گزرنا مشکل ہوتا ہے۔ ملک ملک کے لوگ نظر آتے ہیں۔ کالے اور گورے' مرد اور عورتیں بچے اور بوڑھے سب اپنی اپنی پسند اور ضرورت کی چیزیں خریدتے پھرتے ہیں۔ ہسپتال بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ جدید ترین مشینیں نصب کی گئی ہیں' صاف ستھرا اور پاکیزہ ماحول ہے۔

بچوں کی دیکھ بھال

ہر بچے کی پیدائش کے بعد اس کا کارڈ بن جاتا ہے جس میں اس کی صحت اور بیماری کے کوائف درج ہوتے رہتے ہیں۔ ہر ہفتے' پھر ہر پندرواڑے اور پھر ہر مہینے بچے کو ہسپتال لے جاکر چیک اپ (check up) کرانا ضروری ہوتا ہے۔

اگر کوئی والدین اپنے بچے کی صحیح دیکھ بھال نہ کر سکیں تو حکومت اس بچے کو لے جاتی ہے۔ بوڑھوں کی صحت اور خوراک کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

ہالینڈ میں ایک علمی مجلس (مشرقی علوم و فنون سے متعلق) ہے جس کا نام

Marfat.com

Duch Oriental Society ہے۔ اس مجلس کا قیام ۱۹۲۰ء میں عمل میں آیا اور مئی ۱۹۷۰ء کے پہلے عشرے (۸۔۹ مئی ۱۹۷۰ء کو) اس کی پچاس سالہ (جوبلی) لائیڈن میں منائی گئی۔ اب اس مجلس کی عمر ۶۳ سال ہوگئی ہے۔

لائیڈن یونیورسٹی میں پروفیسر ڈاکٹر J.M.S.Baljon (بلیان) سے ملاقات ہوئی جو شعبہ عربی سے منسلک ہے۔ موصوف آجکل ابن عربی کی فصوص الحکم مع شرح عفیفی پڑھاتا ہے۔ عربی کے شعبہ میں تین چار پروفیسر ہیں۔ عربی کا شعبہ در حقیقت السنہ شرقیہ کے شعبے کا ایک حصہ ہے۔ السنہ شرقیہ میں عربی فارسی اور ترکی زبانیں اور علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ اردو کو ہندوستانی زبانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

پروفیسر بلیان (Baljon) ایک مدت سے شاہ ولی اللہ پر کام کر رہا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں اس نے شاہ ولی اللہ پر ایک مضمون بزبان انگریزی بعنوان: Psychology as Apprehended & applied by Shah Wali Allah Dihlavi لکھا' یہ مقالہ اس نے ڈچ اورینٹل سوسائٹی کی پچاسویں سالگرہ برسی کے موقع پر منعقدہ کانگرس میں پڑھا۔ پروفیسر موصوف نے شاہ صاحب کی کتاب "البدور البازغہ" کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا جو عنقریب لاہور سے شائع ہونے والا ہے۔

اس نے شاہ صاحب کے حوالے سے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ابن عربی کے افکار و نظریات کا بھی مطالعہ کیا ہے۔

پروفیسر بلیان (Baljon) نے ایک اور کتاب شاہ صاحب پر تیار کی ہے اور اس پر نظرثانی کر رہا ہے۔ اس کتاب کا عنوان ہے: Religion and thought of Shah Wali Dihlnvi.

آج مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو پھر طویل سفر طے کرکے لائیڈن گیا۔ عربی کا شعبہ دیکھا' پروفیسر بلیان کے علاوہ دوسرے اساتذہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ باقی اساتذہ تقریباً نوجوان ہیں۔ جدید عربی بولنے کے لیے ایک عرب استاد مقرر

Marfat.com

ہے' یہ نوجوان ہے۔ یہاں طلبہ کی تعداد کی قلت باعث تشویش نہیں ہوتی۔ ایک طالب علم ہو یا دو' کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شعبہ کے استاد اپنا اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ ہر شعبے کی ایک مختصر سی لائبریری ہے۔ پھر یونیورسٹی کی بڑی لائبریری میں ہر زبان' ہر ملک اور ہر موضوع کی کتابیں موجود ہیں۔ مصر قدیم (قبل از اسلام) پر نادر، مگر بے شمار کتابیں مختلف زبانوں میں موجود ہیں۔ درحقیقت یہ کتابیں تاریخی' علمی تحقیقی حیثیت کے علاوہ سیاسی مقاصد میں بھی کام آتی ہیں۔ بہت سے شعبے یونیورسٹی کی نئی عمارت میں ہیں جو بڑی خوبصورت اور شاندار ہے۔ یونیورسٹی کا کچھ حصہ نہر کے ایک طرف ہے اور کچھ حصہ دوسری طرف۔ ہالینڈ کے ہر شہر میں نہروں کی بہتات اور کثرت ہے۔ لائیڈن میں بھی جس طرف نکل جاؤ۔ نہریں نظر آتی ہیں۔ سڑکیں کشادہ اور حسین ہیں۔ بڑی شاہراہوں پر یکطرفہ آمدورفت میں چھ چھ سات سات گاڑیاں ساتھ ساتھ چل سکتی ہیں۔ سائیکلوں کے لیے الگ راستے ہیں اور پیدل چلنے والوں کے لیے الگ۔

ہالینڈ میں جلسے کی آزادی ہے۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۳ء (بروز جمعۃ المبارک) کو محکمہ ٹیلیفون والوں کا جلوس نکلا۔ تمام جلوس موٹر گاڑیوں پر مشتمل تھا۔ حکومت نے ساڑھے تین فیصد تنخواہوں میں کمی کا اعلان کیا تو ملازمین نے اسے ناپسند کرتے ہوئے احتجاج کے طور پر جلوس نکالا' لیکن جلوس میں محکمہ کے سارے ملازمین نے شرکت نہیں کی آدھا سٹاف کام میں مصروف رہا تاکہ عوام کو تکلیف نہ ہو اور آدھے سٹاف نے ہڑتال کی اور جلوس نکالا۔ جلوس خاصا لمبا تھا۔ ٹریفک گھنٹوں تک رکا رہا' لیکن نہ تو کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا اور نہ کوئی توڑ پھوڑ دیکھنے میں آئی۔ جلوس نعرے لگاتا ہوا کہ ساڑھے تین فیصد تخفیف واپس لو' بخیر و خوبی ختم ہوا۔

دوسرے دن یعنی ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۳ء (بروز ہفتہ) کو ہیگ میں ایک عظیم الشان جلوس نکلا ڈچ لوگ اسے Den Haaq کہتے ہیں۔ ہیگ کے اس جلوس میں ساڑھے پانچ لاکھ افراد نے شرکت کی' جوش و خروش کے باوجود کوئی ہنگامہ

نہیں ہوا کوئی توڑ پھوڑ نہ ہوئی۔ کسی سرکاری یا نجی عمارت کو نقصان نہیں پہنچایا گیا۔

بعض اوقات اشتراکی نوجوان شرارت کرتے ہیں اور ٹراموے کی لائنوں کو نقصان پہنچاتے ہیں' لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ ہر قسم کے اظہار خیال کی آزادی ہے۔ یہ ہیگ والا جلوس امریکی میزائل کے نصب کرنے کے خلاف تھا۔ اس عظیم الشان جلوس کو ٹیلویژن پر دکھایا گیا اور پھر شام کو ٹیلویژن پر اس جلوس کے بارے میں ایک دلچسپ تبصرہ ہوا۔ جس میں چار آدمیوں نے شرکت کی۔ ایک ہالینڈ کے لوگوں کی نمائندگی کر رہا تھا' دوسرا امریکی مبصر تھا۔ ایک صحافی اور ٹیلویژن کا۔

خوب پھرے گھومے ہیں۔ بازار بڑے بارونق اور آباد ہیں۔ شہر صاف ستھرے سڑکیں کشادہ اور صاف' باغ بکثرت اور درختوں کی فروانی' ہر جگہ نہریں اور نہروں میں رہائشی کشتیاں۔ نہروں میں مرغابیاں' بطخیں اور آبی جانور آزادانہ اور بے خطر مزے کرتے ہیں۔ کوئی ان سے تعرض نہیں کرتا۔ کوئی شکار نہیں کرتا۔ کوئی جانوروں کو پکڑتا نہیں۔ اسی طرح کبوتر بھی باغات اور سڑکوں پر آزادی سے بے خطر بکثرت نظر آتے ہیں۔

آس پاس کے چھوٹے بڑے شہر بھی دیکھے ہیں۔ دیہات بھی بڑے صاف ستھرے ہیں۔ گائیں اور بھیڑیں کھیتوں میں اور چراگاہوں میں بکثرت نظر آتی ہیں۔ جانور خوب موٹے تازے ہیں۔ سیرو سیاحت کرنے والے بھی ہروقت آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس لیے ہوٹل اور ریسٹوران بھی بہت ہیں۔ ہر بڑی منڈی یا بازار یا تجارتی مرکز کے ساتھ ایک خوبصورت اور نفیس قسم کا ریسٹوران موجود ہے جہاں کھانے پینے والوں کی بھیڑ رہتی ہے۔

یہاں ہر بڑے شہر میں یونیورسٹی ہے۔ ایمسٹرڈیم کی اوپن یونیورسٹی کا نام فری یونیورسٹی ہے۔ بڑی شاندار دس منزلہ عمارت ہے' جہاں ہزاروں طلبہ اور طالبات پڑھتے ہیں۔ اس کے ساتھ میڈیکل کالج اور ہسپتال بھی ملحق ہے۔

ہالینڈ میں لائیڈن یونیورسٹی بہت معروف ہے۔ اب یہ یونیورسٹی اپنی جدید خوبصورت عمارت میں منتقل ہو گئی ہے۔ درمیان میں ایک چوڑی سی نہر ہے اور نہر کے دونوں کناروں پر یونیورسٹی کے مختلف شعبے ہیں۔ ہر شعبے کی مختصر سی اپنی لائبریری ہے۔ یونیورسٹی کی لائبریری بہت بڑی اور قدیم و جدید کتب پر مشتمل ہے۔ لائیڈن یہاں سے کوئی ۴۵ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ دو دن وہاں جاتا رہا ہوں۔ مختلف پروفیسروں سے ملاقات ہوئی۔ ایک پروفیسر ڈاکٹر بلیان گزشتہ پندرہ سال سے شاہ ولی اللہ پر تحقیقی کام کر رہا ہے۔ بڑا مزا رہا ہے۔ خوب بات چیت ہوئی۔

سفر لندن

۵ نومبر کی شام کو ایمسٹرڈیم سے لنڈن پہنچے۔ ایک گھنٹے کی پرواز ہے۔ لنڈن اور ایمسٹرڈیم کے وقت میں ایک گھنٹہ کا فرق ہے۔ ایمسٹرڈیم سے ہوائی جہاز پانچ بجے شام اڑا اور جب لنڈن پہنچا تو وہاں بھی پانچ بجے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے ہالینڈ کے وقت اور پاکستان کے وقت میں چار گھنٹے کا فرق ہے یعنی جب ایمسٹرڈیم میں صبح کے چھ بجتے ہیں تو پاکستان میں اس وقت دس بجتے ہیں۔ لیکن لنڈن کے حساب سے صبح کے چھ بجے پاکستان میں ۱۱ بجتے ہیں۔ موسم ابھی تک خوشگوار ہے گھروں میں تو گرمی سردی کا پتہ ہی نہیں چلتا' البتہ باہر نکلیں تو ذرا احتیاط کرنا پڑتی ہے۔ گرم کپڑے اور کوٹ پہننا پڑتا ہے۔ لنڈن میں اسلامک سنٹر والوں کی مسجد قابل دید ہے۔ بہت بڑا دینی مرکز ہے۔ ہر اعتبار سے قابل تعریف ہے۔

لنڈن بہت بڑا شہر ہے۔ بڑے بڑے بازار' عظیم الشان عمارتیں اور تجارتی مرکز ہیں۔ دنیا جہاں کے لوگ یہاں آباد ہیں۔ لنڈن میں چند مقامات خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ یہاں کا پارلیمنٹ ہاؤس قابل ذکر ہے۔ یہاں کسی زمانے میں ساری دنیا کی قسمت کے فیصلے ہوتے تھے۔ ڈاؤننگ سٹریٹ ہے جہاں وزیر اعظم کا گھر ہے۔ آجکل یہاں مسز تھیچر رہتی ہیں۔ سیکرٹریوں کی رہائش گاہیں' ملکہ کا محل'

Marfat.com

ملکہ کی ماں اور ملکہ کی بیٹی کی رہائش گاہیں بھی قابل ذکر ہیں۔ شہر کے ہر حصے میں بڑے بڑے تجارتی مراکز ہیں' ایک ایک سٹور میں پوری انار کلی سما جاتی ہے۔ سٹور میں ہر قسم کی چیزیں دستیاب ہیں۔

ایک بازار کا نام Fleet Street ہے جہاں تمام بڑے بڑے اخباروں کے مرکزی دفاتر ہیں۔ یہاں دنیا جہاں کی خبریں آتی ہیں اور یہیں بیٹھ کر نامہ نگاروں کے ذریعے بڑے بڑے رازوں اور سازشوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ یہی اخبار دنیا کی سیاست پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ آجکل سارے یورپ میں امریکی میزائلوں کے نصب کیے جانے کے خلاف احتجاج ہورہا ہے۔ یورپ کے لوگ گذشتہ عالمی جنگ (دوسری جنگ عظیم) کے خوفناک نتائج سے اب تک لرزاں اور ترساں ہیں۔ وہ دوبارہ اپنے المناک اور درد انگیز تجربات اور حالات سے دوچار نہیں ہونا چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ جلسے اور جلوسوں کے ذریعے وہ مظاہرے کر رہے ہیں۔ اور ٹیلی ویژن پر دوسری جنگ عظیم کے مناظر پیش کر رہے ہیں اور اس کا نام world at war رکھا ہے۔

شہر میں بڑے بڑے تاریخی پارک ہیں' مثلاً ہائیڈ پارک' ریجنٹ پارک۔ ریجنٹ پارک کے اندر چڑیا گھر بھی ہے۔ نیلسن (جس نے نپولین کو شکست دی) کی یادگار میں ایک بہت بڑا مجسمہ Trfalgir کے چوک، میں بنایا گیا ہے۔ اس کے احاطے کے کناروں پر شیروں کے بڑے بڑے مجسمے بنائے گئے ہیں۔ یہاں بے شمار تاریخی یادگاریں ہیں۔ جنگوں میں مارے جانے والے فوجیوں کی یاد میں ایک یادگار بھی بنی ہوئی ہے۔ ایک بازار Harley Street ہے جہاں بڑے تجربہ کار اور لائق ڈاکٹر اپنے اپنے کلینک Clinic میں پریکٹس کرتے ہیں۔

۱۴ مئی یعنی کل صبح غزالہ حامد اور کرنل حامد محمود کے لنڈن پہنچنے کے بعد ہم دوپہر کو ایمسٹرڈیم روانہ ہوجائیں گے' انشاء اللہ العزیز۔ پھر ۱۵ کو یعنی پرسوں منگل کے روز گیارہ بجے جدہ روانہ ہوں گے۔

اسلامک سنٹر (جس کا اوپر ذکر آیا اس) میں ایک عظیم کتب خانہ بھی

Marfat.com

ہے۔ یہاں بچوں کی تعلیم و تدریس کا انتظام بھی ہے۔ پانچ چھ کلاسیں ہیں۔ اردو بنگلہ اور عربی میں تعلیم دی جاتی ہے جو مسلمان اساتذہ کے سپرد ہے۔ جمعہ اور عیدین کے اجتماع قابل دید ہوتے ہیں۔ اکثر عرب ممالک کے علاوہ افریقہ' پاکستان اور ہندوستان وغیرہ ممالک کے لوگ بھی یہاں نماز ادا کرنے آتے ہیں۔ ایک کونے میں اسلام سے متعلق کتابوں کی فروخت کا انتظام بھی ہے۔ اسلامی مرکز کے ایک کمرے میں کھانے پینے کا انتظام بھی ہے"۔

عمرہ و زیارت حرمین الشریفین

۱۵-۱۱-۱۹۸۳ء ایمسٹرڈیم سے ۱۱ بجے جدہ روانہ ہوئے' شام کو جدہ پہنچے۔ ۱۶-۱۱-۱۹۸۳ء کو مکہ مکرمہ پہنچے' بحمد اللہ عمرہ کیا۔

۱۷۔نومبر یعنی جمعرات اور جمعہ بھی حرم کعبہ میں گزارا۔ پانچوں نمازیں بفضل خدا باجماعت ادا کیں۔ جمعۃالمبارک بھی حرم میں ادا کیا۔ حرم کی رونق' وقار' رحمتوں اور برکات کا نزول۔ رات دن ہر وقت طواف کرنے والوں کا ہجوم۔ صفا اور مروہ میں ذکر الٰہی اور دعائیں کرنے والوں کی ازدحام (عجیب نظارہ پیش کرتا ہے)۔ جمعہ کے روز بذریعہ ٹیکسی (حسب ذیل) مقامات مقدسہ کی زیارت کی:

عرفات' مزدلفہ' منیٰ' منحر' مسجد نمرہ' جبل رحمت' جبل نور (غار حرا)' جنت المعلیٰ میں حضرت خدیجہؓ' حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ' حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی قبور۔

۱۹-۱۱-۱۹۸۳ء: ہفتہ ۱۹ نومبر کو صبح ۱۰ بجے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور شام ۵ بجے مسجد نبوی میں پہنچے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے تمام تاریخی مقامات خلیص' رابغ' خیف' بدر' رابغ کے مواقف پر صحرائی ہوٹل (پنجاب ہوٹل) میں مچھلی اور روسٹ مرغی کھائی۔ رابغ کی بندرگاہ' سمندر میں دخانی کشتیاں اور جہاز۔ قدیم شہروں اور صحرائی بستیوں کو بالکل جدید طرز کے مکانات اور تجارتی مراکز میں تبدیل کیا جارہا ہے۔

آمدورفت کے وسائل میں سہولت' دولت و ثروت کی فراوانی' روپے

Marfat.com

کی ریل پیل' جدید تعلیم و تمدن کے اثرات نمایاں ہیں۔
بیت اللہ اور مسجد نبوی میں عبادت گزاروں کا ہجوم رہتا ہے۔
زیارات: احد' مزار حضرت حمزہ' مسجد خندق' خیمہ جات خندق' مسجد قبا' مسجد غمامہ' مسجد ابی بکرؓ' مسجد عثمان اور جنت البقیع۔
مسجد نبوی میں درس کا اہتمام: بعد نماز مغرب شیخ عطیہ سالم کا درس حدیث سنا۔ عموم و خصوص کی بحث بڑی دلچسپ اور عالمانہ مگر عام فہم زبان میں۔
۱۶ تا ۱۹ نومبر مکہ مکرمہ میں باب ملک عبدالعزیز کے سامنے نو منزلہ ہوٹل فندق عبدالعزیز خوقیر میں ٹھہرے۔
۱۹ نومبر تا ۲۳۔ نومبر ۱۹۸۳ء تک مدینہ منورہ میں فندق المنار میں قیام۔
۲۳ نومبر کو بوقت عصر ساڑھے تین بجے واپس مکہ مکرمہ پہنچے اور فندق خوقیر میں قیام رہا۔
۲۵ نومبر ۱۹۸۳ء کو حامد اور غزالہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ عصر پڑھ کر مدینہ روانہ ہوئے۔
۲۶ نومبر ۱۹۸۳ء کو بوقت شام حامد اور غزالہ واپس مکہ مکرمہ پہنچے۔ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے راستے میں حرّات ہیں۔ ذوالحلیفہ (میقات) سے احرام باندھا جاتا ہے اور مسجد ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ لبیک اللھم لبیک۔۔۔۔ کا ورد شروع ہو جاتا ہے (جسے تلبیہ کہتے ہیں) ٹریننگ کالج برائے اساتذہ (کلیۃ التربیہ للمعلمین) چند میل اور آگے چیک پوسٹ ہے جہاں پاسپورٹ کی پڑتال ہوتی ہے۔
خیف ام زیان' بکھری ہوئی بستی۔
موقف خیف
الحمراء۔ بظاہر بے آباد اور اجڑی ہوئی بستی' سڑک کے کنارے منہدم مکانات۔ اندرونی حصہ آباد۔ الحسیہ۔ مختصر سا نخلستان
العالیہ۔ چھوٹی سی بستی

الفراغہ اچھی خاصی بستی، نخلستان۔ جدید و قدیم مکانات کا امتزاج، بستیوں کے نخلستان سوکھ گئے ہیں

بدا خاص آباد بستی، ترقی پذیر ورکشاپ، دوکانیں۔ المفرق

مستورہ: ایک آباد گاؤں یہاں بس ایک گھنٹہ قیام کرتی ہے۔ سرکاری بس آرام دہ اور ائرکنڈیشنڈ۔

الرابغ۔ تقریباً ساحل سمندر۔ سڑک سے گزرتے ہوئے رابغ میں کھڑے جہاز اور دخانی کشتیاں نظر آتی ہیں۔ سمندر کی پٹی دور تک پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ المفرق اور الرابغ کے درمیان وسیع و عریض صحرا ہے اکثر حصہ چٹیل میدان ہے، کہیں کہیں کوئی ٹیلہ یا سطح مرتفع ہے ورنہ لق و دق صحرا۔ رابغ میں پٹرول صاف کرنے کا کارخانہ بھی ہے۔

حجر۔ آباد، بارونق گاؤں یہاں سے رابغ کی بندرگاہ اور سمندر صاف نظر آتے ہیں۔

الجحفہ

وادی قدید

الحلیص۔ بارونق شہر، شاداب سرسبز

عسفان۔ بارونق قصبہ، سرسبز

مکہ مکرمہ میں حافظ فتحی صاحب (نابینا) سے ملاقات، ان کا کتب خانہ شارع عبداللہ بن زبیر کی ایک بلند و بالا، مگر تنگ گلی کے اندر۔ شوق کتب، نادر مخطوطات

○

Marfat.com

تبصرۂ کتب

۱۔ امام غزالی کی کتاب الاربعین فی اصول الدین کا اجمالی جائزہ۔
۲۔ سیرت النبیؐ از مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی۔
۳۔ Jinnah- Wavell Correspondence از پروفیسر شیر محمد گریوال۔

Marfat.com

امام غزالی کی کتاب
الاربعین فی اصول الدین کا اجمالی جائزہ

پیش نظر کتاب الاربعین فی اصول الدین کے مصنف حجتہ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی ہیں۔ امام موصوف کو غَزَالی کہنا بھی درست ہے اور غزَالی بھی۔ امام غزالی خراسان کے شہر طوس کے ایک گاؤں میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم طوس ہی میں حاصل کی۔ اس کے بعد امام الحرمین ابو المعالی کے درس میں شرکت کے لیے نیشاپور پہنچے اور محنت و مشقت کر کے علوم و معارف میں مہارت تامہ حاصل کرلی اور اپنے استاد کی زندگی ہی میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا۔

امام غزالی غیر معمولی ذہانت اور بے شمار فضائل و مناقب کے مالک تھے۔ تصنیف و تالیف اور وعظ و تذکیر کی بے پناہ صلاحیتیں رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے عہد کی روحانی، ذہنی اور فکری ہر قسم کی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا اور ہر قسم کے تجربات سے اپنے دامن علم و عمل کو بھر لیا۔ نیشاپور، بغداد، حجاز اور شام و مصر کے سفروں نے انہیں علمی، روحانی اور فکری جلا بخشی۔ فلسفۂ و حکمت کا بھی بغور مطالعہ کیا، مگر کہیں بھی روحانی تسکین اور رہنمائی نہ ملی۔ تصوف اور روحانی اقدار کی طرف میلان زیادہ ہوتا چلا گیا۔ بالآخر دین اسلام کے حقائق نے ایمان کو تازگی بخشی اور پھر سے توحید و رسالت اور یوم آخرت پر ایمان و یقین پختہ ہو گیا۔ ایمانیات میں غور و فکر نے بالآخر زندگی کی راہ ہموار کر دی۔ امام غزالیؒ نے تصنیف و تالیف، وعظ و تذکیر اور زہد و تقویٰ کی زندگی اختیار کی اور اس میں ذہنی اور روحانی سکون پایا۔ اس بھرپور زندگی کے بعد ۵۰۵ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آج نو صدیاں گزرنے کے بعد بھی امام غزالی کا نام زندہ ہے اور ان کی بے شمار تصنیفات ہزارہا انسانوں کی روحانی اور ذہنی و فکری تسکین کا سامان مہیا کیے ہوئے ہیں۔

امام غزالی کی ایک تصنیف الاربعین فی اصول الدین ہے جس میں انہوں نے علوم و معارف' اعمال ظاہرہ اور پسندیدہ و ناپسندیدہ اخلاق پر تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ کتاب انہیں چار حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے کا نام قسم المعارف ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات' اس کی تقدیس' اس کی قدرت' اس کا علم' اس کی مشیت و ارادہ' اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال' یوم آخرت اور نبوت کا تفصیلی بیان ہے۔ کتاب کا دوسرا حصہ اعمال ظاہرہ' یعنی نماز' زکواۃ' روزہ' حج' تلاوت قرآن مجید' ذکر الٰہی' طلب رزق حلال' لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آنا' امر بالمعروف (یعنی نیکی کا حکم کرنا) اور اتباع سنت نبوی کے بیان پر مشتمل ہے۔ تیسرے حصے میں اخلاق مذمومہ' یعنی ناپسندیدہ اور برے اخلاق کا ذکر ہے۔ اس حصہ میں امام غزالی نے زیادہ کھانے' زیادہ بولنے' غیض و غضب' حسد و بغض' بخل اور حب جاہ' رعونت اور حب مال' حب دنیا' تکبر و غرور' عجب و خود بینی' ریا اور نمود و نمائش پر بحث کی ہے۔ چوتھے حصے میں اخلاق محمودہ' یعنی پسندیدہ اور عمدہ اخلاق پر لکھا ہے اور اس ضمن میں توبہ' خوف و امید' زہد' صبر' شکر' نیت' اخلاص و صدق' توکل' محبت' رضا بالقضا' موت اور اس کی حقیقت ایسے اہم عنوان زیر بحث لائے گئے ہیں۔

کتاب اربعین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالی ایک ایسے پاکیزہ فلاحی اور مثالی معاشرے کی تشکیل کے خواہش مند' بلکہ داعی ہیں جس کے افراد ہر لحاظ سے مطمئن اور پرسکون ہوں۔ جن کا تعلق ایک طرف تو اللہ تعالیٰ سے نہایت گہرا اور مضبوط ہو اور دوسری جانب وہ مخلوق خدا کی بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے سے سرشار ہوں۔ اس مثالی معاشرے کا ہر فرد عمدہ اخلاق اور اعلیٰ اطوار کا حامل ہو اور ہر قسم کے ناپسندیدہ طور طریقوں اور رذیل و مذموم اخلاق سے متنفر نظر آئے۔ ہر فرد ہر کام کرتے وقت اسوہ حسنہ کو اپنے سامنے رکھے اور کسی لمحہ بھی یوم الحساب کو نظرانداز نہ کرے۔ اس اعلیٰ اور مقدس مقصد کے حصول کے لیے امام غزالی کے پیش کردہ طریق کار کی چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔

امام غزالی نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں نہایت صاف ستھرا اور نکھرا ہوا

تصور پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالی اپنی ذات میں واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں' وہ اکیلا ہے۔ اس جیسا کوئی اور نہیں۔ وہ بڑا بے نیاز اور مستغنی ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی ہمسر اور برابر نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ ہر کبریائی اور بزرگی کا مالک ہے۔ وہی اپنی مخلوق کی خبر گیری کرتا ہے۔ وہ زمین و آسمان کا مالک و خالق ہے اور ہر قسم کے عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔ اس کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے۔ کوئی چیز' کوئی راز اور کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ زمین و آسمان کی ہر شے اس کے ارادے اور مشیت کے تابع ہے جو اجالے میں ہو یا اندھیرے میں یکساں سنتا اور دیکھتا ہے۔ اس طرح دیگر صفات الٰہی کا ذکر کرنے کے بعد حشر نشر کا بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالی نے رسالت و نبوت کا سلسلہ قائم کرکے لوگوں کو ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کر دیا ہے۔ اب ہر انسان اپنے نیک و بد اعمال کا خود جواب دہ ہے۔ قیامت کے دن ہر ایک کو اپنے کیے کا بدلہ ملنے والا ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ اعمال ظاہرہ کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں امام غزالیؒ نے نماز کی اہمیت و فرضیت پر بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے۔ نماز ذکر الٰہی ہے۔ نماز ظاہری اور باطنی طہارت اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ نماز سے روح اور قلب کو فرحت اور تازگی حاصل ہوتی ہے۔ نماز کے مقاصد و فوائد حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نماز کی حقیقی روح کو پیش نظر رکھا جائے۔ یعنی اخلاص اور حضور قلب سے نماز ادا کی جائے۔ عجز و انکساری اور خشوع و خضوع سے اللہ کے دربار میں حاضری دی جائے۔ اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو نماز کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ امام غزالیؒ بے روح اور بے کیف رکوع و سجود نہیں چاہتے۔ ان کی خواہش ہے کہ نمازی اللہ کے حضور کھڑے ہو کر کیف و سرور محسوس کرے۔ اس کے ساتھ اس خالق و مالک کا رعب و جلال بھی ملحوظ رہے اور اپنے عجز اور اپنی بے چارگی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ الفاظ کے ساتھ معانی پر بھی نظر رہے۔ زبان سے ادا ہونے والا ہر لفظ قلب و روح کو متاثر کر رہا ہو۔ یہ ہے وہ نماز جو امام غزالی ایک مسلمان کے لیے پسند کرتے ہیں۔

Marfat.com

امام غزالی چاہتے ہیں کہ نماز کی طرح دوسرے ارکان اسلام' یعنی زکواۃ' روزہ اور حج میں بھی اخلاص' عجز و انکساری' خشوع و خضوع اور خشیت الٰہی کار فرما نظر آئے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہر مسلمان کا عمل ریا' نمود و نمائش' ظاہرداری اور تکلف و تصنع سے پاک ہو۔

امام غزالی اس بات کی تمنا رکھتے ہیں کہ ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک گہرا رابطہ قائم رکھے۔ نماز کے بعد اس کا بہترین ذریعہ وہ تلاوت قرآن مجید اور ذکر الٰہی کو قرار دیتے ہیں۔ اس سے سکون قلب اور قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل پیدا ہوتا ہے۔ اللہ سے محبت و انس کے علاوہ اطمینان قلب اور تسکین خاطر کی نعمت بھی میسر آ جاتی ہے۔ قرآن مجید انوار معرفت اور اسرار الٰہی کا خزینہ بھی ہے اور دستور زندگی بھی۔ اس لیے مطالب و معانی پر گہری نظر رکھنی چاہیے۔ قرآن مجید میں غور و خوض سوز و گداز کی کیفیت پیدا کر دے۔ تلاوت کے دوران میں اللہ تعالیٰ کی محبت و موانست اور خشیت و ہیبت کے ملے جلے جذبات سے قاری کے دل و دماغ سرشار رہیں تو زبان کے ساتھ قلب و نظر بھی پوری طرح لطف اندوز ہوں۔

امام غزالی ایک صاف ستھرا اور پاکیزہ معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں لوگ رزق حلال پر قناعت کریں اور رزق حرام سے بچیں۔ انہوں نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ مسلمان کا کھانا پینا اور پہننا سب حلال اور طیب ہو۔ شریعت کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے صاف ستھری اور پاکیزہ چیزیں استعمال کی جائیں۔ اخلاق و عبادات کی درستی کے لیے یہ نہایت ضروری ہے۔ حرام' ناپاک اور گندی چیزوں کے استعمال سے روحانی اور جسمانی صحت خراب ہو جاتی ہے اور اعمال و عبادات بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔

امام غزالی نے تہذیب و تمدن اور حسن معاشرت پر بڑا زور دیا ہے وہ چاہتے ہیں کہ لوگ حسن اخلاق کا مظاہرہ کریں۔ ایک دوسرے سے خندہ پیشانی اور خوش روئی سے ملیں۔ نیک کاموں کی تلقین کریں اور برے کاموں سے روکیں تاکہ معاشرہ خوش باش اور شگفتہ نظر آئے اور لوگ امن و سکون اور اطمینان و تسکین کی زندگی بسر کر سکیں۔

Marfat.com

معاشرے میں صاف اور پاکیزہ ماحول قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ احترام آدمیت کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس سے معاشرتی زندگی میں وقار' ادب و احترام' شائستگی اور سکون و اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں امام غزالیؒ کی یہ نصیحت ہے کہ کسی کے حقوق کو پامال نہ کیا جائے' کسی شخص کے بارے میں بدظنی اور بدگمانی سے کام نہ لیں' کسی کی دل آزاری نہ ہونے پائے۔ کسی کو ایذا نہ دی جائے۔ آپس میں حسن سلوک کریں اور برائی کے بدلے بھی نیکی کریں' اس سے عزت اور محبت بڑھتی ہے۔ دوسروں کی تکلیف رفع کرنے کے لیے ہروقت بے قرار و بے چین رہنا اعلیٰ کردار کی علامت ہے۔ چھوٹوں پر شفقت کرو' بڑوں کی عزت کرو' بوڑھوں کا احترام کرو' اللہ تعالیٰ تمہارے بڑھاپے کو باعزت اور باوقار بنا دے گا۔ آپس میں گفتگو کرتے وقت چہروں پر شگفتگی اور بشاشت ہو اور لب و لہجہ نرم اور شائستہ ہو۔ ایک دوسرے کی بہتری اور اصلاح ہروقت پیش نظر رہے۔ چغلی اور عیب جوئی سے پرہیز لازمی ہے' کیونکہ اس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ دوستوں اور بھائیوں کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرو۔ ضرورت مند افراد کی ضرورتوں کو پورا کرو۔ ہرایک سے نیکی اور احسان کرو۔[۷]

امام غزالی چاہتے ہیں کہ معاشرے میں اعتدال اور توازن برقرار رکھنے کے لیے غریب' نادار اور مسکین افراد معاشرہ کے ساتھ میل جول اور نشست و برخاست کو بڑھایا جائے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جلالت قدر اور عظمت شان کے باوجود طبقہ مساکین سے بڑی محبت رکھتے تھے اور اکثر ان کے درمیان تشریف فرما رہتے تھے۔ ایسی ہمدردی اور دلجوئی سے محبت و موانست اور باہمی اعتماد و احترام کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ دولت مند اور تونگر حضرات پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے غریب و بے کس اور کمزور اور ناتواں بھائیوں کا ہر سطح پر خیال رکھیں۔ بیماروں کی عیادت اور خبرگیری کرکے ان کی ڈھارس بندھائی جائے اور انھیں تسلی دی جائے کہ وہ انشاء اللہ جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں یہ بھی ضروری ہے کہ صلہ رحمی کے اصول اپنائے جائیں۔ رشتے داروں سے اچھا سلوک کیا جائے۔ دکھ سکھ میں ان کے شریک رہیں۔

Marfat.com

ہمسایوں اور پڑوسیوں کا ہر طرح خیال رکھیں۔ ضرورت کے وقت ان کے کام آئیں۔ تکلیف میں ان کی مدد کریں۔ ان کی عزت و آبرو کے پاسبان بن جائیں۔ خود بینی' خود ستائی اور تکبر و غرور سے ہر چند بچتے رہیں۔ زندگی کے ہر معاملے میں سید الانبیآء' سرور کونین' رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھیں۔ اللہ تعالی نے آپ کو بنی نوع انسان کے لیے اکمل و احسن نمونہ بنا دیا ہے۔ ہماری نجات اسی بات میں ہے کہ ہم بدل و جان آپ کی اتباع اور پیروی کریں۔

امام غزالیؒ نے اسی انداز میں توبہ' صبر و شکر' توکل' محبت اور رضا بالقضا پر خوب کھل کر بحث کی ہے۔ کتاب کے آخر میں انسان کے انجام' یعنی موت اور اس کی حقیقت پر مفصل گفتگو فرمائی ہے۔

میری نظر میں اس کتاب کی تالیف سے امام غزالی کا مقصد ایک ایسے فلاحی اور پاکیزہ معاشرے کا قیام ہے جس کے سارے افراد اللہ تعالی پر پختہ ایمان رکھتے ہوں۔ جن کے دلوں میں خوف خدا بسا ہو اور جو آخرت میں جزا و سزا کو یقینی مانتے ہوں۔

امام غزالیؒ نے اس کتاب میں فقہ اور تصوف کے حسین امتزاج سے ایمان کی تازگی اور یقین کی پختگی کا وافر سامان مہیا کر دیا ہے۔ وہ فقہی مسائل بیان کرتے ہوئے وعظ و نصیحت کا ایسا انداز اختیار کرتے ہیں جس سے محبت الٰہی کا ذوق و شوق فراواں ہو جاتا ہے اور تذکیر و نصیحت زیادہ مؤثر صورت اختیار کر لیتی ہے۔ الغرض امام غزالی نے اپنے اسلوب بیان سے قارئین کی زندگی میں حقیقی معنوں میں روحانی انقلاب پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

(بتاریخ ۲۴ فروری ۱۹۸۶ء لکھا گیا)

○○○

Marfat.com

سیرت النبیؐ : از: مولانا شبلی نعمانیؒ و سید سلیمان ندویؒ

کتاب سیرت النبیؐ مولانا شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی ایک عظیم اور اہم تصنیف ہے۔ اس کتاب کی تدوین و تکمیل کے لیے بڑی محنت اور مشقت برداشت کی گئی۔ سیرت النبی کی تصنیف وقت کی اہم ضرورت تھی۔ انگریز نے مسلمانوں کو تاج و تخت سے محروم کر دینے کے بعد ان کے ایمان اور دین پر بھی ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی۔ عیسائی مشنریوں کے ساتھ مل کر ہندوؤں نے اسلام اور پیغمبر اسلامؐ پر من گھڑت الزامات و اعتراضات کی بھرمار کر دی۔ اس اسلام دشمن تحریک کا مقصد یہ تھا کہ اس برصغیر میں مسلمانوں کا نام و نشان باقی نہ رہنے دیا جائے۔ سلطنت پر قبضہ کر لینے کے بعد یہ پروگرام بنایا گیا کہ مسلمان کو علم و دانش کے نام پر جل دیا جائے اور اسلام' قرآن اور پیغمبر اسلام سے متعلق ایسی معلومات عام کر دی جائیں جو مسلمانوں میں تشکیک اور تذبذب پیدا کر کے انہیں اپنے مذہب اور عقیدے کے بارے میں بدظن کر دیں' تاکہ وہ آہستہ آہستہ اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیں۔ یا کم از کم ان کا ایمانی جوش ٹھنڈا پڑ جائے۔ عیسائی اور ہندو اس مقصد کو لے کر بڑے جوش و خروش سے آگے بڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالی نے علامہ شبلی کو ہمت اور توفیق عطا کی اور اس نے اس لادینی سیلاب اور اسلام دشمنی کے طوفان بدتمیزی کو روکنے کے لیے ۱۹۰۵ء میں سیرت النبیؐ کی تصنیف کا آغاز کر دیا'

شبلی کا مقصد یہ تھا کہ سیرت النبیؐ پر اس انداز میں کتاب مرتب اور مدون کی جائے کہ عیسائی' یہودی اور ہندو مصنفوں کے پیدا کردہ شکوک کا ازالہ کیا جائے اور ان کی پھیلائی ہوئی بدظنیوں کو رفع کیا جائے۔ اس لیے یورپ کی زبانوں کی بیشتر کتابوں سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ چنانچہ مولانا شبلی نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کا اس ضمن میں بھرپور تعاون حاصل کیا۔ ۱۹۰۵ سے لے کر ۱۹۱۴ء تک سیرت النبیؐ کی تدوین و تکمیل اور

Marfat.com

تہذیب و ترتیب میں دن رات مصروف رہے۔ وہ اس کتاب کو دائرۃ المعارف النبویہ بنانا چاہتے تھے۔ مولانا شبلی سیرت النبی کی صرف پہلی دو جلدوں کو مرتب کر پائے تھے کہ انتقال فرما گئے۔ انھیں موت نے مہلت نہ دی۔ چنانچہ ان کے عزیز شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی نے تدوین و تکمیل اور اشاعت کا کام اپنے ذمے لیا اور مولانا شبلی کی وفات کے چار سال بعد ۱۹۱۸ء میں پہلی جلد شائع کی جو ۴۲۲ صفحات پر مشتمل تھی۔ اس جلد میں سیرت اور تاریخ پر ایک شاندار اور پر از معلومات مقدمہ تحریر کیا جو تاریخ اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصولوں کے بارے میں ایک اہم دستاویز کا درجہ رکھتا ہے۔ شبلی نے مقدمہ سیرت النبی میں اصول درایت اور جرح و تعدیل کے فن کا احیا کیا ہے۔ پہلی جلد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب اور خاندان کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے بعد آپ کی ولادت با سعادت، بچپن، لڑکپن، جوانی، تجارت، کاروبار، آپ کی متاہلانہ زندگی کا آغاز، مجلسی اور معاشرتی زندگی میں دلچسپی اور شرکت، شوق عبادت و تلاش حق، آغاز نبوت، تبلیغ و اشاعت اسلام، مکی زندگی کے حالات، ہجرت، مدینہ منورہ میں مستقل رہائش، بلدیاتی نظام کا اجراء اور غزوات وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

دوسری جلد مرتبہ مولانا شبلی نعمانی ۱۹۲۰ء میں طبع ہوئی اور ۴۳۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد میں ۹ھ سے ۱۱ھ تک کے واقعات زیر بحث لائے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں قیام امن، انتظام و استحکام، اسلامی ریاست مدینہ، اشاعت اسلام، ملکی اور مذہبی انتظامات، تکمیل شریعت، حجۃ الوداع، وصال، اخلاق و شمائل اور عبادات و خصائل، ازواج و اولاد وغیرہ مباحث پر نہایت عالمانہ اور محققانہ انداز میں زور قلم صرف کیا ہے۔

تیسری جلد ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی اور ۸۶۸ صفحات پر مشتمل تھی یہ جلد مولانا سید سلیمان ندوی کی کاوشوں اور تحقیق کا نتیجہ ہے۔ اس جلد میں مصنف شہیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات و خوارق پر عالمانہ اور حکیمانہ انداز میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔

چوتھی جلد ۱۹۳۲ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ۸۸۸ صفحات کی صورت

Marfat.com

میں قارئین تک پہنچی۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس جلد میں منصب نبوت پر دل کھول کر بحث کی۔ بحث کے دوران میں منصب نبوت کی حقیقت اور اسلامی عقائد بالتفصیل بیان کیے ہیں۔

پانچویں جلد ۱۹۳۵ء میں طبع ہوئی اور ۵۰۰ صفحات پر مشتمل تھی۔ اس جلد میں سید صاحب نے عبادات پر نہایت پر مغز اور مفید گفتگو کی ہے' نیز زہد و تقویٰ' صبر و استقامت ایسے اوصاف حمیدہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

سیرت النبی میں شبلی کے قلم نے عقیدت و محبت کے سرور میں علم و دانش کی فرزانگی کے ساتھ نکتہ رسی اور دیدہ وری کی جو صنعت کاریاں اور اخلاق و نیاز کے ساتھ جو گلکاریاں کی ہیں وہ رہتی دنیا تک اہل اسلام کے لیے ایمان افروز ثابت ہوتی رہیں گی۔ شبلی نے علم و ادب اور تحقیق کی خوب داد دی ہے' ان کے نوک قلم سے شہد ٹپکتا اور پھول برستے دکھائی دیتے ہیں۔

سیرت النبی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا والہانہ اظہار عقیدت ہے۔ شبلی نے اس کتاب میں اتنے شغف وشوق سے کام لیا ہے کہ اس کی یہ کتاب عشق نبی اور محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یادگار بن گئی ہے۔

مولانا شبلی چاہتے تھے کہ نفوس انسانی کے اخلاق و عادات کی اصلاح و تکمیل کے لیے ایک ایسا کامل نمونہ پیش کیا جائے جس کے فضائل اخلاق کا ایک پیکر مجسم سامنے آجائے۔ جو خود ہمہ تن آئینہ عمل ہو۔ جس کی ہر جنبش لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے اور جس کا ایک ایک اشارہ اوامر سلطانی بن جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تمام فضائل اخلاق کی جامع اور بنی نوع انسان کے لیے زندگی کے ہر شعبے کے لیے ایک مکمل اور حسین نمونہ ہے۔ اس لیے شبلی نے سیرت النبی ایسی کتاب لکھ کر ایک ایسی اہم ضرورت کو پورا کیا جو بیک وقت مذہبی اور دینی بھی ہے' علمی اور تمدنی بھی اور اخلاقی و ادبی بھی۔

سیرت النبی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم کے احوال و کوائف اور سوانح حیات کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ وہ ایک طرف تو اہل ایمان کے لیے بصیرت افروز اور ایمان پرور ہے اور دوسری طرف عیسائی پادریوں اور ہندو مناظروں کی طرف سے پیدا کیے گئے شکوک و شبہات کو علمی براہین اور عقلی دلائل سے رفع کرتی ہے۔

مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ میری کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں ماخذ کے سلسلے میں قرآن مجید کو سب پر مقدم رکھا گیا ہے۔ پھر اکثر تفصیلی واقعات میں نے حدیث ہی کی کتابوں سے ڈھونڈ کر مہیا کیے ہیں، جو اہل سیر کی نظر سے اوجھل رہ گئے ہیں۔ عام واقعات کے لیے ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کو کافی سمجھا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ سیرت النبی ایک جلیل القدر اور اہم تصنیف ہے جو کڑے تنقیدی اصولوں کے تحت لکھی گئی ہے۔ اس میں دنیا کی اہم زبانوں سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ غیر مسلموں کے پیدا کردہ شکوک و شبہات اور اعتراضات کا شافی جواب ہونے کے علاوہ اس کی تاریخی حیثیت بھی مسلمہ ہے۔

○○○

نام کتاب:

Jinnah- Wavell Correspondence
(1943-47)

مؤلف: شیر محمد گریوال

یہ کتاب سیاسی اور تاریخی اعتبار سے گوناں گوں اہمیت کی حامل ہے۔ مؤلف کتاب شیر محمد گریوال نے بڑے محنت اور تحقیق سے قائد اعظم محمد علی جناح اور لارڈ ویول کے درمیان ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۷ء تک ہونے والی خط و کتابت کو یکجا محفوظ کر دیا ہے۔ مؤلف کتاب تاریخ کے ایک محقق اور محنتی استاد ہیں اور ان کا شمار ان نوجوانوں میں ہوتا ہے جنہیں پاکستان سے سچی محبت ہے اور جو پاکستان اور بانی پاکستان سے عقیدت اور قلمی خلوص رکھتے ہیں۔

مؤلف نے اس کتاب میں کل ایک سو ستائیس دستاویزات جمع کر دی ہیں جن میں ۹۸ خطوط اور ٹیلی گرام ہیں گیارہ عدد ملفوظات اور اٹھارہ زیادات و ملاقات۔ مؤلف کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ ان میں سے چوالیس دستاویزات پہلی مرتبہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

اگرچہ اس سلسلے کی یہ تیسری کتاب ہے جن میں قائد اعظم اور تین برطانوی وائسراؤں کے درمیان ہونے والی خط و کتابت طبع ہوئی ہے۔ اس سے پہلے ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان لارڈ اروِن اور لارڈ لنلتھگو سے قائد اعظم کی خط و کتابت دو الگ الگ کتابوں میں شائع کر چکی ہے۔ زیر بحث کتاب میں قائد اعظم اور لارڈ ویول کے درمیان جن موضوعات پر خط و کتابت ہوئی ان میں سے قحط بنگال (۱۹۴۳ـ ۱۹۴۴ء)

Marfat.com

مسلمانان کشمیر کی ناگفتہ بہ حالت (۱۹۴۳ء)' شملہ کانفرنس (۱۹۴۵ء) کینٹ مشن پلان (۱۹۴۶ء) اور عبوری حکومت (۱۹۴۶ء) ایسے نہایت نازک اور حساس مسائل شامل ہیں۔

سیاست کار حضرات سیاسی مدبرین اور قائدین کے خطوط و مکتوبات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ اہمیت سیاسی بھی ہوتی ہے اور تاریخی بھی۔ ایسے خطوط اس عہد کے سیاسی رجحانات و انقلابات' نیز سیاسی عمل کے ارتقا پر نہ صرف روشنی ڈالتے ہیں' بلکہ اس عہد کی سیاسی تگ و دو کو سمجھنے کے لیے بڑے ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ایک محقق اور مؤرخ ان مکتوبات و خطوط کے مطالعے سے اس دور کے سیاسی میلانات و رجحانات' سیاسی تحریکوں اور سیاسی جماعتوں کے موقف کو سمجھنے میں بڑی آسانی محسوس کرتا ہے۔ یہ خطوط لکھنے والے کے خلوص' لگن اور ذہن کی آئینہ داری کرنے کے علاوہ سیاسی مسائل کے حل کرنے اور سیاسی گتھیوں کے سلجھانے کے سلسلے میں سیاست دانوں اور سیاسی مدبروں کی مساعی اور طریق کار کی وضاحت کا پورا حق بھی ادا کرتے ہیں۔ لارڈ ویول تو برطانوی حکومت کے انتظامی نمائندے تھے۔[۴] بحیثیت وائسرائے ہند وہ برطانوی حکومت کی حکمت عملی کے ترجمان تھے۔ دوسری طرف قائد اعظم محمد علی جناح مسلمانان ہند کے نمائندے اور ترجمان تھے۔ آپ مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے اسلامیان ہند کے مفاد کے محافظ اور ان کے حقوق کے پاسبان و نگران تھے۔ ان خطوط کے مطالعہ سے قائد اعظم کے کردار کی عظمت' آپ کے عزم و استقلال' آپ کی جرأت و ہمت' سیاسی بصیرت' قوت ارادی اور خود اعتمادی کا پتا چلتا ہے اور قاری یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ قائد اعظم اپنے معاصرین میں نہایت ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کے ان خطوط سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ قائد اعظم جہاں عزم و ہمت کے اعتبار سے نوجوان تھے وہاں آپ ہمیشہ پر امید نظر آتے ہیں۔ اور مایوسی اور قنوطیت کے ان کے ہاں بالکل ناپید تھی۔ میدان سیاست میں آپ ہزیمت و شکست کے نام تک سے ناواقف و ناآشنا رہے۔ ہر محاذ پر فتح و نصرت نے آپ کے قدم چومے۔ قائد اعظم نے ذہن رسا پایا تھا۔ ایشیا کے سیاسی افق پر مہتاب و آفتاب بن کر ابھرے اور سیاسی تدبیر و بصیرت کی چمک سے

Marfat.com

مخالفین کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ پاکستان کے قیام کے سلسلے میں آپ جو سیاسی جنگ مختلف سیاسی جماعتوں اور برطانوی حکمرانوں سے لڑے اس نے آپ کی قیادت و صداقت کا لوہا منوا کر چھوڑا۔ قیام پاکستان قائد اعظم کا عظیم الشان اور نادر المثال کارنامہ ہے اور اس کارنامے کی بدولت آپ کا شمار دنیا کے صف اول کے سیاسی مفکروں اور مدبروں میں ہوتا ہے۔ مؤلف کتاب پروفیسر شیر محمد گریوال مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے تحقیق و محنت کا حق ادا کرتے ہوئے کتاب کی افادیت و اہمیت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ انہوں نے کتاب کے شروع میں بتیس صفحات پر مشتمل سیاسی حالات پر سیر حاصل اور معلومات افزا تبصرہ کیا ہے۔ پھر جا بجا متن (صفحہ نمبر ۱ تا ۱۲۳) کی وضاحت و صراحت کے لیے تشریحی حواشی لکھے ہیں جو تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ زیادات و ملحقات (صفحہ نمبر ۱۲۷ تا ۱۹۰) کے عنوان سے مزید تاریخی اور سیاسی معلومات فراہم کی گئی ہیں جو بذات خود بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

ملحقات کے بعد اہم سیاسی واقعات کو وقائع کے عنوان سے سنین و تواریخ کے اعتبار سے قلمبند کیا ہے۔ آخر میں ماخذ و مصادر کی فہرست بھی درج کر دی گئی ہے تاکہ کتاب پڑھنے والے حضرات مزید معلومات کے لیے مفید و مستند کتابوں کی طرف رجوع کر سکیں۔ غرضیکہ مؤلف نے اس کتاب میں ہر اعتبار سے مفید اور مستفید معلومات جمع کر دی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہر قاری اس کتاب کو پڑھنے کے بعد کسی تشنگی کی شکایت نہ کر پائے گا۔ میرے نزدیک قائد اعظم کی شخصیت اور اہم کردار کو سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

○○○

Marfat.com

المکتبۃ العلمیۃ

Marfat.com